سلسلہ
فقہ الحدیث
12

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں

کتاب الطلاق

طلاق کی کتاب

الطلاق مرتان

تالیف و تخریج
حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ

تحقیق و افادات:
محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی

ناشر
فقہ الحدیث پبلیکیشنز

ڈسٹری بیوٹر
نعمانی کتب خانہ

كتاب الطلاق

طلاق کی کتاب

نام کتاب

کتاب الطلاق

طلاق کی کتاب

تالیف وتخریج

حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ

تحقیق وافادات :

محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی

تاریخ اشاعت

اکتوبر ۲۰۰۵ء

مطبوعہ

علی آصف پرنٹرز لاہور

ناشر

فقہ الحدیث پبلیکیشنز

لاہور (پاکستان)

Fiqh-ul-Hadith Publications

Mobile: 0300-4206199

E-mail: fiqhulhadith@yahoo.com

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (بخاری)

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین میں فقاہت عطا فرما دیتے ہیں

سلسلہ
فقہ الحدیث
12

كتاب الطلاق

طلاق کی کتاب

تالیف و تخریج

حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ

تحقیق و افادات :

محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی

ناشر

فقہ الحدیث پبلیکیشنز
لاہور (پاکستان)

نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ اردو بازار لاہور (پاکستان)
فون: 042-7321865, 0333-4229127

NOMANI

بسم اللہ الرحمن الرحیم

www.KitaboSunnat.com

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

انسانی معاشرے کی بنیاد اور اکائی خاندان ہے اور یہ مرد و زن کے ملاپ یعنی نکاح کے ذریعے ہی وجود میں آتا ہے۔ نسل انسانی کی بقاء' بچوں کی تربیت اور قومی تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی کا تعلق مستحکم و پائیدار ہو۔ اسی لیے اسلام نے زن و شوہر کے تعلق کو ٹوٹنے سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے' زوجین میں سے ہر ایک کو دوسرے کی غیر مناسب عادات اور ناموافق خصلتوں کو نظر انداز کرنے اور صبر و تحمل سے کام لینے کی ترغیب دلائی ہے' لڑائی جھگڑے کی صورت میں حکم دیا ہے کہ دونوں خاندانوں سے ایک ایک منصف مقرر کیا جائے جو زوجین کے درمیان اصلاح کی سرتوڑ کوشش کرے' اگر اصلاح محال ہو جائے اور ہر کوشش طلاق پر ہی منتج ہو رہی ہو تو ایسی حالت (طہر) میں طلاق کا حکم دیا ہے جس میں طبعی طور پر مرد کو عورت کی خواہش ہوتی ہے' طلاق کے بعد تین ماہ کی مدت تک مرد کو سوچنے سمجھنے کا موقع دیا ہے کہ اگر اس نے غصے میں آ کر' جلد بازی میں یا کسی فوری جذبے کی وجہ سے طلاق دے دی تھی تو اسے اس کی تلافی کا موقع مل جائے' اگر تین ماہ کی مدت تک بھی وہ رجوع نہ کرے تو عدت کے بعد دوبارہ نکاح کے ذریعے انہیں ازدواجی رشتہ قائم کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔

ان تمام احکامات سے مقصود یہی ہے کہ خاندان بکھرنے سے بچ جائے۔ لیکن بعض اوقات حالات ایسے کشیدہ ہو جاتے ہیں کہ دونوں میں مفارقت کرائے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں رہتا تو ان حالات میں طلاق کا ضابطہ نہایت ضروری ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نکاح کا مقصد محض یہی نہیں ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے سے بندھے رہیں' خواہ ان کے باہمی روابط انتہائی خراب ہی ہو چکے ہوں۔ بلکہ مقصودِ حقیقی یہ ہے کہ ان دونوں کے ملاپ سے ایک اچھی اور خوشگوار زندگی وجود میں آئے اور وہ دونوں اپنی زندگی کا سفر ایک دوسرے کے حقوق و واجبات کو ادا کرتے ہوئے خوش اسلوبی کے ساتھ طے کریں لیکن جب دونوں کے حالات انتہائی بگڑ جائیں اور معاملہ حد سے بڑھ جائے اور کسی اصلاح کی امید باقی نہ رہے تو پھر شریعت طلاق یا خلع کے ذریعے اس معاشرتی بندھن سے چھٹکارا حاصل کر لینے کی اجازت دیتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات شر سے بچنے کے لیے اس قسم کا چھٹکارا حاصل کر لینا ہی زیادہ بہتر ہوتا ہے تاکہ مزید خرابیاں پیدا نہ ہوں۔

مسئلہ طلاق کی اہمیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ دو خاندانوں کی تباہی یا سلامتی پر منتج ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ جس طرح مسئلہ طلاق اہمیت کا حامل ہے اسی طرح طلاق سے متعلقہ شرعی احکامات کو جاننا بھی ضروری ہے۔ تاکہ ہر طلاق کی حد تک پہنچنے والا مسنون طریقۂ طلاق سے غافل نہ ہو اور اس طرح وہ اپنے خاندان کو تباہی سے بچانے میں کامیاب ہو سکے۔ کیونکہ اگر شریعت کی مقرر کردہ طلاق کی حدود و قیود کو پیش نظر رکھا جائے تو اولاً طلاق دینے کی نوبت ہی بہت کم پیش آتی ہے اور اگر آتی بھی ہے تو حق رجوع یا نکاحِ جدید کے ذریعے اپنی بیوی کو دوبارہ بسانے کا موقع بھی حاصل رہتا ہے۔

زیر نظر کتاب " کتاب الطلاق " میں طلاق سے متعلقہ جملہ مسائل واحکام کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بطورِ خاص اصلاح بین الزوجین' طلاق کی شرائط' طلاق کا مسنون طریقہ' طلاق کی اقسام' طلاق کے الفاظ' رجوع' خلع' لعان' ظہار وغیرہ کے مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ دلائل کے لیے قرآنی نصوص کے علاوہ صحیح احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ہر حدیث کو باحوالہ نقل کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ کی گزشتہ کتب کی طرح اس کتاب میں بھی تحقیق وتخریج' کبار علماء کے فتاویٰ جات اور جامعیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

طلاق کے مختلف پیچیدہ مسائل کو دورِ حاضر کے متعدد ممتاز سلفی علمائے کرام (جن میں فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف ﷾' فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالسلام بھٹوی ﷾ اور محترم جناب پروفیسر عبدالجبار شاکر ﷾ قابل ذکر ہیں) کی مشاورت سے قلم بند کیا گیا ہے۔ پھر بھی اگر اہل علم کہیں قابل اصلاح پہلو دیکھیں تو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ اس کی جلد از جلد تصحیح کی جا سکے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ راقم الحروف کی اس کاوش کو قبول عطا فرمائے' اسے عامۃ المسلمین کے لیے نافع بنائے اور اسے راقم' اس کے اہل وعیال اور اس کارِ خیر میں کسی بھی طریقے سے تعاون کرنے والے حضرات کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ (آمین یا رب العالمین!)

"وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت وإلیہ انیب"

کتبہ

حافظ عمران ایوب لاہوری

بتاریخ : 22 ستمبر 2005ء

بمطابق : 18 شعبان 1426ھ

فون: 0300-4206199

ای میل: hfzimran_ayub@yahoo.com

فہرست

میاں بیوی کے درمیان اصلاح کا بیان

طلاق کی کراہت کا بیان

طلاق کے جواز کا بیان

طلاق میں نیت کا بیان

طلاق کے احکام کا بیان

طلاق کی اقسام کا بیان

جس ذریعے سے طلاق واقع ہوتی ہے

جس کی طرف سے طلاق واقع نہیں ہوتی

رجوع کا بیان

خلع کا بیان

ایلاء کا بیان

ظہار کا بیان

لعان کا بیان

عدت کا بیان

خرچے کا بیان

رضاعت کا بیان

پرورش کا بیان

چند ضروری اصطلاحات بترتیب حروف تہجی

(1)	اجتہاد	شرعی احکام کے علم کی تلاش میں ایک مجتہد کا استنباطِ احکام کے طریقے سے اپنی بھرپور ذہنی کوشش کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔
(2)	اجماع	اجماع سے مراد نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی خاص دور میں (امت مسلمہ کے) تمام مجتہدین کا کسی دلیل کے ساتھ کسی شرعی حکم پر متفق ہو جانا ہے۔
(3)	استحسان	قرآن' سنت یا اجماع کی کسی قوی دلیل کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دینا۔اس کے علاوہ بھی اس کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔
(4)	استصحاب	شرعی دلیل نہ ملنے پر مجتہد کا اصل کو پکڑ لینا استصحاب کہلاتا ہے۔واضح رہے کہ تمام نفع بخش اشیاء میں اصل اباحت ہے اور تمام ضرر رساں اشیاء میں اصل حرمت ہے۔
(5)	اصل	اصول کا واحد ہے اور اس کے پانچ معانی ہیں۔(1) دلیل (2) قاعدہ (3) بنیاد (4) راجح بات (5) حالت مستصحبہ۔
(6)	امام	کسی بھی فن کا معروف عالم جیسے فن حدیث میں امام بخاری اور فن فقہ میں امام ابوحنیفہ۔
(7)	آحاد	خبر واحد کی جمع ہے۔اس سے مراد ایسی حدیث ہے جس کے راویوں کی تعداد متواتر حدیث کے راویوں سے کم ہو۔
(8)	آثار	ایسے اقوال اور افعال جو صحابہ کرام اور تابعین کی طرف منقول ہوں۔
(9)	اطراف	وہ کتاب جس میں ہر حدیث کا ایسا حصہ لکھا گیا ہو جو باقی حدیث پر دلالت کرتا ہو مثلاً تحفۃ الأشراف از امام مزی وغیرہ۔
(10	اجزاء	اجزاء جزء کی جمع ہے۔اور جزء اس چھوٹی کتاب کو کہتے ہیں جس میں ایک خاص موضوع سے متعلق بالاستیعاب احادیث جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہو مثلاً جزء رفع الیدین از امام بخاری وغیرہ۔
(11	اربعین	حدیث کی وہ کتاب جس میں کسی بھی موضوع سے متعلقہ چالیس احادیث ہوں۔
(12	باب	کتاب کا وہ حصہ جس میں ایک ہی نوع سے متعلقہ مسائل بیان کیے گئے ہوں۔
(13	تعارض	ایک ہی مسئلہ میں دو مخالف احادیث کا جمع ہو جانا تعارض کہلاتا ہے۔
(14	ترجیح	باہم مخالف دلائل میں سے کسی ایک کو عمل کے لیے زیادہ مناسب قرار دے دینا ترجیح کہلاتا ہے۔
(15	جائز	ایسا شرعی حکم جس کے کرنے اور چھوڑنے میں اختیار ہو۔مباح اور حلال بھی اسی کو کہتے ہیں۔
(16	جامع	حدیث کی وہ کتاب جس میں مکمل اسلامی معلومات مثلاً عقائد' عبادات' معاملات' تفسیر' سیرت' مناقب' فتن اور روز محشر کے احوال وغیرہ سب جمع کر دیا گیا ہو۔
(17	حدیث	ایسا قول' فعل اور تقریر جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی گئی ہو۔سنت کی بھی یہی تعریف ہے۔یاد رہے کہ تقریر سے مراد آپ ﷺ کی طرف سے کسی کام کی اجازت ہے۔
(1	حسن	جس حدیث کے راوی حافظے کے اعتبار سے صحیح حدیث کے راویوں سے کم درجے کے ہوں۔
(1	حرام	شارع علیہ السلام نے جس کام سے لازمی طور پر بچنے کا حکم دیا ہو نیز اس کے کرنے میں گناہ ہو جبکہ اس سے اجتناب میں ثواب ہو۔
(2	خبر	خبر کے متعلق تین اقوال ہیں۔(1) خبر حدیث کا ہی دوسرا نام ہے۔(2) حدیث وہ ہے جو نبی ﷺ سے منقول ہو اور خبر وہ ہے جو کسی اور سے منقول ہو۔(3) خبر حدیث سے عام ہے یعنی اس روایت کو بھی کہتے ہیں جو نبی ﷺ سے منقول ہو اور اس کو بھی کہتے ہیں جو کسی اور سے منقول ہو۔

(21)	راجح	ایسی رائے جو دیگر آراء کے بالمقابل زیادہ صحیح اور اقرب الی الحق ہو۔
(22)	سنن	حدیث کی وہ کتب جن میں صرف احکام کی احادیث جمع کی گئی ہوں مثلاً سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابی داود وغیرہ۔
(23)	سد الذرائع	ان مباح کاموں سے روک دینا کہ جن کے ذریعے ایسی ممنوع چیز کے ارتکاب کا واضح اندیشہ ہو جو فساد و خرابی پر مشتمل ہو۔
(24)	شریعت	قرآن وسنت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے احکامات۔
(25)	شارع	شریعت بنانے والا یعنی اللہ تعالیٰ اور مجازی طور پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔
(26)	شاذ	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں ایک ثقہ راوی نے اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کی ہو۔
(27)	صحیح	جس حدیث کی سند متصل ہو اور اس کے تمام راوی ثقہ، دیانت دار اور قوت حافظہ کے مالک ہوں۔ نیز اس حدیث میں شذوذ اور کوئی خفیہ خرابی بھی نہ ہو۔
(28)	صحیحین	صحیح احادیث کی دو کتابیں یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔
(29)	صحاح ستہ	معروف حدیث کی چھ کتب یعنی بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ۔
(30)	ضعیف	ایسی حدیث جس میں نہ تو صحیح حدیث کی صفات پائی جائیں اور نہ ہی حسن حدیث کی۔
(31)	عرف	عرف سے مراد ایسا قول یا فعل ہے جس سے معاشرہ مانوس ہو، اس کا عادی ہو، یا اس کا ان میں رواج ہو۔
(32)	علت	علم فقہ میں علت سے مراد وہ چیز ہے جسے شارع علیہ السلام نے کسی حکم کے وجود اور عدم میں علامت مقرر کیا ہو جیسے نشہ حرمتِ شراب کی علت ہے۔
(33)	علت	علم حدیث میں علت سے مراد ایسا خفیہ سبب ہے جو حدیث کی صحت کو نقصان پہنچاتا ہو اور اسے صرف فن حدیث کے ماہر علماء ہی سمجھتے ہوں۔
(34)	فقہ	ایسا علم جس میں اُن شرعی احکام سے بحث ہوتی ہو جن کا تعلق عمل سے ہے اور جن کو تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جاتا ہے۔
(35)	فقیہ	علم فقہ جاننے والا بہت سمجھدار شخص۔
(36)	فصل	باب کا ایسا جزء جس میں ایک خاص موضوع سے متعلقہ مسائل مذکور ہوں۔
(37)	فرض	شارع علیہ السلام نے جس کام کو لازمی طور پر کرنے کا حکم دیا ہو نیز اسے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر گناہ ہو مثلاً نماز، روزہ وغیرہ۔
(38)	قیاس	قیاس یہ ہے کہ فرع (ایسا مسئلہ جس کے متعلق کتاب وسنت میں حکم موجود نہ ہو) کو حکم میں اصل (ایسا حکم جو کتاب وسنت میں موجود ہو) کے ساتھ اس وجہ سے ملا لینا کہ ان دونوں کے درمیان علت مشترک ہے۔
(39)	کتاب	کتاب مستقل حیثیت کے حامل مسائل کے مجموعے کو کہتے ہیں، خواہ وہ کئی انواع پر مشتمل ہو یا نہ ہو مثلاً کتاب الطھارۃ وغیرہ۔
(40)	مستحب	ایسا کام جسے کرنے میں ثواب ہو جبکہ اسے چھوڑنے میں گناہ نہ ہو مثلاً مسواک وغیرہ۔ یاد رہے کہ علم فقہ میں مندوب، نفل اور سنت اسی کو کہتے ہیں۔
(41)	مکروہ	جس کام کو نہ کرنا اسے کرنے سے بہتر ہو اور اس سے بچنے پر ثواب ہو جبکہ اسے کرنے پر گناہ نہ ہو مثلاً کثرت سوال وغیرہ۔
(42)	مجتہد	جس شخص میں اجتہاد کا ملکہ موجود ہو یعنی اس میں فقہی مآخذ سے شریعت کے عملی احکام مستنبط کرنے کی پوری قدرت موجود ہو۔

(43)	مصالح مرسلہ	یہ ایسی مصلحت ہے کہ جس کے متعلق شارع علیہ السلام سے کوئی ایسی دلیل نہ ملتی ہو جو اس کے معتبر ہونے یا اسے لغو کرنے پر دلالت کرتی ہو۔
(44)	موقف	کسی مسئلہ میں کسی عالم کی ذاتی رائے جسے اس نے دلائل کے ذریعے اختیار کیا ہو۔
(45)	مسلک	اس کی بھی وہی تعریف ہے جو موقف کی ہے لیکن یہ لفظ مختلف مکاتب فکر کی نمائندگی کے لیے معروف ہو چکا ہے مثلاً حنفی مسلک وغیرہ۔
(46)	مذہب	لغوی طور پر اس کی بھی وہی تعریف ہے جو مسلک کی ہے لیکن عوام میں یہ لفظ دین (جیسے مذہب عیسائیت وغیرہ) اور فرقہ (جیسے حنفی مذہب وغیرہ) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔
(47)	مراجع	وہ کتابیں جن سے کسی کتاب کی تیاری میں استفادہ کیا گیا ہو۔
(48)	متواتر	وہ حدیث جسے بیان کرنے والے راویوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عقلاً محال ہو۔
(49)	مرفوع	جس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہو خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ۔
(51)	موقوف	جس حدیث کو صحابی کی طرف منسوب کیا گیا ہو خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ۔
(52)	مقطوع	جس حدیث کو تابعی یا اس سے کم درجے کے کسی شخص کی طرف منسوب کیا گیا ہو خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ۔
(53)	موضوع	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں کسی من گھڑت خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔
(54)	مرسل	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں کوئی تابعی صحابی کے واسطے کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے۔
(55)	معلق	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں ابتدائے سند سے ایک یا سارے راوی ساقط ہوں۔
(56)	معضل	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کی سند کے درمیان سے اکٹھے دو یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہوں۔
(57)	منقطع	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کی سند کسی بھی وجہ سے منقطع ہو یعنی متصل نہ ہو۔
(58)	متروک	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کے کسی راوی پر جھوٹ کی تہمت ہو۔
(59)	منکر	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کا کوئی راوی فاسق' بدعتی' بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا یا بہت زیادہ غفلت برتنے والا ہو۔
(60)	مسند	حدیث کی وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی احادیث کو الگ الگ جمع کیا گیا ہو مثلاً مسند شافعی وغیرہ۔
(61)	مستدرک	ایسی کتاب جس میں کسی محدث کی شرائط کے مطابق ان احادیث کو جمع کیا گیا ہو جنہیں اس محدث نے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا مثلاً مستدرک حاکم وغیرہ۔
(62)	مستخرج	ایسی کتاب جس میں مصنف نے کسی دوسری کتاب کی احادیث کو اپنی سند سے روایت کیا ہو مثلاً مستخرج ابو نعیم الاصبہانی وغیرہ۔
(63)	معجم	ایسی کتاب جس میں مصنف نے اپنے اساتذہ کے ناموں کی ترتیب سے احادیث جمع کی ہوں مثلاً معجم کبیر از طبرانی وغیرہ۔
(64)	نسخ	بعد میں نازل ہونے والی دلیل کے ذریعے پہلے نازل شدہ حکم کو ختم کر دینا نسخ کہلاتا ہے۔
(65)	واجب	واجب کی تعریف وہی ہے جو فرض کی ہے جمہور فقہا کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ حنفی فقہا اس میں کچھ فرق کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

لغوی وضاحت: حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ لغت میں طلاق کا معنی "بندھن کو کھول دینا ہے"۔ یہ لفظ "إطلاق" سے مشتق ہے جس کا معنی "چھوڑ دینا اور ترک کر دینا ہے۔"

شرعی تعریف: طلاق' نکاح کی گرہ کھول دینے کو کہتے ہیں۔ امام الحرمین کا کہنا ہے کہ جاہلیت میں بھی اس کے لیے لفظِ طلاق ہی مستعمل تھا پھر شریعت نے اسی کو بر قرار رکھا۔(۱)

☐ طلاق کی حکم کے اعتبار سے پانچ اقسام بیان کی جاتی ہیں:

① حرام: جبکہ بدعی ہو۔

② مکروہ: جب درست حالت کے باوجود بغیر کسی سبب کے دی جائے۔

③ واجب: اس کی مختلف صورتیں ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب طرفین کے فیصلہ کرنے والے جدائی و علیحدگی کو ہی بہتر سمجھیں۔

④ مستحب: جب عورت عفیف و پاکدامنہ نہ ہو یا شرعی واجبات مثلاً نماز وغیرہ میں ایسی کوتاہ ہو کہ اس پر جبراً ان اعمال کو لازم کر دینا بھی ممکن نہ ہو۔

⑤ جائز: جب مرد عورت کو اس کے برے اخلاق یا کسی اور وجہ سے ناپسند کرتا ہو۔(۲)

(صالح بن فوزان) طلاق کا حکم مختلف حالات میں مختلف ہوتا ہے:

❋ طلاق اس وقت جائز ہوتی ہے جب عورت کے برے اخلاق یا اس سے تکلیف کی وجہ سے اس کی ضرورت ہو۔

---

(۱) [فتح الباری (۱۰/۴۳۵)]

(۲) [نیل الأوطار (۳۱۳/٤) المغنی (۳۲۳/۱۰)]

- طلاق اس وقت مکروہ ہوتی ہے جب میاں بیوی کی حالت درست ہو اور بلا ضرورت طلاق دی جائے۔
- طلاق مستحب اس وقت ہوتی ہے جب بقاءِ زوجیت میں بیوی کو نقصان ہو۔
- طلاق واجب اس وقت ہوتی ہے جب بیوی دین پر قائم نہ ہو مثلاً بے نماز ہو وغیرہ وغیرہ۔
- طلاق حرام اس وقت ہوتی ہے جب عورت حالتِ حیض یا نفاس میں ہو یا ایسے طہر میں دی جائے جس میں ہم بستری کی ہو یا اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں۔(۱)

دورِ جاہلیت میں طلاق

امام ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں کہ

اسلام سے پہلے (دورِ جاہلیت میں) یہ دستور تھا کہ خاوند جتنی چاہے طلاقیں دیتا چلا جائے اور عدت میں رجوع کرتا جائے۔ اس سے عورتوں کی جان غضب میں تھی کہ (شوہر نے) طلاق دی' عدت گزرنے کے قریب آئی تو رجوع کر لیا' پھر طلاق دے دی۔ اس طرح (اہل جاہلیت) عورتوں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔(۲)

جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ نہ تو مرد عورت کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرتا اور نہ ہی اسے طلاق دے کر علیحدہ کرتا تاکہ وہ اس ظالم شوہر سے چھٹکارا حاصل کر کے کسی اور سے نکاح کر سکے۔ اس طرح عورت تاحیات مرد کے ظلم وستم کا شکار بنی رہتی اور یوں ہی سسک سسک کر زندگی پوری کر دیتی۔

مختلف مذاہب میں طلاق

- **یہود کے ہاں طلاق:** یہود کے ہاں طلاق میں بہت ڈھیل ہے۔ شوہر کی خواہش ہی طلاق کے لیے کافی سمجھی گئی ہے' یعنی شوہر اگر موجودہ بیوی کو علیحدہ کرنا چاہے اور اس سے (زیادہ) خوبصورت عورت سے شادی کرنا چاہے تو اس (پہلی بیوی) کو طلاق دینے کی اجازت ہے۔ اسی طرح عورت کے معمولی معمولی عیوب بھی وجہ طلاق بن سکتے ہیں۔ مثلاً عورت کی دونوں آنکھیں برابر نہ ہوں' چھوٹی بڑی ہوں' عورت کی بغل سے بو آتی ہو' لنگڑی یا کبڑی یا بانجھ ہو۔ جس طرح یہ خلقی عیوب طلاق کی وجہ کے لیے کافی سمجھے گئے ہیں اسی طرح کچھ اخلاقی عیوب بھی (کافی خیال کیے گئے ہیں) مثلاً بیوی سخت مزاج ہو' زیادہ بولنے والی

---

(۱) [الملخص الفقهی (۳۰۵/۲-۳۰۶)]

(۲) [تفسیر ابن کثیر (۳٦٦/۱)]

ہو' بے ادب ہو' لالچی ہو' کھانے میں نفاست پسند نہ ہو' اس کی خوراک زیادہ ہو اور اس طرح کے دوسرے عیوب۔ یہ تو بات تھی عورت کے عیوب کی اور اگر مرد میں عیب ہوں خواہ ان کی تعداد لاکھوں میں ہی کیوں نہ ہو یہود کے ہاں عورت پر ظلم کی یہ انتہاء ہے کہ عورت کو طلاق کے مطالبے کا قطعاً کوئی حق نہیں۔(۱)

❁ **عیسائیوں کے ہاں طلاق:** عیسائیت میں سرے سے یہ جائز نہیں تھا کہ طلاق کسی وجہ سے بھی دی جائے' رشتۂ نکاح دوامی سمجھا جاتا تھا۔ موت کے سوا جدائی کی کوئی اور وجہ ناممکن تھی اور یہ ساری سختی حضرت مسیح علیہ السلام کے اس قول سے اخذ کی گئی تھی:

"جسے خدا نے جوڑا' اسے آدمی جدا نہ کرے۔"(۲)

حالانکہ اس قول کا مطلب یہ سرے سے غلط تھا' یہ اخلاقی ہدایت تھی اور منشاء بے وجہ طلاق دینے کو روکنا تھا کیونکہ خود متی کی دوسری آیت میں ہے:

"جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب کی وجہ سے چھوڑ دے اور دوسرا بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔"(۳)

اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ بوقتِ ضرورت طلاق دی جا سکتی ہے مگر مسیحی علماء نے اس کو پہلی آیت سے متعارض سمجھ کر یہ تاویل کی کہ بعد کا اضافہ ہے' اس دوسرے قول پر عمل جائز نہیں ہو گا اور بعض مسیحی علماء نے یہ مطلب اخذ کیا کہ

"حرام کاری کی صورت میں میاں بیوی میں تفریق کرا دی جائے مگر رشتۂ نکاح بدستور قائم رہے' یعنی مرد اور عورت میں سے کوئی اس تفریق کے بعد دوسری شادی نہیں کر سکتا۔"

آپ یہ سن کر حیران رہ جائیں گے کہ صدیوں مسیحی دنیا اسی قانون پر عامل رہی' ایک تو طلاق ہی ناجائز سمجھی جاتی تھی اور جن لوگوں کے ہاں طلاق جائز تھی ان کے ہاں فیصلہ یہ تھا کہ اب مرد اور عورت دونوں تجرد کی زندگی گزاریں۔ بعد میں مشرقی کلیسا نے رشتۂ نکاح کے ختم کرنے کی کچھ صورتیں نکالیں' مگر مغربی مذہبی پیشواؤں نے انہیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور وہ کلیسائے روم کی ہی فقہ پر عامل رہے کہ موت کے سوا

---

(۱) [تفصیل کے لیے دیکھئے: سعادة الزوجين جلد ۳ ' احكام الطلاق عند اسرائيلين ' نداء للجنس اللطيف (ص ۶۷)]

(۲) [متی (۱۹:۶)]

(۳) [متی (۱۹:۹)]

کوئی دوسرا سبب اس رشتہ کو منقطع نہیں کر سکتا۔ تقریباً پندرہ سو سال تک عیسائیوں کو کلیسا کے اس ظالمانہ اور جابرانہ قانون کی وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا رہنا پڑا۔

□ سولہویں صدی سے طلاق کے قانون کی اصلاح کی آواز اٹھی مگر نتیجہ کے اعتبار سے کچھ زیادہ سود مند ثابت نہ ہوئی۔ انگلستان میں 1857ء سے پہلے تک جب تک زنا اور ظالمانہ برتاؤ نہ ثابت کیا جائے' قانونی تفریق کا فیصلہ بھی نہیں ملتا تھا' اگر کسی نے یہ دو جرم ثابت کر دیئے تو قانونی تفریق حاصل ہوتی۔ لیکن اس کو اب بھی دوسری شادی کی اجازت نہیں تھی اور ہر حال میں شرط یہ تھی کہ مقدمہ عدالت میں پیش ہو اور عدالت ہی فیصلہ کرے اور پھر مرد اور عورت میں سے جو بھی طلاق کا خواہشمند ہو' اس پر ضروری تھا کہ دوسرے پر زنا ثابت کرے اور اگر عورت فریادی ہے تو مرد پر زنا کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ بھی۔ یہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قانون نے یہ بھی حق دیا تھا کہ مرد اپنی بیوی کے ناجائز دوست سے ہرجانہ یا یوں کہیے کہ "بیوی کی عصمت کا معاوضہ وصول کر سکتا ہے۔"

1866ء کے قانون میں عدالت کو حق دیا گیا کہ خطاکار شوہر پر مطلقہ عورت کے خرچہ کا بوجھ بھی ڈال دے اور 1907ء میں خطاکار کی شرط بھی ختم کر دی گئی یعنی میاں بیوی میں مکمل جدائی کے باوجود عدالت کو حق تھا کہ مرد سے مطلقہ بیوی کو خرچہ دلوائے۔

1895ء میں طے کیا گیا کہ شوہر کے ظلم وجور کی وجہ سے اگر عورت گھر چھوڑ کر چلی جائے اور شوہر سے الگ کسی دوسری جگہ رہنا شروع کر دے تو عدالت شوہر کو بیوی کے پاس جانے سے روک دے گی مگر بیوی کو شوہر سے خرچہ دلائے گی۔ اسی قانون میں یہ بھی طے کیا گیا کہ عورت اگر شوہر کی بے پروائی اور بدسلوکی کی وجہ سے زنا کی مرتکب ہوئی اور شوہر نے بیوی پر مقدمہ کر کے طلاق کا مطالبہ کیا تو عدالت شوہر کے مقدمہ کو خارج کر دے گی۔

1910ء میں ایک شاہی کمیشن مقرر کیا گیا کہ وہ نکاح وطلاق کے مسائل ومعاملات پر غور کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے تو اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اور چیزوں کے ساتھ ساتھ اس کی بھی سفارش کی کہ "اسباب طلاق کے اعتبار سے مرد اور عورت دونوں کو مساوی قرار دیا جائے یعنی جن وجوہ کی بنیاد پر مرد کو طلاق دینے کا حق حاصل ہے' انہی وجوہ کی بنا پر عورت بھی طلاق حاصل کرنے کی مستحق ہے۔"

1923ء کے قانون میں اسے شامل کر لیا گیا۔ اس قانون کی رو سے مرد اگر ایک مرتبہ بھی زنا کا ارتکاب

کرے تو عورت مرد سے طلاق لے سکتی ہے۔

ایک تو (قانونِ طلاق کی) اصلاح ہی ناقص ہوئی اور دوراندیشی کا پورے قانون میں کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ دوسری طرف ظلم یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں نے اس کو بھی برداشت نہ کیا۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ 1930ء میں صریح الفاظ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ

"ہم کسی ایسے مرد اور عورت کا نکاح نہیں پڑھا سکتے جس کا سابق شریک حیات زندہ ہے۔"

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہود کے ہاں افراط تھی تو عیسائیوں نے تفریط سے کام لیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ جونہی قانون نے (عورت کو مرد کی طرح) طلاق کی معمولی اجازت دی' طلاق بکثرت ہونے لگی۔ مندرجہ ذیل اعداد سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

"سپین کی عدالت دیوانی نے ایک مرتبہ صرف ایک تاریخ میں 294 نکاح فسخ کیے۔ 1844ء میں جب طلاق کا نیا قانون پاس ہوا تھا 4,000 طلاقیں واقع ہوئی تھیں۔ 1900ء میں یہ تعداد 7,500 تک پہنچ گئی۔ 1913ء میں 16,000 اور 1931ء میں 21,000۔

جج لنڈسے لکھتا ہے:

"1922ء میں ڈنور میں ہر شادی کے ساتھ ایک واقعہ تفریق کا پیش آیا اور دو شادیوں کے مقابلہ میں ایک مقدمہ طلاق کا پیش ہوا۔ یہ حالت محض ڈنور ہی کی نہیں ہے۔ امریکہ کے تقریباً تمام شہروں کی قریب قریب یہی حالت ہے۔"

پھر لکھتا ہے:

"طلاق اور تفریق کے واقعات بڑھتے جارہے ہیں اور اگر یہی حالت رہی جیسی کہ امید ہے تو غالباً ملک کے اکثر حصوں میں جتنے شادی کے لائسنس دیئے جائیں گے اتنے ہی طلاق کے مقدمے پیش ہوں گے۔"

عام لڑکیوں کے خیالات کی ترجمانی یوں کرتا ہے:

"میں شادی کیوں کروں؟ میرے ساتھ کی جن لڑکیوں نے گزشتہ دو سال میں شادیاں کی ہیں' ہر دس میں سے پانچ کی شادی کا انجام طلاق پر ہوا۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس زمانہ کی ہر لڑکی محبت کے معاملہ میں آزادی عمل کا فطری حق رکھتی ہے۔ ہم کو منع حمل کی کافی تدبیریں معلوم ہیں۔ اس ذریعہ سے یہ خطرہ بھی دور کیا جاسکتا ہے کہ ایک حرامی بچے کی پیدائش کوئی پیچیدہ صورت حال پیدا کر دے گی۔ ہم کو یقین ہے کہ روایتی

طریقوں کو اس جدید طریقہ سے بدل دینا عقل کا مقتضا ہے۔"

ان خیالات کی بے شرم عورتوں کو اگر کوئی چیز شادی پر آمادہ کرتی ہے تو وہ صرف جذبہ محبت ہے لیکن اکثر یہ جذبہ بھی دل اور روح کی گہرائی میں نہیں ہوتا' بلکہ محض ایک عارضی کشش کا نتیجہ ہوتا ہے۔ خواہشات کا نشہ اتر جانے کے بعد زوجین میں کوئی الفت باقی نہیں رہتی۔ مزاج اور عادات کی ادنیٰ ناموافقت ان کے درمیان منافرت پیدا کر دیتی ہے۔ آخر کار عدالت میں طلاق یا تفریق کا دعویٰ پیش ہو جاتا ہے۔

آرتھر گارفیلڈ پیس ای۔اے۔ایل۔ایل۔بی' ایک مقالہ میں لکھتے ہیں:

"بیس سال قبل ہر سات شادیوں میں ایک طلاق ہونے لگی۔ اب اعداد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ولایات متحدہ میں ہر تین شادیوں میں ایک طلاق ہونے لگی...... یہ شرح کچھ عرصہ سے برابر بڑھتی جا رہی ہے۔"

"انگلستان کی ایک عدالت جب تعطیل کے بعد کھلی تو پہلے ہی روز 4,109 طلاق کی درخواستیں پیش ہوئیں۔"

مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ کچھ عرصہ ہوا' ڈیٹرائے کے اخبار "فری پریس" میں ان حالات پر ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا ایک فقرہ یہ ہے:

"نکاحوں کی کمی' طلاقوں کی زیادتی اور نکاح کے بغیر مستقل یا عارضی ناجائز تعلقات کی کثرت یہ معنی رکھتی ہے کہ ہم حیوانیت کی طرف واپس جا رہے ہیں۔ بچے پیدا کرنے کی فطری خواہش مٹ رہی ہے' پیدا شدہ بچوں سے غفلت برتی جا رہی ہے اور اس امر کا احساس رخصت ہو رہا ہے کہ خاندان اور گھر کی تعمیر' تہذیب اور آزاد حکومت کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ اس کے برعکس تہذیب اور حکومت کے انجام سے ایک بے دردانہ بے اعتنائی پیدا ہو رہی ہے۔"

طلاق و تفریق کی اس کثرت کا علاج اب یہ نکالا گیا ہے کہ (Commissionate Marriage) یعنی "آزمائشی نکاح" کو رواج دیا جائے۔ مگر یہ علاج اصل سے بھی بدتر ہے۔ آزمائشی نکاح کے معنی یہ ہیں کہ مرد اور عورت "پرانے فیشن کی شادی" کیے بغیر کچھ عرصہ تک باہم مل کر رہیں۔ اگر اس یکجائی میں دل سے دل مل جائے تو شادی کر لیں ورنہ دونوں الگ ہو کر کہیں اور قسمت آزمائی کریں۔ دورانِ آزمائش دونوں کو اولاد پیدا کرنے سے پرہیز کرنا لازمی ہے' کیونکہ بچے کی پیدائش کے بعد ان کو باضابطہ نکاح کرنا پڑے گا۔ یہ وہی چیز

ہے جس کا نام روس میں آزاد محبت (Free Love) ہے۔(۱)

❁ **ہندو مذہب میں طلاق:** ہندو مذہب میں طلاق کی حیثیت جاننے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہندو مذہب میں نکاح کی کیا صورت ہے۔ ہندوؤں کے قانون کے مطابق نکاح آٹھ قسم کے ہوتے ہیں:

1- **براہم نکاح:** کسی لڑکی کو بنا سنوار کر بیاہنا براہم نکاح کہلاتا ہے۔

2- **پراجایت نکاح:** مرد عورت اکٹھے مل کر مقدس رسومات بجالائیں تو اسے پراجایت نکاح کہتے ہیں۔

3- **آرس نکاح:** کسی دوشیزہ کو دو گائے کے عوض بیاہنا آرس نکاح کہلاتا ہے۔

4- **دیو نکاح:** کسی پجاری کو قائم مقام بنا کر دوشیزہ کو دیوتا کی بھینٹ چڑھایا جائے تو اسے دیو نکاح کہتے ہیں۔

5- **گاندھرو نکاح:** کسی دوشیزہ کا اپنی مرضی سے کسی مرد سے ملاپ کرنا گاندھرو نکاح کہلاتا ہے۔

6- **آسر نکاح:** کسی دوشیزہ کو بہت سے مال کے عوض بیاہنا آسر نکاح کہلاتا ہے۔

7- **راکھش نکاح:** کسی دوشیزہ کو اغوا کر لینا راکھش نکاح کہلاتا ہے۔

8- **پیشاج نکاح:** کسی دوشیزہ کو نشے کی حالت میں یا سوتے میں بھگا لے جانا پیشاج نکاح کہلاتا ہے۔

پہلے چار قسم کے نکاحوں میں تو طلاق کا تصور ہی نہیں البتہ باقی چار نکاحوں میں طلاق کا طریقہ یہ ہے کہ نہ تو شوہر بیوی سے نفرت کے باوجود اس کی رضامندی کے بغیر اسے طلاق دے سکتا ہے اور نہ ہی بیوی شوہر سے نفرت کے باوجود اس کی رضامندی کے بغیر نکاح ختم کر سکتی ہے۔ ہندو مذہب میں یہ قانون بھی موجود ہے کہ اگر عورت بانجھ ہو اور اولاد پیدا کرنے سے عاجز ہو تو وہ اپنے شوہر کو اجازت دے کہ وہ کسی بیوہ عورت سے ہم بستر ہو کر اولاد پیدا کر لے اور اسی طرح اگر مرد اولاد کے قابل نہ ہو تو وہ اپنی بیوی کو اجازت دے کہ وہ کسی دوسرے مرد سے جماع کرا کے اولاد حاصل کر لے اور اس شوہر کی خدمت میں بھی کمی نہ کرے۔ اس عمل کو "نیوگ" کہا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ خاندان کی یا چند بھائیوں کی مشترکہ بیوی کا رواج ہندوستان قدیم کا ایک جانا پہچانا رواج ہے۔(۲)

---

(۱) [مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: پردہ از مولانا مودودی ' اسلام کا نظام عفت و عصمت از مولانا محمد ظفیر الدین ' فقه السنة از سید سابق]

(۲) [مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: ارتھ شاستر ' سیتارتھ پرکاش ' تمدن عرب ' اسلام کا نظام عفت و عصمت]

اسلام کا پُرحکمت نظام طلاق

مذکورہ بالا تمام مذاہب طلاق کے معاملے میں افراط و تفریط کا شکار ہیں جبکہ اسلام ایسا معتدل نظام لایا ہے کہ جس میں نہ افراط ہے اور نہ تفریط' اسلام نے زوجین میں سے ہر ایک کو اس کا پورا پورا حق دیا ہے' نہ تو دونوں کو طلاق کی کھلی اجازت دی ہے کہ جو جب چاہے کسی چھوٹی سی بات پر ہی طلاق دے ڈالے اور نہ ہی طلاق نہ دینے کی کوئی ایسی پابندی ہی لگائی ہے کہ میاں بیوی کی زندگی باہمی محبت واُلفت کے بجائے لڑائی جھگڑے اور انتشار و فساد کی صورت اختیار کر گئی ہو تب بھی وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہی رہنے پر مجبور ہوں۔

بلکہ دونوں کو یہ درس دیا ہے کہ اگر نباہ کسی حد تک بھی ممکن ہو تو صبر سے کام لیں اور طلاق سے گریز کریں اور بلاوجہ نہ شوہر عورت کو طلاق دے اور نہ ہی عورت طلاق کا مطالبہ کرے کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اور دوسری طرف دونوں کو یہ اجازت بھی دی ہے کہ اگر دونوں کا اکٹھے گزارہ کرنا انتہائی مشکل ہو جائے اور باہمی نفرت وبغض کی وجہ سے زندگی اجیرن ہو چکی ہو تو مرد عورت کو طلاق دے کر اس سے علیحدگی اختیار کر لے' اسی طرح عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ ایسی صورتحال میں اگر شوہر طلاق نہ دے تو اس سے خلع کا مطالبہ کرے اور اگر وہ خلع نہ دے تو شرعی عدالت کی طرف رجوع کر کے نکاح کو فسخ کرا لے۔

دیگر متعدد احکام و قوانین کی طرح اسلام نے قانونِ طلاق میں بھی بدرجہ اَتم اعتدال کا راستہ اختیار کیا ہے اور یہی وہ معتدل نظام ہے جو بشری تقاضوں' فطرتِ انسانی اور ضروریاتِ زندگی کے عین مطابق ہے۔ دنیائے عالم کے تمام مذاہب اس حکیمانہ نظام کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

كتاب الطلاق
طلاق کے مسائل

❀ باب الاصلاح بين الزوجين	میاں بیوی کے درمیان اصلاح کا بیان
❀ باب كراهة الطلاق	طلاق کی کراہت کا بیان
❀ باب اباحة الطلاق	طلاق کے جواز کا بیان
❀ باب النية في الطلاق	طلاق میں نیت کا بیان
❀ باب أحكام الطلاق	طلاق کے احکام کا بیان
❀ باب أنواع الطلاق	طلاق کی اقسام کا بیان
❀ باب ما يقع به الطلاق	جس ذریعے سے طلاق واقع ہوتی ہے
❀ باب من لا يقع منه الطلاق	جس کی طرف سے طلاق واقع نہیں ہوتی
❀ باب الرجعة	رجوع کا بیان
❀ باب الخلع	خلع کا بیان
❀ باب الايلاء	ایلاء کا بیان
❀ باب الظهار	ظہار کا بیان
❀ باب اللعان	لعان کا بیان
❀ باب العدة	عدت کا بیان
❀ باب النفقة	خرچے کا بیان
❀ باب الرضاع	رضاعت کا بیان
❀ باب الحضانة	پرورش کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ﴾ [البقرة : ٢٢٩]

''(رجعی) طلاق دو مرتبہ (دی جاسکتی) ہے۔''

حدیث نبوی ہے کہ

﴿ لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ ﴾

''کوئی بھی مومن مرد کسی مومنہ عورت سے نفرت نہ کرے، اگر وہ اس کی کوئی ایک عادت ناپسند کرتا ہے تو اس کی کوئی دوسری عادت پسند بھی کرتا ہے۔''

[مسلم (١٤٦٩)]

باب الاصلاح بین الزوجین میاں بیوی کے درمیان اصلاح کا بیان

اسلام یہ چاہتا ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہر حال میں گزر بسر کی کوشش کریں اور طلاق کی نوبت نہ ہی آئے۔ اگر زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے میں ناپسندیدہ عادت و خصلت پاتا بھی ہے تو اس کی کسی دوسری پسندیدہ عادت کی وجہ سے صبر سے کام لے اور نباہ کی کوشش کرے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ [النساء : ١٩]

"اور تم ان عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے کے ساتھ بود و باش رکھو' پس اگر تم انہیں ناپسند کرو تو بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت بھلائی رکھ دے۔"

اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ

﴿لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ﴾

"کوئی بھی مومن مرد کسی مومنہ عورت سے علیحدگی اختیار نہ کرے' اگر وہ اس کی کوئی ایک عادت ناپسند کرتا ہے تو اس کی کوئی دوسری عادت پسند بھی کرتا ہے۔" (١)

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خواتین کے فطری نقص و کمزوری کا لحاظ رکھنے کی یوں ترغیب دلائی ہے' فرمایا:

﴿إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيمَ لَكَ عَلَى طَرِيقَةٍ فَإِنْ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا﴾

"عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے (اسی لیے اس میں پسلی ہی کی طرح ٹیڑا پن ہے) وہ تیرے لیے کسی طریقے پر ہرگز سیدھی نہیں رہے گی' پس اگر تو اس سے (بیوی کے بطور) فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اسی کجی (کے برداشت کرنے) کے ساتھ فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اگر تو اسے سیدھا کرنا شروع کر دے گا تو اسے توڑ دے گا اور اس کا توڑنا اسے طلاق دینا ہے۔" (٢)

---

(١) [مسلم (١٤٦٩) كتاب الرضاع : باب الوصية بالنساء' احمد (٨٣٧١)]

(٢) [مسلم (١٤٦٨) كتاب الرضاع : باب الوصية بالنساء' ترمذی (١١٨٨) كتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء في مداراة النساء' احمد (٩٨٠٢) دارمی (٢٢٢٢) ابن حبان (٤١٧٩) شرح السنة للبغوی (٢٣٣٢)]

اس لیے اگر شادی کے بعد حالات سازگار نہ رہیں اور شوہر کو بیوی سے یا بیوی کو شوہر سے اس کی کسی بری عادت کی وجہ سے نفرت ہو جائے تو انہیں طلاق سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے اور ہر وہ تدبیر آزمانی چاہیے جس سے طلاق کی نوبت سے بچا جا سکے۔

بیوی کی اصلاح

اگر شوہر کو بیوی کی نافرمانی یا اس کی کسی بری خصلت سے سابقہ درپیش ہو تو اس کی اصلاح کے لیے اسلام نے بالترتیب درج ذیل طریقے بتائے ہیں:

① عورت کو وعظ و نصیحت کر کے سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

② اگر نصیحت سے راہِ راست پر نہ آئے تو اس کا بستر الگ کر دیا جائے۔

③ اور اگر یہ طریقہ بھی کارگر نہ ہو تو اسے ہلکی مار مارنے کی اجازت ہے۔

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَالّٰتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا﴾ [النساء: ٣٤]

''جن عورتوں کی نافرمانی اور بد دماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو پھر اگر وہ تابعداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو' بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے۔''

(2) رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا:

﴿فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا﴾

''اگر عورتیں کوئی بے حیائی کا کام کریں تو انہیں ان کے بستروں میں چھوڑ دو اور انہیں ہلکی مار مارو اور اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر ان پر ظلم و زیادتی کا کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔''(١)

مذکورہ بالا دلائل سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت سرکشی کرے تو اسے پہلے مرحلہ میں نصیحت کرنا' دوسرے مرحلہ میں اپنا بستر الگ کرنا اور تیسرے مرحلہ میں اسے ہلکا مارنا مرد کا حق ہے وہاں ان سے یہ

---

(١) [**صحيح**: صحيح ترمذى' ترمذى (١١٦٣) كتاب الرضاع: باب ما جاء فى حق المرأة على زوجها' ابن ماجه (١٨٥١) كتاب النكاح: باب حق المرأة على الزوج]

بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر عورت نافرمانی سے باز آجائے تو پھر مرد کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ بلاوجہ اس پر ہاتھ اٹھائے یا جان بوجھ کر اسے مارنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کرے۔

اگر عورت کا بستر الگ کر دیا جائے اور اس سے بول چال بند کر دی جائے تو اس صورت میں عورت سے قطع کلامی کی مدت تین دن ہے' اس سے زیادہ نہیں جیسا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ﴾

''کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے' وہ دونوں ملیں تو یہ اِس طرف منہ پھیر لے اور وہ اُس طرف منہ پھیر لے اور ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔''(۱)

نیز عورت کو مارنے کی نوبت پیش آئے تو اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ذہن نشین رہنا چاہیے:

﴿لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ﴾

''تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو غلاموں کی طرح نہ مارے کہ پھر دوسرے دن اس سے ہم بستر ہوگا۔''(۲)

شوہر کی اصلاح

اگر بیوی کو شوہر کی طرف سے بدسلوکی' بددماغی یا طلاق دے دینے کا خدشہ ہو' یا وہ خود شوہر کو اس کی کسی بری عادت و خصلت کی وجہ سے ناپسند کرتی ہو تو وہ گھریلو ناچاکی یا لڑائی جھگڑے کے موقع پر فوراً علیحدگی کے لیے تیار نہ ہو جائے بلکہ ہر ممکن طریقے سے گھر کو برباد ہونے سے بچائے حتی کہ اگر اسے اس کے لیے

---

(۱) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (۷٦٦۰) ابوداود (٤٩١١) کتاب الأدب : باب فیمن یهجر أخاه المسلم]

(۲) [بخاری (٥٢٠٤) کتاب النکاح : باب ما یکره من ضرب النساء ' مسلم (٢٨٥٥) کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها : باب النار یدخلها الجبارون والجنة یدخلها الضعفاء ' ترمذی (٣٣٤٣) کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة والشمس وضحاها ' ابن ماجه (١٩٨٣) کتاب النکاح : باب ضرب النساء ' نسائی فی السنن الکبری (١١٦٧٥/٦) دارمی (٢٢٢٠) ابن حبان (٤١٩٠)]

اپنے بعض یا کل حقوق (مثلاً نفقہ یا باری وغیرہ) معاف کر کے بھی شوہر سے مصالحت کرنی پڑے تو اس سے بھی ہرگز دریغ نہ کرے' ایسا کرنے میں دونوں میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں۔

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ وَإِن تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ [النساء: ١٢٨]

”اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی اور بے پرواہی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں جو صلح کر لیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں۔ صلح بہت بہتر چیز ہے' طمع ہر نفس میں شامل کر دی گئی ہے۔ اگر تم اچھا سلوک کرو اور پرہیز گاری کرو تو تم جو کر رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ پوری طرح خبردار ہے۔“

(2) مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایک روایت میں ہے کہ

﴿عَنْ عَائِشَةَ فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ ”وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا“ قَالَتْ نَزَلَتْ فِي الْمَرْأَةِ تَكُونُ عِنْدَ الرَّجُلِ فَلَعَلَّهُ أَنْ لَا يَسْتَكْثِرَ مِنْهَا وَتَكُونُ لَهَا صُحْبَةٌ وَوَلَدٌ فَتَكْرَهُ أَنْ يُفَارِقَهَا فَتَقُولُ لَهُ أَنْتَ فِي حِلٍّ مِنْ شَأْنِي﴾

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت کے بارے میں ”اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے بدسلوکی یا بے رخی کا خطرہ ہو (تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ وہ آپس میں کوئی بات طے کر کے صلح کر لیں ......)“ کہا کہ یہ آیت اس عورت کے بارے میں اتری جو ایک شخص کے پاس ہو' اب وہ مزید اس کو اپنے پاس نہ رکھنا چاہے' لیکن اس عورت کی اپنے خاوند سے اولاد اور صحبت ہو اور وہ اپنے خاوند کو چھوڑنا برا محسوس کرے تو اسے اپنے بارے میں اجازت ہے (یعنی اپنا حق زوجیت چھوڑ دے)۔“ (١)

(3) ایک دوسری روایت میں ہے کہ

﴿عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ”وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا“ [النساء: ١٢٨] قَالَتْ الرَّجُلُ تَكُونُ عِنْدَهُ الْمَرْأَةُ لَيْسَ بِمُسْتَكْثِرٍ مِنْهَا يُرِيدُ أَنْ يُفَارِقَهَا فَتَقُولُ أَجْعَلُكَ مِنْ شَأْنِي فِي حِلٍّ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي ذَلِكَ﴾

---

(١) [مسلم (٣٠٢١) كتاب التفسير: باب ' بخاری (٢٤٥٠) كتاب المظالم والغصب: باب اذا حلله من ظلمه فلا رجوع فيه]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت "اور کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا خوف ہو۔" کے متعلق کہا کہ ایسا مرد جس کے ساتھ اس کی بیوی رہتی ہے لیکن شوہر کو اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں بلکہ وہ اسے جدا کر دینا چاہتا ہے۔ اس پر عورت کہتی ہے کہ میں اپنی باری اور اپنا نان و نفقہ معاف کر دیتی ہوں (تم مجھے طلاق نہ دو) ایسی صورت کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔" (۱)

(4) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

﴿ أَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْسِمُ لِعَائِشَةَ بِيَوْمِهَا وَيَوْمِ سَوْدَةَ ﴾

"حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا اور پھر نبی کریم ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ان کا اپنا دن اور سودہ رضی اللہ عنہا کا دن تقسیم کرتے تھے۔" (۲)

(ابن حجرؒ) حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے طلاق کے اندیشے سے اپنی باری ہبہ کر دی تھی۔ (۳)

(ابن قدامہؒ) عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنا باری کا حق اپنے شوہر یا اپنی کسی ایک سوکن یا سب سوکنوں کو ہبہ کر دے۔ لیکن یہ صرف شوہر کی رضامندی کے ساتھ ہی جائز ہے کیونکہ اس سے فائدہ اٹھانا شوہر کا حق ہے، لہٰذا یہ حق صرف اس کی رضامندی کے ساتھ ہی ساقط ہو سکتا ہے۔ (٤)

(سعودی مجلس افتاء) شوہر کے ساتھ عقدِ نکاح میں باقی رہنے کے لیے اگر کوئی عورت اپنے حقوق خود ہی چھوڑ دے اور (میاں بیوی) دونوں کا اس پر اتفاق ہو تو (شریعت میں) اس کا کوئی مانع نہیں۔ (٥)

اگر زوجین کے درمیان اختلاف شدت اختیار کر جائے

ایسی صورت میں اسلام کا یہ حکم ہے:

---

(۱) [بخاری (٤٦٠١) کتاب التفسیر : باب قوله: وإن امرأة خافت ، مسلم (٣٠٢١) کتاب التفسیر : باب ، أحمد (٦٨/٦)]

(۲) [بخاری (٥٢١٢) کتاب النکاح : باب المرأة تهب يومها ، مسلم (١٤٦٣) کتاب الرضاع : باب جواز هبتها نوبتها لضرتها ، ابو داود (٢١٣٥) کتاب النکاح : باب فی القسم بین النساء ، ابن ماجة (١٩٧٢) کتاب النکاح : باب المرأة تهب يومها لصاحبتها ، ابن حبان (٤٢١١) بيهقی (٧٤/٧)]

(۳) [فتح الباری (٣٩١/١٠)]

(٤) [المغنی لابن قدامة (٢٥٠/١٠)]

(٥) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٢٠٨/١٩)]

❁ شوہر اور بیوی دونوں اپنے اپنے گھر والوں میں سے ایک ایک صالح منصف مقرر کر لیں۔

❁ گھر والوں میں سے منصف مقرر کرنے کا حکم اس لیے ہے کیونکہ وہ دوسروں کی بہ نسبت زوجین کے حالات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں اور اس صورت میں یہ بھی زیادہ قریب ہے کہ زوجین ان دونوں کی رائے کو تسلیم کر لیں۔

❁ اگر گھر والوں میں سے ایسے افراد میسر نہ ہوں تو باہر کے افراد کو بھی بھیجا جاسکتا ہے جبکہ انہیں صورتحال کا علم ہو اور وہ دیانتدار بھی ہوں کیونکہ اب اس کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار ہی نہیں۔

❁ وہ دونوں صورتحال کا جائزہ لے کر اگر میاں بیوی کے درمیان صلح کرانا چاہیں تو درست۔

❁ بصورتِ دیگر اگر بگاڑ زیادہ ہونے کے باعث وہ تفریق کرانے کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو انہیں دونوں کے درمیان جدائی کرانے کا حق حاصل ہے (جمہور علماء اسی کے قائل ہیں)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴾ [النساء : ٣٥]

"اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان آپس کی اَن بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو' اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں کا ملاپ کرا دے گا' یقیناً اللہ تعالیٰ پورے علم والا' پوری خبر والا ہے۔"

(ابن عباس رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ اگر دونوں اطراف کے نمائندے کسی بھی ایک رائے (تفرقہ یا صلح) پر متفق ہو جائیں تو ان کا حکم جائز ہے (جو کہ نافذ ہو جائے گا)۔(۱)

(ابن العربی ؒ) آیت کے یہ الفاظ ﴿حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَ حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا﴾ اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ دونوں منصف فیصلہ کرنے والے ہیں صرف نمائندے نہیں (یعنی صلح یا طلاق کے متعلق ان کا کیا ہوا فیصلہ نافذ ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں "فیصلہ کرنے والے" کہا ہے)۔(۲)

(نواب صدیق حسن خان ؒ) اگر دونوں منصف حضرات میاں بیوی کے درمیان تفریق کو بہتر خیال کریں تو ان کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ اس کے لیے نہ تو حاکم شہر کے حکم کی ضرورت ہے اور نہ ہی زوجین کی طرف

---

(۱) [كما في تفسير فتح القدير للشوكاني (٥٩٥/١)]

(۲) [تفسير أحكام القرآن لابن العربي (٤٤٤/١)]

سے جدائی کے لیے انہیں نمائندہ مقرر کرنا۔امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ اور امام اسحاقؒ اسی کے قائل ہیں۔ نیز حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ، امام شعبیؒ، امام نخعیؒ اور امام شافعیؒ سے بھی یہی مؤقف مروی ہے۔امام ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ اگر دونوں منصفوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو ان کا حکم نافذ نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کا قول قبول کرنا لازم ہوگا' اس میں کوئی اختلاف نہیں۔(۱)

(شیخ عبدالرحمٰن سعدی) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرلو" سے مراد 2 ایسے افراد ہیں جو مکلّف 'مسلمان 'دیانتدار اور معاملہ فہم ہوں۔وہ میاں بیوی کے مابین صورتحال کو جانتے ہوں اور جمع و تفریق کو بھی جانتے ہوں۔ یہ تفصیل لفظِ "حَکَم" سے اخذ کی گئی ہے کیونکہ حاکم صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو ان صفات کے ساتھ متصف ہو۔ پھر وہ دونوں دیکھیں کہ زوجین میں سے ہر ایک دوسرے پر کیا عیب لگاتا ہے اور پھر جو بھی ہر ایک پر واجب ہو اسے ان پر لازم کر دیں۔اگر زوجین میں سے کوئی ایک (اپنے اوپر واجب کردہ عمل کی) طاقت نہ رکھتا ہو تو حکمین دوسرے فرد سے (بغیر اس عمل کے ہی) میسر رزق واشیاء کے عوض راضی ہونے کا مطالبہ کریں اور جب تک ان دونوں کے درمیان جمع واصلاح ممکن ہو اس سے مت پھریں۔

لیکن اگر حالت یہاں تک پہنچ چکی ہو کہ ان دونوں کا اکٹھا ہونا یا ان کی اصلاح کرنا ممکن ہی نہ ہو اور اگر ایسا کر بھی دیا جائے تو سوائے دونوں کی دشمنی' قطع تعلقی اور اللہ کی معصیت کے کچھ بھی حاصل ہونے کی امید نہ ہو اور حکمین یہ مناسب سمجھیں کہ ان دونوں کے درمیان تفریق ہی بہتر ہے تو وہ ان کے درمیان تفریق کرادیں' اس کے لیے شوہر کی رضامندی شرط نہیں جیسا کہ اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا نام "حکمین" رکھا ہے اور حَکَم وہ ہوتا ہے جو فیصلہ کرتا ہے خواہ محکوم اس پر ناراض ہی کیوں نہ ہو۔اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ "اگر وہ دونوں صلح کرانا چاہیں تو اللہ دونوں میں ملاپ کرادے گا۔"(۲)

البتہ بعض اہل علم مثلاً حسن بصریؒ، عبدالرحمٰن بن زیدؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کا کہنا ہے کہ یہ دونوں نمائندے اگر صلح کرانے میں کامیاب نہ ہوں اور زیادہ مناسب یہ سمجھیں کہ ان دونوں کے درمیان

---

(۱) [نيل المرام من تفسير آيات الأحكام (ص / ۱٦۳ـ۱٦٤)]

(۲) [تيسير الكريم الرحمن (۲۰٥/۱)]

علیحدگی کرادینی چاہیے تو وہ یہ رائے حاکم وقت کے سامنے پیش کریں گے اور پھر وہ اس کا فیصلہ کرے گا' وہ دونوں منصف حضرات خود میاں بیوی کے درمیان جدائی نہیں کرا سکتے۔ لیکن ہمارے علم کے مطابق پہلی رائے (یعنی ان دونوں کو تفریق کرانے کا حق حاصل ہے) راجح ہے۔ (واللہ اعلم)

(قرطبیؒ) انہوں نے پہلی (جمہور علماء) کی رائے کو ہی ترجیح دی ہے (کہ وہ دونوں تفریق کرا سکتے ہیں)۔(۱)

مزید فرماتے ہیں کہ اگر حکمین میں اختلاف ہو جائے تو ان کا قول نافذ نہیں ہو گا۔ ان کا صرف وہی فیصلہ نافذ العمل ہو گا جس پر وہ دونوں متفق ہوں۔(۲)

اگر حکمین طلاق کا فیصلہ کر دیں تو کون سی طلاق واقع ہو گی؟

(ابن العربیؒ) اگر دونوں فیصلہ کرنے والے (زوجین کے درمیان) جدائی کا فیصلہ کر دیں تو دو وجوہات کی بنا پر یہ طلاق "طلاقِ بائنہ" ہو گی۔ ایک وجہ کلی اور دوسری معنوی۔ کلی سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ طلاق جسے حاکم نافذ کرتا ہے وہ (کلی طور پر یعنی صرف اور صرف) بائنہ ہی ہوتی ہے اور دوسرا وہ معنی جس کے باعث طلاق واقع ہوئی ہے وہ شقاق (یعنی شدتِ اختلاف) ہے۔ اگر اس طلاق میں بھی رجوع کو جائز قرار دیا جاتا تو دوبارہ اختلاف واقع ہو جانے کا خدشہ تھا جیسا کہ پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ لہٰذا اس وجہ سے رجوع کو ختم کر دیا گیا۔(۳)

(قرطبیؒ) اس صورتحال میں واقع ہونے والی جدائی بحیثیتِ "طلاقِ بائنہ" ہو گی۔(٤)

(شیخ ابو بکر جابر الجزائری) انہوں نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔(٥)

اگر ایک ہی فیصلہ کرنے والا بھیجا جائے

(قرطبیؒ) ایک فیصل کو بھیجنا بھی کافی ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے زنا کے متعلق چار گواہوں کا حکم دیا' پھر نبی کریم ﷺ نے ایک زانیہ عورت کی طرف اکیلے انیس کو ہی بھیجا اور اسے کہا:

﴿ وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ إِلَى امْرَأَةِ هَذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا ﴾

---

(۱) [تفسير قرطبی (١٦٩/٥)]

(۲) [تفسير قرطبی (١٧٠/٥)]

(۳) [تفسير أحكام القرآن لابن العربی (٤٤٤/١)]

(٤) [تفسير قرطبی (١٦٩/٥)]

(٥) [منهاج المسلم' مترجم (ص / ٦٤١)]

"اے انیس! اس کی بیوی کی طرف صبح جاؤ اور اگر وہ اعتراف (زنا) کرلے تو اسے رجم کر دینا۔"(۱)

"مدونہ" میں عبدالملک نے بھی اسی طرح کہا ہے۔(۲)

میاں بیوی کی صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنے کی رخصت

حضرت اُم کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے سنا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے تھے کہ

﴿لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُولُ خَيْرًا وَيَنْمِي خَيْرًا قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَلَمْ أَسْمَعْ يُرَخَّصُ فِي شَيْءٍ مِمَّا يَقُولُ النَّاسُ كَذِبٌ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ الْحَرْبُ وَالْإِصْلَاحُ بَيْنَ النَّاسِ وَحَدِيثُ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ وَحَدِيثُ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا﴾

"جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے اور بہتر بات بہتری کی نیت سے کہے۔ امام ابن شہابؒ نے کہا کہ میں نے نہیں سنا کہ کسی جھوٹ میں رخصت دی گئی ہو مگر تین موقعوں پر۔ ایک تو لڑائی میں' دوسرے لوگوں میں صلح کرانے کے لیے اور تیسرے شوہر بیوی سے اور بیوی کو شوہر سے ملانے کے لیے بات بنانے سے۔"(۳)

---

(۱) [بخاری (۲۶۹۶) کتاب الوکالة : باب الوکالة فی الحدود ' مسلم (۱۶۹۷) ابو داود (۴۴۴۵) نسائی (۲۴۰/۸) ترمذی (۱۴۳۳) ابن ماجة (۲۵۴۹) دارمی (۱۷۷/۲) احمد (۱۱۵/۴) حمیدی (۳۵۴/۲) طیالسی (۹۵۳) بیهقی (۲۱۲/۸) شرح السنة (۲۷۴/۱۰)]

(۲) [تفسیر قرطبی (۱۷۰/۵)]

(۳) [مسلم (۱۶۰۵) کتاب البر والصلة والآداب : باب تحریم الکذب وبیان المباح منه ' ابو داود (۴۹۲۰) کتاب الأدب : باب فی اصلاح ذات البین ' ترمذی (۱۹۳۸) کتاب البر والصلة : باب ما جاء فی اصلاح ذات البین ' نسائی فی السنن الکبری (۸۶۴۲/۵) ابن حبان (۵۷۳۳) شرح السنة للبغوی (۳۵۳۹) بیهقی (۱۹۷/۱۰) احمد (۲۷۳۴۰)]

باب کراهة الطلاق — طلاق کی کراہت کا بیان

بلا وجہ عورت کو طلاق دینا کبیرہ گناہ ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿إِنَّ أَعْظَمَ الذُّنُوبِ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَأَةً ' فَلَمَّا قَضَى حَاجَتَهُ مِنْهَا طَلَّقَهَا وَذَهَبَ بِمَهْرِهَا﴾

''بلا شبہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی کسی عورت سے شادی کرے' پھر جب اس سے اپنی حاجت پوری کر لے تو اسے طلاق دے دے اور اس کا مہر بھی ہڑپ کر جائے۔'' (۱)

بلا وجہ طلاق کا مطالبہ کرنے والی عورت جنت کی خوشبو تک نہیں پائے گی

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِي غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ﴾

''جو کوئی عورت بغیر کسی ضرورت کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے (یعنی وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گی)۔'' (۲)

(شوکانیؒ) اس حدیث میں یہ ثبوت موجود ہے کہ عورت کا (بلا وجہ) اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرنا سخت حرام ہے کیونکہ جو جنت کی خوشبو نہیں پائے گا وہ کبھی جنت میں داخل بھی نہیں ہو سکے گا۔ (۳)

(شیخ سلیم ہلالی) بلا وجہ عورت کا طلاق کا مطالبہ کرنا سخت حرام ہے۔ (٤)

بلا وجہ خلع طلب کرنے والی عورت منافق ہے

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿الْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ﴾

---

(۱) [حسن : صحيح الجامع الصغير (١٥٦٧) السلسلة الصحيحة (٩٩٩) روه الحاكم والبيهقى]

(۲) [صحيح : ارواء الغليل (٢٠٣٥) صحيح الجامع الصغير (٢٧٠٦) ابو داود (٢٢٢٦) كتاب الطلاق : باب فى الخلع ' ترمذى (١١٨٧) كتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء فى المختلعات ' ابن ماجه (٢٠٥٥) كتاب الطلاق : باب كراهية الخلع للمرأة ' احمد (٢٧٧/٥) دارمى (١٦٢/٢) ابن الجارود (٧٤٨) ابن حبان (٤١٨٤) بيهقى (٣١٦/٧)]

(۳) [نيل الأوطار (٣١٣/٤)]

(٤) [موسوعة المناهى الشرعية (٦٩/٣)]

”(بلاوجہ شوہر سے) خلع طلب کرنے والی عورتیں منافق ہیں۔“(۱)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) حدیث میں خلع طلب کرنے والی عورتوں سے مراد ایسی عورتیں ہیں جو بغیر کسی ضرورت کے اپنے شوہروں سے خلع یا طلاق طلب کرتی ہیں اور منافقات کا مطلب یہ ہے کہ وہ باطنی طور پر نافرمان ہیں اور ظاہری طور پر فرمانبردار بنی ہوئی ہیں۔(۲)

(طیبیؒ) یہ فرمان (بلاوجہ خلع طلب کرنے پر) زجر و توبیخ میں مبالغہ ہے۔(۳)

طلاق حاصل کرنے کے لیے بیوی کو شوہر کے خلاف بھڑکانا گناہ ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ مَنْ خَبَّبَ زَوْجَةَ امْرِئٍ أَوْ مَمْلُوكَهُ فَلَيْسَ مِنَّا ﴾

”جس نے کسی آدمی کی بیوی کو یا اس کے غلام کو (اس کے خلاف) بھڑکایا تو وہ ہم میں سے نہیں۔“(٤)

نکاح کے وقت اپنی سوکن کی طلاق کی شرط لگانا جائز نہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تَسْأَلُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا فَإِنَّمَا لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا﴾

”کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ اپنی کسی (سوکن) بہن کی طلاق کی شرط اس لیے لگائے تاکہ اس کے حصے کا پیالہ بھی خود انڈیل لے کیونکہ اسے وہی ملے گا جو اس کے مقدر میں ہوگا۔“(٥)

ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (٦٦٨١) صحیح الترغیب والترهیب (٢٠١٨) السلسلة الصحیحة (٦٣٢) ترمذی (١١٨٦) کتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء فی المختلعات]

(۲) [تحفة الأحوذی (٤٠٩/٤)]

(۳) [أیضا]

(٤) [صحیح : هدایة الرواة (٣١٩٨) ' (٣٠٣/٣) السلسلة الصحیحة (٣٢٤) ابو داود (٥١٧٠) کتاب الأدب: باب فیمن خبب مملوکا علی مولاه ' نسائی فی السنن الکبری (٩٢١٤) مستدرک حاکم (١٩٦/٢) امام حاکمؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٥) [بخاری (٥١٥٢) کتاب النکاح : باب الشروط التی لا تحل فی النکاح ' مسلم (١٤٠٨) کتاب النکاح : باب تحریم الجمع بین المرأة وعمتها أو خالتها فی النکاح ' موطا (١١٢٩) کتاب النکاح : باب ما لا یجمع بینه من النساء ' احمد (٩٩٥٩) نسائی فی السنن الکبری (٥٤١٩)]

"یہ جائز نہیں کہ ایک عورت سے دوسری کی طلاق کے بدلے میں نکاح کیا جائے۔"(۱)

(ابن قدامہ) اگر عورت نے (نکاح کے وقت) یہ شرط لگائی ہو کہ وہ (شوہر) اس کی سوکن کو طلاق دے گا تو یہ شرط صحیح نہیں ہوگی۔(۲)

ہنسی مذاق میں دی گئی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ثَلَاثٌ جَدُّهُنَّ جَدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جَدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ﴾

"تین باتیں ایسی ہیں جنہیں اگر سنجیدگی سے کہا جائے تو بھی پختہ ہیں اور اگر مذاق سے کہا جائے تو بھی سنجیدگی ہیں۔ ایک نکاح' دوسری طلاق اور تیسری رجوع۔"(۳)

(2) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ثَلَاثٌ لَا يَجُوزُ اللَّعِبُ فِيهِنَّ : الطَّلَاقُ وَالنِّكَاحُ وَالْعِتْقُ﴾

"تین کاموں میں کھیلنا (یعنی ہنسی مذاق) جائز نہیں: طلاق' نکاح اور عتق (یعنی غلام کی آزادی)۔"(٤)

(شوکانی) حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے ہنسی' مذاق میں بھی نکاح' طلاق' رجوع یا عتاق کے الفاظ کہے "جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث میں ان کا ذکر ہے" تو اس کی طرف سے یہ چیز واقع ہو جائے گی۔(٥)

میاں بیوی کے درمیان جدائی شیطان کو سب سے زیادہ پسند ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿إِنَّ إِبْلِيسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ فَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً يَجِيءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا فَيَقُولُ مَا صَنَعْتَ شَيْئًا قَالَ ثُمَّ يَجِيءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ

---

(۱) [احمد (۱۷٦/۲)]

(۲) [المغنی لابن قدامة (٤٨٥/۹)]

(۳) [حسن : ارواء الغليل (۱۸۲٦) ابو داود (۲۱۹٤) كتاب الطلاق : باب فی الطلاق علی الهزل ' ترمذی (۱۱۸٤) كتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء فی الحد والهزل فی الطلاق ' ابن ماجه (۲۰۳۹) كتاب الطلاق : باب من طلق أو نكح أو راجع لاعبا ' سعيد بن منصور (۱٦۰۳) طحاوی (۱۸/۳) دارقطنی (۲٥٦/۳-۲٥۷) مستدرك حاكم (۱۹۸/۲)]

(٤) [حسن : صحيح الجامع الصغير (۳۰٤۷) مجمع الزوائد (۳۳٥/٤)]

(٥) [نيل الأوطار (۳۲۸/٤)]

مَا تَرَكْتُهُ حَتَّى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ قَالَ فَيُدْنِيهِ مِنْهُ وَيَقُولُ نِعْمَ أَنْتَ قَالَ الْأَعْمَشُ أُرَاهُ قَالَ فَيَلْتَزِمُهُ ﴾

”ابلیس اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے۔ پھر وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے لشکروں کو بھیجتا ہے۔ اس کے نزدیک اس شیطان کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے جو سب سے زیادہ فتنہ پرور ہوتا ہے۔ ایک شیطان ابلیس کے پاس آتا ہے اور اسے اطلاع دیتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا ہے۔ ابلیس کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اس کے بعد ایک اور شیطان آتا ہے' وہ اطلاع دیتا ہے کہ میں نے فلاں انسان اور اس کی بیوی کے درمیان اختلاف ڈال کر ان کے درمیان جدائی کرا دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' شیطان اسے اپنے قریب کرتا ہے اور اسے کہتا ہے تو بہت اچھا ہے۔ اعمش راوی بیان کرتے ہیں کہ میرا خیال ہے' آپ ﷺ نے فرمایا' ابلیس اپنے اس شیطان ساتھی کے ساتھ گلے ملتا ہے۔“ (۱)

میاں بیوی کے درمیان تفریق کرانے کا جادو سیکھنا' سکھانا' کرنا یا کرانا سب کفر ہے

لوگ میاں بیوی کے درمیان تفریق کرانے کا جادو سیکھا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی مذمت کرتے ہوئے اسے کفر قرار دیا اور مزید وضاحت فرمائی کہ وہ کسی کو اس کے ذریعے نقصان نہیں پہنچا سکیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَى مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴾ [البقرة : ۱۰۲]

”اور وہ اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین (حضرت) سلیمان علیہ السلام کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام نے تو کفر نہیں کیا تھا' بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا' وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے' اور بابل میں ہاروت ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا' وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے

---

(۱) [مسلم (۲۸۱۳) کتاب صفة القیامة والجنة والنار : باب تحریش الشیطان وبعثه سرایاه لفتنة الناس وأن مع کل انسان قرینا' احمد (۱۴۳۸۴)]

جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر' پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے خاوند و بیوی میں جدائی ڈال دیں اور دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے' یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں' کاش یہ جان جاتے۔"

(ابن کثیرؒ) مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جادوگر اپنے جادو سے وہ کام بھی کرتا ہے جس سے میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جائے مثلاً اس کی شکل و صورت اسے بری معلوم ہونے لگے یا اس کے عادات واطوار سے جو غیر شرعی نہ ہوں' یہ نفرت کرنے لگے یا دل میں عداوت آجائے وغیرہ وغیرہ۔ رفتہ رفتہ یہ باتیں بڑھتی جائیں اور آپس میں چھوٹ چھٹاؤ ہو جائے۔(۱)

☐ واضح رہے کہ ہر قسم کا جادو سیکھنا یا سکھانا' خود کرنا یا کسی دوسرے سے کرانا' سب کفر ہے خواہ وہ میاں بیوی کے درمیان تفریق کرانے والا ہو یا کوئی اور۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے:

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ "وَالسِّحْرُ" وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ﴾

"سات ہلاک کرنے والی اشیاء سے بچو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! وہ اشیاء کون سی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ کے ساتھ شرک کرنا' جادو' کسی بھی ایسی جان کا قتل جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے الا کہ حق کے ساتھ' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' جنگ کے دن پیٹھ پھیر دینا اور مومن و غافل پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا۔"(۲)

(2) حضرت بجالہ بن عبدہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے تقریباً ایک ماہ پہلے لکھ کر بھیجا تھا:

﴿اقْتُلُوا كُلَّ سَاحِرٍ ...... فَقَتَلْنَا فِي يَوْمٍ ثَلَاثَةَ سَوَاحِرَ﴾

(۱) [تفسیر ابن کثیر' مترجم (۱/۲۰۰)]

(۲) [بخاری (۲۷۶٦) کتاب الوصایا: باب قول اللہ تعالیٰ: ان الذین یاکلون أموال الیتامی]

"ہر جادوگر مرد اور عورت کو قتل کر دو۔" (حضرت بجالہ فرماتے ہیں کہ) چنانچہ ہم نے ایک دن میں تین جادوگر قتل کر دیئے۔" (۱)

(3) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ ' أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ ' أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ ...... ﴾

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے بدشگونی پکڑی یا جس کے لیے بدشگونی پکڑی گئی' جس نے کہانت کی یا جس کے لیے کہانت کی گئی' جس نے جادو کیا یا جس کے لیے جادو کیا گیا۔" (۲)

کراہتِ طلاق کے متعلق چند ضعیف روایات

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ الطَّلَاقُ ﴾

"حلال کاموں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام طلاق دینا ہے۔" (۳)

(2) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

﴿ يَا مُعَاذُ ! مَا خَلَقَ اللهُ شَيْئًا عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللهُ شَيْئًا عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ ﴾

"اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے زمین کی سطح پر کسی چیز کو پیدا نہیں کیا جو آزاد کرنے سے زیادہ اللہ کو محبوب ہو اور اللہ تعالیٰ نے سطح زمین پر کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو طلاق سے زیادہ (اللہ کو) ناپسند ہو۔" (٤)

(3) ﴿ تَزَوَّجُوا وَلَا تُطَلِّقُوا ' فَإِنَّ الطَّلَاقَ يَهْتَزُّ لَهُ الْعَرْشُ ﴾

"شادی کرو اور طلاق مت دو۔ کیونکہ طلاق سے عرش کانپ اُٹھتا ہے۔" (٥)

---

(۱) [**صحیح** : صحیح ابو داود (٢٦٢٤) كتاب الخراج والإمارة والفيئ . باب في أخذ الجزية من المجوس ' ابو داود (٣٠٤٣) احمد (١٩٠/١) عبدالرزاق (١٨٧٤٥) بيهقى (١٣٦/٨)]

(۲) [بزار كما في الترغيب (٣٣/٤) مجمع الزوائد للهيثمي (١١٧/٥) امام منذریؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند جید ہے۔ امام ہیثمیؒ نے کہا ہے کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے اسحاق بن ربیع کے' وہ ثقہ ہے۔]

(۳) [**ضعيف** : ارواء الغليل (٢٠٤٠) ابو داود (٢١٧٨) كتاب الطلاق : باب في كراهية الطلاق ' ابن ماجه (٢٠١٨) كتاب الطلاق : باب ' مستدرك حاكم (١٩٦/٢) بيهقى (٣٢٢/٧)]

(٤) [**ضعيف** : هداية الرواة (٣٢٢٩) ' (٣١٣/٣) دارقطنى (٣٥/٤)]

(٥) [**موضوع** : ترتيب الموضوعات (٦٩٤) الموضوعات للصغانى (٩٧) تنزيه الشريعة (٢٠٢/٢)]

باب اباحة الطلاق — طلاق کے جواز کا بیان

بوقتِ ضرورت طلاق دینا جائز ہے

جب میاں بیوی کے درمیان صلح کی تمام کوششیں رائیگاں چلی جائیں اور کسی طور بھی نباہ ممکن نہ ہو بلکہ اکٹھے رہنے سے محض باہمی عداوت' گھریلو بدامنی' بچوں کی تربیت میں نقص اور لڑائی جھگڑے کا ہی اندیشہ ہو تو اسلام نے طلاق کے ذریعے دونوں میں تفریق کا طریقہ سکھایا ہے۔ کیونکہ اب دونوں کے لیے راحت اسی میں ہے کہ وہ الگ ہو جائیں اور کوئی اور اپنا من پسند ہم سفر تلاش کر لیں۔ طلاق کے جواز کے متعلق تفصیلی دلائل حسب ذیل ہیں۔

طلاق کا ثبوتِ جواز قرآن سے

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاء ﴾ [البقرة : ٢٣٦]

"تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو۔"

(2) ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ

﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ [الطلاق : ١]

"اے نبی! (اپنی امت سے کہہ دو) جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت (کے دنوں کے کے آغاز) میں طلاق دو۔"

(3) سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے کہ

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ﴾ [البقرة : ٢٢٩]

"(رجعی) طلاق دو مرتبہ (دی جاسکتی) ہے۔"

(4) سورۂ بقرہ کی ہی ایک دوسری آیت میں ہے کہ

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ﴾ [البقرة : ٢٣١]

"اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کرنے پر آئیں تو اب انہیں اچھی طرح بساؤ یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو۔"

طلاق کا ثبوتِ جواز حدیث سے

(1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ طَلَّقَ حَفْصَةَ ثُمَّ رَاجَعَهَا ﴾

"بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی اور پھر ان سے رجوع کر لیا۔" (۱)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ

﴿ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ تَحْتِي امْرَأَةً لَا تَرُدُّ يَدَ لَامِسٍ قَالَ "طَلِّقْهَا" ﴾

"ایک آدمی نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میرے نکاح میں ایک عورت ہے وہ کسی چھونے والے کے ہاتھ کو نہیں روکتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا' تو اسے طلاق دے دے۔" (۲)

(3) رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا تھا کہ

﴿ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا ﴾

"اسے حکم دو کہ وہ اس (اپنی بیوی) سے رجوع کرلے اور پھر اس کو حالتِ طہر یا حالتِ حمل میں طلاق دے۔" (۳)

(4) رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

﴿ اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً ﴾

"(اپنا بطورِ مہر دیا ہوا) باغ قبول کر لو اور اسے طلاق دے دو۔" (٤)

---

(۱) [**صحيح** : صحيح ابو داود (۱۹۹۸) كتاب الطلاق : باب في المراجعة ' ابو داود (۲۲۸۳) نسائي (۲۱۳/٦) ابن ماجة (۲۰۱٦) كتاب الطلاق : باب ' دارمي (۱٦۰/۲) بيهقي (۳۲۱/۷) ابن حبان (٤۲۷٥) حاكم (۱۹۷/۲)]

(۲) [**صحيح** : صحيح نسائي ' نسائي (۳٤٦٥) كتاب الطلاق : باب ما جاء في الخلع]

(۳) [مسلم (۱٤۷۱) كتاب الطلاق : باب تحريم طلاق الحائض بغير رضاها ' غاية المرام (۲٥۷) ابن أبي شيبة (۲/٥) شرح السنة للبغوي (۲۳٥۱) بيهقي (۳۲۳/۷) دارقطني (٦/٤) نسائي في السنن الكبرى (٥٥۸۲) ابن حبان (٤۲٦۳) ابن الجارود (۷۳۳)]

(٤) [بخاري (٥۲۷۳) كتاب الطلاق : باب الخلع و كيف الطلاق فيه ' نسائي (۱٦۹/٦)]

طلاق کا ثبوتِ جواز عمل صحابہ سے

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی۔(۱)

(2) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق دی تھی۔(۲)

(3) حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر حضرت ابو عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے طلاق دی تھی۔(۳)

(4) حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کی شادی عہدِ رسالت میں ایک صحابی (جن کے متعلق یہ بھی مروی ہے کہ وہ ابوالبداح بن عاصم انصاری رضی اللہ عنہ تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے) سے کی تھی' پھر انہوں نے اسے طلاق دے دی تھی۔(٤)

طلاق کا ثبوتِ جواز اقوالِ ائمہ سے

(حنابلہ، احناف) بوقتِ ضرورت طلاق دینا جائز ہے۔(٥)

(ابن قدامہؒ) طلاق کی مشروعیت کتاب و سنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔(٦)

(ابن تیمیہؒ) شوہر کی طرف سے طلاق دینا درست ہے۔(٧)

(شوکانیؒ) شوہر کے لیے بلا کراہت طلاق دینے کا جواز ہے۔(٨)

(نواب صدیق حسن خانؒ) طلاق کا جواز کتابِ عزیز اور متواتر سنتِ مطہرہ کی نصوص اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے اور یہ شریعت کے قطعی الثبوت مسائل میں سے ہے۔ البتہ بغیر کسی حاجت کے طلاق دینا مکروہ ہے۔(٩)

---

(١) [**صحیح** : صحیح نسائی ' نسائی (٣٣٩٨) کتاب الطلاق : باب الطلاق لغیر العدة]

(٢) [**صحیح** : ارواء الغلیل (١٧٢١)]

(٣) [**صحیح** : صحیح نسائی ' نسائی (٣٢٤٥) کتاب النکاح : باب اذا استشارت المرأة رجلا فیمن یخطبها هل یخبرها]

(٤) [**صحیح** : صحیح ترمذی ' ترمذی (٢٩٨١) کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة البقرة]

(٥) [کما فی فقه السنة للسید سابق (٢٦٢/٢)]

(٦) [المغنی لابن قدامة (٣٢٣/١٠)]

(٧) [الأخبار العلمیة من الاختیارات الفقهیة (ص / ٣٦٥)]

(٨) [نیل الأوطار (٣١٣/٤)]

(٩) [الروضة الندیة (٩٧/٢)]

(شیخ عبداللہ بسامؒ) بوقتِ ضرورت طلاق دینا جائز ہے اور اس کا جواز کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے ثابت ہے۔(۱)

(البانیؒ) عورت کو طلاق دینا جائز ہے خواہ وہ (نماز) روزوں کی پابند اور فرمانبردار ہی کیوں نہ ہو۔(۲)

طلاق کا ثبوتِ جواز عرب علماء کے فتاویٰ سے

(سعودی مجلس افتاء) جب کسی آدمی کے لیے یہ ظاہر ہو کہ اس کی بیوی اس کے ساتھ درست نہیں اور وہ اسے طلاق دینے کو ترجیح دے تو وہ اسے طلاق دے سکتا ہے' ایسا کرنے میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔(۳)

(شیخ صالح بن فوزان) طلاق کی مشروعیت پر اجماع حکایت کیا گیا ہے۔(٤)

(شیخ ابو بکر جابر الجزائری) دونوں میاں بیوی میں سے ہر ایک کو متوقع یا حقیقی نقصان سے بچانے کے لیے طلاق مباح ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"طلاق دو بار ہے' پھر (خاوند اسے) اچھے طریقے سے اپنے پاس رکھے' یا چھوڑ دے۔"[البقرۃ : ۲۲۹]

نیز ارشادِ ربانی ہے:

"اے نبی ﷺ! (لوگوں سے کہہ دو کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو۔"[الطلاق : ۱]

اگر نقصان کا ازالہ طلاق کے بغیر نہیں ہو رہا تو طلاق لازم ہے۔(٥)

بد اخلاق عورت کے ساتھ رہنا مشکل ہو تو اسے طلاق دینا ضروری ہے

(1) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ ثَلَاثَةٌ يَدْعُوْنَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ : رَجُلٌ كَانَتْ تَحْتَهُ امْرَأَةٌ سَيِّئَةُ الْخُلُقِ فَلَمْ يُطَلِّقْهَا ' وَرَجُلٌ كَانَ لَهُ عَلٰى رَجُلٍ مَالٌ فَلَمْ يُشْهِدْ عَلَيْهِ ' وَرَجُلٌ آتٰى سَفِيْهًا مَالَهُ ' وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى " وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمْ " ﴾

---

(۱) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٤٧٦/٥-٤٧٧)]

(۲) [نظم الفرائد (۳۲/۲)]

(۳) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٥/٢٠)]

(٤) [الملخص الفقهي (٣٠٦/٢)]

(٥) [منهاج المسلم' مترجم (ص / ٦٣٨)]

"تین آدمی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں مگر ان کی دعا قبول نہیں کی جاتی' ایک وہ آدمی جس کے نکاح میں کوئی برے اخلاق والی عورت ہے اور وہ اسے طلاق نہیں دیتا۔ دوسرا وہ آدمی جس کا کچھ مال کسی دوسرے آدمی کے ذمہ ہے لیکن وہ اس پر کسی کو گواہ نہیں بناتا اور تیسرا وہ آدمی جو کسی بے وقوف کو اپنا مال دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اپنے اموال بے وقوفوں کو مت دو۔" (۱)

(2) حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

﴿ إِنَّ لِي امْرَأَةً وَإِنَّ فِي لِسَانِهَا شَيْئًا يَعْنِي الْبَذَاءَ قَالَ فَطَلِّقْهَا إِذًا ﴾

"بلاشبہ میری بیوی کی زبان میں کچھ ہے یعنی وہ بدزبان ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تو تم اسے طلاق دے دو۔" (۲)

بے نماز بیوی کو طلاق دینا واجب ہے

(سعودی مجلس افتاء) اگر آپ اسے نصیحت کرتے ہیں مگر وہ پھر بھی نماز نہیں پڑھتی تو اسے طلاق دینا واجب ہے کیونکہ وہ بالاجماع کافر ہے جبکہ وہ وجوبِ نماز کا ہی انکار کرتی ہو اور علماء کے صحیح قول کے مطابق اگر وجوب کا انکار نہ کرتی ہو (اور نماز بھی نہ پڑھتی ہو) تب بھی کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

﴿وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴾ [الممتحنة : ١٠]

"اور کافروں کی عصمتوں کو مت روکے رکھو۔" (۳)

(شیخ ابن جبرین) کسی نے دریافت کیا کہ 'میری بیوی میرے والدین کو گالیاں دیتی ہے' میں نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ مجھے جاہل کہتی ہے' حتی کہ اس نے نماز تک چھوڑ رکھی ہے' میں اس بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں اس لیے آپ سے افادے کا طلب گار ہوں؟

شیخ نے جواب دیا کہ

طلاق مکروہ ہے مگر بوقتِ ضرورت جائز ہے اور اگر معاملہ اسی طرح ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے بالخصوص اس کا نماز تک چھوڑ دینا تو (اس صورتحال میں) آپ کے لیے اس عورت کو رکھنا جائز نہیں' اسے

---

(۱) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (۳۰۷۵) السلسلة الصحیحة (۱۸۰۵) رواه الطحاوی و أبو نعیم]

(۲) [صحیح : صحیح ابو داود (۱۲۹) کتاب الطهارة : باب فی الاستنثار' ابو داود (۱٤۲) أحمد (۲۱۱/٤)]

(۳) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء (۱۲/۲۰)]

آپ مسنون طریقے سے طلاق دے دیں' وہ اس طرح کہ آپ اسے ایک طلاق ایسے طہر میں دیں جس میں آپ نے اس سے ہم بستری نہ کی ہو' اسے اس کے گھر میں ہی چھوڑے رکھیں حتی کہ وہ اپنی عدت پوری کر لے' اسے ضروری سامان مثلاً کپڑے یا خوراک وغیرہ بھی مہیا کرتے رہیں اور بچوں و اس کے پاس ہی چھوڑے رکھیں حتی کہ وہ کسی اور سے شادی کر لے تو آپ کے لیے انہیں حاصل کرنے کا حق ثابت ہو جائے گا اور آپ پر لازم ہے کہ ان بچوں پر تنگی اور آسانی کی معروف مقدار کے مطابق خرچ بھی کرتے رہیں۔(۱)

اگر طلاق کا مقصد زوجین میں سے کسی ایک کو نقصان پہنچانا ہو تو طلاق دینا حرام ہے

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَلَا تُضَارُّوهُنَّ﴾ [الطلاق : ٦]

"اور تم انہیں (یعنی اپنی بیویوں کو) نقصان مت پہنچاؤ۔"

اور حدیث نبوی ہے کہ

﴿لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ﴾

"نہ تکلیف پہنچاؤ اور نہ تکلیف اٹھاؤ۔"(۲)

(سید سابق) بلا ضرورت طلاق دینا حرام ہے کیونکہ اس میں شوہر کا اپنا بھی نقصان ہے اور اس کی بیوی کا بھی۔(۳)

(شیخ ابو بکر جابر الجزائری) اگر طلاق میں کسی ایک فریق کا نقصان زیادہ ہے اور فائدہ کم تو ایسی صورت میں طلاق حرام ہے۔(٤)

طلبِ علم کے لیے بیوی کو طلاق دینے کا حکم

(سعودی مجلس افتاء) کسی نے دریافت کیا کہ 'میں ایک شادی شدہ شخص ہوں۔ شادی سنت ہے اور طلبِ علم ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ تو کیا میں اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہوں تاکہ علم حاصل کر سکوں؟

---

(۱) [ملخصا' فتاوی اسلامیة (۲۷۰/۳)]

(۲) [**صحیح** : صحیح ابن ماجه ' ابن ماجه (۲۳٤۱) کتاب الأحکام : باب من بنی فی حقه ما یضر بجاره ' السلسلة الصحیحة (۲۵۰) صحیح الجامع الصغیر (۷۵۱۷) غایة المرام (۲۵٤) ارواء الغلیل (۱٤۰٤)]

(۳) [فقه السنة (۲٦۲/۲)]

(٤) [منهاج المسلم' مترجم (ص / ٦۳۸)]

مجلس افتاء نے یہ فتویٰ دیا کہ

شادی نبی کریم ﷺ کی سنت ہے اور اس کے ساتھ آدمی کا دین مکمل ہوتا ہے' اس کی نگاہ جھک جاتی ہے اور اس کی شرمگاہ محفوظ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنی بیوی کو طلاق دیں۔ (کیونکہ) شادی آپ کو طلبِ علم سے نہیں روکتی جبکہ آپ میں قوتِ عزیمت اور سچی نیت موجود ہو۔(۱)

جوازِ طلاق کی حکمت

(شیخ ابن بازؒ) اباحتِ طلاق کی حکمت بڑی واضح ہے' وہ یہ کہ بعض اوقات عورت شوہر کے لیے مناسب نہیں ہوتی' وہ مختلف وجوہات مثلاً کم عقلی' دینی کمزوری' سوءِ ادب اور اس جیسی دیگر اشیاء کی بنا پر اس سے بے حد نفرت کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے طلاق دینے اور اسے اپنی عصمت و حفاظت سے نکالنے میں (اس کے لیے) راستہ بنا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

﴿وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّن سَعَتِهِ﴾ [النساء: ۳۰]

''اور اگر وہ جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسعت سے غنی فرما دیں گے۔''(۲)

---

(۱) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۲۰/۵)]

(۲) [فتاوی اسلامیة (۲۶۳/۳)]

باب النية فى الطلاق — طلاق میں نیت کا بیان

طلاق کے لیے نیت ضروری ہے

(1) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ﴾

”تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر عمل کا نتیجہ ہر انسان کو اس کی نیت کے مطابق ہی ملے گا۔ پس جس کی ہجرت دولتِ دنیا حاصل کرنے کے لیے ہو یا کسی عورت سے شادی کی غرض ہو' پس اس کی ہجرت ان ہی چیزوں کے لیے ہو گی جن کے حاصل کرنے کی نیت سے اس نے ہجرت کی ہے۔“ (۱)

(2) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں:

﴿لَا عَمَلَ وَلَا قَوْلَ إِلَّا بِالنِّيَّةِ﴾

”کوئی بھی عمل اور کوئی بھی قول نیت کے بغیر قبول نہیں۔“ (۲)

زبردستی دلوائی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا طَلَاقَ وَلَا عَتَاقَ فِي إِغْلَاقٍ﴾

”طلاق اور آزادی اغلاق میں نہیں ہوتی۔“ (۳)

---

(۱) [بخاری (۱) کتاب بدء الوحی: باب بدء الوحی' مسلم (۱۹۰۷) کتاب الامارة : باب قوله انما الأعمال بالنيات وأنه يدخل فيه الغزو وغيره ' أبو داود (۲۲۰۱) كتاب الطلاق : باب فيما عنى به الطلاق والنيات ' نسائی (۵۸/۱) ترمذی (۱٦٤٧) كتاب فضائل الجهاد : باب ما جاء فيمن يقاتل رياء وللدنيا ' ابن ماجة (٤٢٢٧) كتاب الزهد : باب النية ' أحمد (۲۵/۱) حمیدی (۲۸) ابن خزیمة (۱٤۲)]

(۲) [صحيح بالشواهد : العلل المتناهية لابن الجوزى (۳٤٦/۲)]

(۳) [حسن : صحیح ابو داود (۱۹۱۹) كتاب الطلاق : باب فى الطلاق على غلط ' إرواء الغليل (۲۰٤۷) ابو داود (۲۱۹۳) احمد (۲۷٦/٦) بخاری فى التاريخ الكبير (۱۷۱/۱) ابن ماجه (۲۰٤٦) كتاب الطلاق : باب طلاق المكره والناسى ' مستدرك حاكم (۱۹۸/۲) كتاب الطلاق : باب لا طلاق ولا عتاق فى اغلاق ' بيهقى (۳۵۷/۷) كتاب الطلاق : باب ما جاء فى طلاق المكره ' ابن أبى شيبة (٤۹/۵) دارقطنى (۳٦/٤) أبو يعلى (٤۲۱/۷) ' (٤٤٤٤) امام حاکمؒ نے اس روایت کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔]

''اغلاق''لغت میں بند کر دینے کو کہتے ہیں۔اس حدیث میں اس کے دو مفہوم بیان کیے جاتے ہیں:

① زبردستی لی جانے والی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

② شدید غصے میں کہ جب انسان کی عقل پر پردہ پڑ جائے تو ایسی حالت میں دی ہوئی طلاق بھی واقع نہیں ہوتی جیسا کہ امام ابوداودؒ نے اس حدیث کے بعد خود بیان کیا ہے کہ ((الغَلَاقُ أَظُنُّهُ فِي الغَضَبِ))''میرے خیال میں غلاق غصے میں ہوتا ہے۔''

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

﴿ طَلَاقُ السَّكْرَانِ وَالْمُسْتَكْرَهِ لَيْسَ بِجَائِزٍ ﴾

''حالتِ نشہ میں موجود انسان اور مجبور شخص کی (دی ہوئی) طلاق جائز نہیں۔''(۱)

(3) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی کی حدیث مروی ہے۔(۲)

(4) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ ﴾

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے میری ت کی خطا اور بھول کو معاف کر دیا ہے' نیز وہ گناہ بھی معاف کر دیئے ہیں جن پر انہیں مجبور کیا گیا ہو۔''(۳)

امام مالکؒ کو اس جرم کی پاداش میں بے حد سزائیں دی گئیں لیکن آپ اپنے صحیح و ٹھوس مؤقف پر مضبوطی سے قائم رہے۔ آپ کا کہنا تھا کہ ''جبری طلاق واقع نہیں ہوتی۔''

(احمدؒ، شافعیؒ) اسی کے قائل ہیں۔ حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم ، حضرت حسن بصریؒ، امام عطاءؒ، امام مجاہدؒ، امام طاؤسؒ، امام شریحؒ، امام اوزاعیؒ اور امام حسن بن صالحؒ سے بھی یہی مذہب منقول ہے۔

---

(۱) [بخاری (قبل الحدیث / ۵۲۶۹) کتاب الطلاق : باب الطلاق فی الاغلاق والمکرہ والسکران والمجنون وأمرهما والغلط والنسیان فی الطلاق]

(۲) [صحیح : إرواء الغلیل (۲۰۴۵) بیهقی (۳۵۹/۷)]

(۳) [صحیح : صحیح ابن ماجه ' ابن ماجه (۲۰۴۵) کتاب الطلاق : باب طلاق المکرہ والناسی ' دارقطنی (۱۷۰/۴_۱۷۱) ابن حبان (۷۲۱۹) طبرانی کبیر (۱۰۹/۱۱) مستدرک حاکم (۱۹۸/۲) طحاوی فی شرح معانی الآثار (۹۵/۳) بیهقی (۳۵٦/۷)]

امام شوکانی ؒ فرماتے ہیں کہ اس مؤقف کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا' میری امت کی خطا اور بھول کو معاف کر دیا گیا ہے اور اس گناہ کو بھی معاف کر دیا گیا ہے جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو۔

امام عطاءؒ نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ ﴿ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ ﴾ [النحل : ١٠٦] ''(جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کلمہ کفر کہا ان پر اللہ کا غضب ہے) سوائے ایسے شخص کے جسے (کلمہ کفر کہنے پر) مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔'' ان کا کہنا ہے کہ شرک طلاق سے بڑا گناہ ہے (جب وہ مجبور شخص سے معاف ہے تو طلاق کیسے واقع ہو سکتی ہے)۔(١)

(ابو حنیفہؒ) جبری طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ یہ مکلف کی طرف سے واقع ہوتی ہے۔ سعید بن مسیبؒ، امام نخعیؒ، امام ثوریؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی یہی مذہب روایت کیا گیا ہے۔(٢)

(راجح) پہلا مؤقف راجح ہے کیونکہ گزشتہ صحیح احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

(ابن تیمیہؒ) جبری طلاق واقع نہیں ہوتی۔(٣)

(ابن قدامہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(شوکانیؒ) انہوں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔(٥)

(ابن حزمؒ) جبری طلاق' طلاق دینے والے پر لازم نہیں ہوتی۔(٦)

(سعودی مجلس افتاء) انہوں نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔(٧)

(شیخ صالح بن فوزان) جسے طلاق پر مجبور کیا گیا ہو اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔(٨)

---

(١) [رواه سعيد بن منصور باسناد صحيح (١١٤٢)]

(٢) [المدونة (٢٤/٣) الاختيار (١٢٤/٣) الأم للشافعي (١٨٤/٥) المغنى (٣٥٠/١٠) المبسوط (١٧٦/٦) نيل الأوطار (٣٢٩/٤-٣٣٠)]

(٣) [الأخبار العلمية من الاختيارات الفقهية (ص / ٣٦٦)]

(٤) [المغنى لابن قدامة (٣٥٠/١٠)]

(٥) [نيل الأوطار (٣٣٠/٤)]

(٦) [المحلى بالآثار (٣٧٥/٩)]

(٧) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٤١/٢٠)]

(٨) [الملخص الفقهي (٣٠٨/٢)]

عقل پر پردہ ڈال دینے والے غصے میں طلاق نہیں ہوتی

جیسا کہ گزشتہ عنوان کے تحت یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ

"طلاق اور آزادی اغلاق میں نہیں ہوتی۔" (۱)

اور اغلاق کی ایک صورت یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ ایسے شدید غصے میں طلاق دینا جب انسان کی عقل پر مکمل طور پر پردہ پڑ چکا ہو اور وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو چکا ہو۔اس حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہو گی۔کیونکہ وہ قوتِ ارادی کھو چکا ہے۔

(سید سابقؒ) ایسا غصے والا شخص جو اپنی کہی ہوئی بات کا تصور نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ اپنے نکلنے والے الفاظ کو سمجھ سکتا ہے' اس کی طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ اس کا ارادہ سلب کر لیا گیا ہے۔(۲)

(شیخ صالح بن فوزان) جب ایسے غصے میں طلاق دی جائے جس میں اسے یہ نہ علم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔(۳)

پاگل کی طلاق

پاگل کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ عقل نہ ہونے کی وجہ سے وہ طلاق کی نیت کرنے سے عاجز ہے۔مزید ایک حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنْ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ وَعَنْ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ وَعَنْ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَعْقِلَ﴾

"تین آدمی مرفوع القلم ہیں (یعنی ان کا گناہ نہیں لکھا جاتا): ایک سونے والا حتی کہ وہ بیدار ہو جائے' دوسرا بچہ حتی کہ وہ بالغ ہو جائے اور تیسرا پاگل حتی کہ وہ عقل مند ہو جائے۔" (٤)

---

(١) [حسن : صحيح ابو داود (١٩١٩)]

(٢) [فقه السنة (٢٦٧/٢)]

(٣) [الملخص الفقهي (٣٠٨/٢)]

(٤) [صحيح : صحيح ابو داود ' ابوداود (٤٤٠٣) كتاب الحدود : باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا ' ابن ماجه (٢٠٤١) كتاب الطلاق : باب طلاق المعتوه والصغير والنائم ' نسائي (٣٤٣٢) كتاب الطلاق : باب من لا يقع طلاقه من الأزواج ' ارواء الغليل (٢٩٧) صحيح الجامع الصغير (٣٥١٢) المشكاة (٣٢٨٧)]

علاوہ ازیں ایک دوسری روایت (جسے امام بخاریؒ نے نقل فرمایا ہے) سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پاگل کا کیا ہوا عمل قابل سزا نہیں جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

﴿ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ زَنَى فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَتَنَحَّى لِشِقِّهِ الَّذِي أَعْرَضَ فَشَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَدَعَاهُ فَقَالَ هَلْ بِكَ جُنُونٌ هَلْ أَحْصَنْتَ قَالَ نَعَمْ فَأَمَرَ بِهِ أَنْ يُرْجَمَ بِالْمُصَلَّى فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ جَمَزَ حَتَّى أُدْرِكَ بِالْحَرَّةِ فَقُتِلَ ﴾

''قبیلہ اسلم کے ایک صاحب ماعز نامی مسجد میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ انہوں نے زنا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ان سے منہ موڑ لیا لیکن وہ پھر آپ ﷺ کے سامنے آگئے (اور زنا کا اقرار کیا) پھر انہوں نے اپنے اوپر چار مرتبہ شہادت دی تو آپ ﷺ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''تم پاگل تو نہیں ہو؟'' کیا واقعی تم نے زنا کیا ہے؟ اس نے کہا' جی ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کیا تو شادی شدہ ہے؟ اس نے کہا' جی ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے اسے عید گاہ میں رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب انہیں پتھر لگا تو وہ بھاگنے لگا لیکن اسے حرہ (مقام) کے پاس پکڑ لیا گیا اور جان سے مار دیا گیا۔'' (۱)

اس حدیث میں محل شاہد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ماعز رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تم پاگل تو نہیں؟ کیونکہ اگر وہ پاگل ہوتے تو ان سے حد ساقط ہو جاتی لیکن جب انہوں نے نفی میں جواب دیا تو پھر آپ ﷺ نے انہیں حد لگانے کا حکم صادر فرما دیا۔ ثابت ہوا کہ پاگل کا کیا ہوا عمل شرعی نقطہ نظر سے کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ اس لیے اس کی دی ہوئی طلاق بھی واقع نہیں ہو گی۔

(شوکانیؒ) مذکورہ دوسری حدیث کے ان الفاظ ''کیا تم پاگل تو نہیں'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ پاگل کی طرف سے کوئی بھی اقرار (خواہ طلاق کا ہو یا کوئی اور) درست نہیں۔ (۲)

(علامہ مرغینانیؒ) بچے' پاگل اور سونے والے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (۳)

(سعودی مجلس افتاء) پاگل کی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ وہ زوالِ عقل کی وجہ سے مکلف نہیں۔ (٤)

---

(۱) [بخاری (۵۲۷۰) کتاب الطلاق : باب الطلاق فی الاغلاق]

(۲) [نیل الأوطار (۳۳۰/٤)]

(۳) [نصب الرایة مع الهدایة (۲۹٦/۳)]

(٤) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء (٤۰/۲۰)]

نشے کی حالت میں طلاق

نشے کی حالت میں چونکہ انسان پاگل یا سونے والے کی طرح مغلوب العقل ہوتا ہے' وہ اپنی کوئی بھی کہی ہوئی بات سمجھ نہیں رہا ہوتا۔ اس لیے ایسی حالت میں وہ مکلّف نہیں ہوتا اور جب وہ مکلف نہیں ہوتا تو اس کی طرف سے صادر ہونے والے طلاق کے کلمات بھی کچھ حیثیت نہیں رکھتے جیسا کہ پاگل کی طلاق کی صورت ہے۔

البتہ اس کے وقوع کے متعلق اہل علم کے درمیان اختلاف ہے:

(عمر بن عبد العزیزؒ، اسحٰقؒ) نشے کی حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، امام قاسمؒ، امام طاؤسؒ، امام ربیعہؒ، امام یحییٰ انصاریؒ، امام لیثؒ، امام ابو ثورؒ اور امام مزنیؒ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

(ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، مالکؒ) ایسی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ حضرت علی، حضرت معاویہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، امام ثوریؒ، امام حسنؒ، امام ابن سیرینؒ، امام شعبیؒ، امام نخعیؒ، امام اوزاعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا بھی یہی مؤقف ہے۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ نشے کی حالت میں بھی انسان مکلّف ہی ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حکم دیا ہے کہ ''نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔'' پس اللہ تعالیٰ کا نشے کی حالت میں نماز کے قریب جانے سے روکنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ایسے شخص سے تکلیف زائل نہیں ہوئی (کیونکہ اسے اس حال میں بھی فرمان سنایا جا رہا ہے' جب ایسا شخص مکلف ہے تو یہ بات محتاجِ دلیل نہیں کہ) ہر مکلّف کی طرف سے طلاق صحیح واقع ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مذکورہ آیت میں خطاب ان لوگوں کو نہیں جو نشے کی حالت میں ہیں بلکہ ان کو ہے جو نشے کی حالت میں نہیں تاکہ وہ ایسے حال میں نماز نہ پڑھیں جب ان پر نشہ طاری ہو اور اس کا سبب اسی آیت میں آگے بتا دیا گیا ہے کہ ''حتی کہ تم جان لو جو تم کہہ رہے ہو'' یعنی نشے کی حالت میں انسان جو کچھ کہہ رہا ہوتا ہے' اسے سمجھ نہیں رہا ہوتا اس لیے ایسی حالت میں نماز سے منع کر دیا گیا ہے تاکہ اس عظیم عبادت میں خلل واقع نہ ہو اور جب نشے کی حالت میں انسان اپنی کہی ہوئی بات سمجھ ہی نہیں رہا ہوتا تو وہ مکلّف کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بات

اصول میں ثابت ہے کہ فہم تکلیف کی شرط ہے۔

ان حضرات نے اپنے اس مؤقف کے اثبات کے لیے یہ بات بھی پیش نظر رکھی ہے کہ شراب یا کوئی اور نشہ آور چیز پینے کی وجہ سے وہ انسان نافرمان ہوتا ہے لہٰذا ایسے شخص سے نہ تو خطاب ختم ہوگا اور نہ ہی گناہ' اسے اپنے اس گناہ کی سزا ملنی ہی چاہیے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شراب یا نشہ آور اشیاء کے استعمال کی سزا اسلام نے خود مقرر فرمادی ہے تو پھر ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ محض اپنی رائے کے ساتھ ہی یہ کہنا شروع کردیں کہ بطورِ سزا ایسے شخص کی طلاق کے واقع ہونے کا ہی حکم لگایا جائے گا۔(۱)

(شوکانیؒ) ایسا نشے باز جو عقل نہ رکھتا ہو اس کی طلاق کا کوئی حکم نہیں۔

مزید فرماتے ہیں کہ اس مؤقف کی تائید صحیح بخاری کی اُس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے نشے کی حالت میں تھے (اور ابھی حرمتِ شراب نازل نہیں ہوئی تھی) کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے (نشے میں ہی) کہہ دیا' تم تو صرف میرے باپ کے غلام ہو۔ اس پر آپ ﷺ نے انہیں اسی حالت میں چھوڑ دیا اور چلے گئے اور ان پر اس کلمے کی وجہ سے کوئی حکم لازم نہ کیا۔(۲) حالانکہ اگر وہ نشے کی حالت میں نہ ہوتے تو یہ کلمہ کفر قرار پاتا۔(۳)

(ابن تیمیہؒ) نشے کی حالت میں طلاق نہیں ہوتی۔(٤)

(ابن قیمؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(ابن حزمؒ) نشے کی حالت میں طلاق لازم نہیں ہوتی۔(٦)

خیالی طلاق

یعنی کسی کے دل میں اپنی بیوی کو طلاق دے دینے کا خیال پیدا ہو تو محض خیال و وسوسہ سے طلاق واقع

---

(۱) [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: الأم للشافعی (۲۵۳/٥) بدائع الصنائع (۹۹/۳) المدونة (۲٤/۳) المغني لابن قدامة (۳٤٦/۱۰-۳٤۷) نیل الأوطار (۳۳۰/٤-۳۳۱)]

(۲) [بخاری (٤۰۰۳) کتاب المغازی : باب شهود الملائکة بدرا]

(۳) [نیل الأوطار (۳۳۱/٤)]

(٤) [الأخبار العلمیة من الاختیارات الفقهیة (ص / ۳٦٥)]

(٥) [زاد المعاد (۲۰۹/٥-۲۱۰)]

(٦) [المحلی بالآثار (٤۷۱/۹)]

نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ ﴾

"اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل کے وسوسہ (پر گرفت و مؤاخذہ) سے درگزر فرمادیا ہے اور یہ اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کوئی عمل نہ کرے یا زبان سے نہ کہے۔" (۱)

(ترمذیؒ) اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ جب آدمی اپنے نفس میں طلاق کے متعلق سوچے تو یہ اس وقت تک کچھ نہیں ہوگا (یعنی طلاق نہیں ہوگی) جب تک وہ بول کر طلاق نہ دے۔ (۲)

خواب میں طلاق

اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے یا وہ اس جیسا کوئی اور غیر مناسب کلام کرے تو اس وجہ سے اس سے کوئی مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس سے اس کی بیوی کو طلاق واقع ہو گی کیونکہ حدیث میں موجود ہے کہ سونے والا مرفوع القلم ہے۔

(سعودی مجلس افتاء) انہوں نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ مزید کہا ہے کہ ایسے شخص کو چاہیے کہ اپنے بائیں جانب تین مرتبہ تھوکے اور شیطان اور جو بھی بری چیز اس نے دیکھی ہے اس سے اللہ کی پناہ مانگے۔ پھر دوسرے پہلو پر لیٹ جائے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی مروی ہے کہ جس نے ایسا کیا اسے وہ چیز نقصان نہیں پہنچائے گی جو اس نے دیکھی۔ (۳)

اگر کوئی شخص طلاق کی نیت کرلے مگر لفظوں میں نہ کہے

(سعودی مجلس افتاء) کسی نے دریافت کیا کہ 'ایک شخص اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا تو اس نے بیوی سے کہہ دیا کہ عنقریب تمہیں طلاق پہنچ جائے گی۔ اب وہ پوچھنا چاہتا ہے کہ اس کی اس بات پر کیا شرعی

---

(۱) [بخاری (۵۲۶۹) کتاب الطلاق : باب الطلاق فی الإغلاق ' مسلم (۱۲۷) کتاب الایمان : باب تجاوز الله عن حديث النفس والخواطر بالقلب ' ابو داود (۲۲۰۹) کتاب الطلاق : باب فی الوسوسة بالطلاق ' ترمذی (۱۱۸۳) کتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء فیمن یحدث نفسه بالطلاق ' ابن ماجة (۲۰۴۴) کتاب الطلاق : باب طلاق المكره والناسی]

(۲) [جامع ترمذی (بعد حدیث / ۱۱۸۳)]

(۳) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۳۶/۲۰)]

احکام لاگو ہوتے ہیں؟

مجلس افتاء نے جواب دیا کہ

اگر تو معاملہ اسی طرح ہے جیسے فتویٰ طلب کرنے والے نے ذکر کیا ہے کہ اس نے جھگڑے کے وقت اپنی بیوی سے کہا تھا' عنقریب تمہیں طلاق پہنچ جائے گی اور اس کلام کے علاوہ اس نے اسے کچھ نہیں کہا تو محض ان الفاظ کے ساتھ ہی طلاق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ بلاشبہ یہ تو محض طلاق کا ایک وعدہ ہے۔ اگر اس نے اس وعدے کے بعد اسے طلاق بھی دی ہے تو ان الفاظ کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائے گی جن کے ساتھ اس نے طلاق دی ہے اور اگر (بعد میں) اس نے اسے طلاق نہیں دی تو محض اس وعدے کا اس کی ازدواجی زندگی پر کوئی اثر نہیں۔(۱)

(شیخ ابن بازؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

اگر کسی شخص کی طلاق کی نیت ہو اور اشارے کنائے سے اظہار کرے

مثلاً کہے کہ ہمیشہ کے لیے اپنے گھر چلی جا' اس گھر سے نکل جاو غیرہ وغیرہ تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس مسئلے کا تفصیلی بیان آئندہ باب "جس ذریعے سے طلاق واقع ہوتی ہے" کے تحت آئے گا۔

ہنسی مذاق میں دی گئی طلاق مؤثر ہو جاتی ہے

جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تین باتیں ایسی ہیں جنہیں اگر سنجیدگی سے کہا جائے تو بھی پختہ ہیں اور اگر مذاق سے کہا جائے تو بھی سنجیدگی ہیں۔ ایک نکاح' دوسری طلاق اور تیسری رجوع۔"(۳)

(ابوذر رضی اللہ عنہ) جس نے کھیلتے ہوئے طلاق دی تو اس کی طلاق جائز و درست ہے۔(٤)

---

(۱) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۲۳/۲۰)]

(۲) [فتاوى اسلامية (۲۷۸/۳)]

(۳) [حسن : صحيح ابو داود (۱۹۲۰) كتاب الطلاق : باب في الطلاق على الهزل ' ابو داود (۲۱۹٤) ترمذی (۱۱۸٤) كتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء في الجد والهزل في الطلاق ' ابن ماجة (۲۰۳۹) سعيد بن منصور (۱٦۰۳) دارقطنی (۲۵٦/۳) حاكم (۱۹۸/۲) طحاوی (۱۸/۳)]

(٤) [عبد الرزاق (۱۰۲٤۹) ' (۱۳٤/٦)]

(علی رضی اللہ عنہ) انہوں نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔(۱)

(ابن قیمؒ) جمہور علماء کے نزدیک ہنسی مذاق میں دی گئی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے اور صحابہ و تابعین سے یہی بات محفوظ (یعنی صحیح ثابت) ہے۔(۲)

(سعودی مجلس افتاء) مذاق میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔(۳)

(شیخ سلیم ہلالی) طلاق کے ساتھ کھیلنا جائز نہیں 'اگر کوئی ایسا کرے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔(٤)

(شیخ صالح بن فوزان) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

---

(۱) [عبد الرزاق (١٠٢٤٧) '(١٣٤/٦)]

(۲) [أعلام الموقعين (١٢٤/٣)]

(۳) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٦٥/٢٠)]

(٤) [موسوعة المناهي الشرعية (٧٥/٣)]

(٥) [ملخص الفقهي (٣٠٨/٢)]

باب احکام الطلاق — طلاق کے احکام کا بیان

طلاق دینے کا مسنون طریقہ

- طلاق دینے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دو عادل گواہوں کی موجودگی میں عورت کو حالتِ طہر میں طلاق دی جائے (یعنی جب وہ ایام ماہواری سے پاک ہو چکی ہو)۔
- وہ طہر ایسا ہو کہ شوہر نے اس میں بیوی سے ہم بستری نہ کی ہو۔
- یا پھر دورانِ حمل بیوی کو طلاق دی جائے۔
- یاد رہے کہ دورانِ حیض یا پھر حالتِ طہر میں ہم بستری کرنے کے بعد عورت کو طلاق دینا سنت کے خلاف ہے۔

اس کے مزید دلائل آئندہ باب ''طلاق کی اقسام کا بیان'' کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

طلاقوں کی تعداد

جب شوہر اپنی بیوی سے ہم بستری کر لے تو وہ اسے تین طلاقیں دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ پہلی دو طلاقیں رجعی ہوں گی یعنی ان میں اسے رجوع کا حق ہو گا اور تیسری طلاق بائن ہو گی یعنی تیسری طلاق کے بعد شوہر رجوع نہیں کر سکے گا۔ ان تینوں طلاقوں کی کچھ تفصیل آئندہ سطور میں بیان کی جا رہی ہے۔

پہلی طلاق

پہلی طلاق سے مراد وہ طلاق ہے جو انسان شادی کے بعد عورت کو پہلی مرتبہ دیتا ہے۔ اس طلاق کے بعد شوہر کو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے' وہ جب چاہے عورت سے رجوع (یعنی صلح) کر سکتا ہے۔ لیکن اتنا یاد رہے کہ جب تک وہ رجوع نہیں کرتا اس کے لیے عورت سے ہم بستری کرنا حرام ہے۔ اس طلاق کے بعد عورت کو شوہر کے گھر میں ہی رہنا ہوتا ہے اور وہیں عدت گزارنی ہوتی ہے۔ شوہر پر عورت اور اس کے بچوں کا خرچہ بھی واجب ہوتا ہے۔ اگر تو عدت کے اندر اندر شوہر رجوع کر لے تو ٹھیک' وگرنہ عدت پوری ہونے کی صورت میں عورت شوہر سے جدا ہو کر اپنے گھر چلی جائے گی اور اگر دونوں دوبارہ اکٹھے رہنا چاہیں تو انہیں نیا نکاح کرنا ہو گا۔ اگر عورت عدت کے بعد اپنے گھر چلی جائے تو پھر عورت کا خرچہ شوہر کے ذمہ

باقی نہیں رہتا الا کہ عورت حاملہ ہو۔ اگر عورت کو نکاح کے بعد ہم بستری کیے بغیر طلاق دی گئی ہو تب بھی شوہر کو رجوع کا حق نہیں ہوتا کیونکہ ایسی عورت کی کوئی عدت ہی نہیں ہوتی لہٰذا اس صورت میں عورت نکاح کے فوراً بعد شوہر سے جدا ہو جائے گی اور اپنے گھر چلی جائے گی اور اگر وہ دونوں دوبارہ اکٹھے رہنے کے خواہش مند ہوں تو انہیں نیا نکاح کرنا ہو گا۔

- واضح رہے کہ اگر کوئی شخص غصہ میں آکر اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کہہ دیتا ہے یا یوں کہتا ہے کہ تمہیں میری طرف سے تین طلاقیں تو ایک ہی طلاق واقع ہو گی اور وہی احکام لاگو ہوں گے جو مذکورہ بالا سطور میں پہلی طلاق کے ضمن میں بیان کیے گئے ہیں۔

دوسری طلاق

پہلی طلاق کے بعد اگر شوہر عدت کے اندر رجوع کر لے یا عدت پوری ہو جانے کی صورت میں نیا نکاح کر لے تو پھر دوبارہ کبھی حالات کی کشیدگی کے باعث طلاق کی نوبت پیش آ جائے تو اب یہ دی جانے والی طلاق ''دوسری طلاق'' کہلائے گی۔ اس طلاق کے بعد بھی وہی احکام لاگو ہوں گے جو پہلی طلاق کے بعد لاگو ہوتے ہیں۔

دوسری طلاق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ شوہر نے پہلی طلاق کے بعد دورانِ عدت ابھی رجوع نہ کیا ہو اور وہ اپنی بیوی کو دوسری طلاق دے دے۔ اس طلاق کے وقوع کے متعلق ''فضیلۃ الشیخ حافظ عبد المنان نورپوری حفظہ اللہ'' نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ پہلی طلاق کے بعد وقفہ کے ساتھ دی ہوئی دوسری طلاق دوسری ہی ہو جاتی ہے رجوع کے ساتھ ہو خواہ رجوع کے بغیر۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ﴿ **الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ** ﴾ ''طلاق دو مرتبہ ہے۔'' یہ فرمان دونوں طلاقوں کے درمیان رجوع ہونے کے ساتھ مخصوص قرار دینے یا مخصوص ہونے کی کتاب و سنت میں کوئی دلیل نہیں، پھر دونوں طلاقوں کے درمیانی وقفے کی دنوں، راتوں، گھنٹوں اور منٹوں میں تعیین کتاب و سنت میں کہیں وارد نہیں ہوئی البتہ اتنی بات شریعت سے ثابت ہوتی ہے کہ یکبارگی دو یا تین یا زیادہ طلاقیں ایک ہی طلاق شمار کی جائیں گی۔(۱)

(ابن رشدؒ) رقمطراز ہیں کہ اس مسئلے میں امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین کا اختلاف ہے کہ کیا طلاقِ سنی کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کے بعد دورانِ عدت دوسری طلاق نہ دی جائے (یا نہیں)؟ امام مالکؒ

---

(۱) [أحکام و مسائل (ص/ ۳۴۳)]

نے اسے شرط قرار دیا ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ اگر وہ ہر طہر میں ایک طلاق دیتا ہے (اور اس طرح رجوع کے بغیر ہی تین طلاقیں پوری کرتا ہے) تو یہ طلاقِ سنی ہی ہے۔ اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ کیا اس (رجوع سے پہلے دوسری) طلاق کی شرائط میں یہ بات شامل ہے کہ یہ حالتِ زوجیت میں رجوع کے بعد دی جائے یا یہ شرط نہیں ہے؟ پس جس نے کہا ہے کہ یہ شرط ہے اس کا کہنا ہے کہ (پہلی طلاق کے بعد) عدت میں دوسری طلاق نہ دی جائے اور جس نے کہا ہے کہ یہ شرط نہیں ہے اس کے نزدیک عدت میں (رجوع کے بغیر ہی دوسری) طلاق دینا جائز ہے۔ تاہم اس (رجوع کے بغیر دوسری) طلاق کے واقع ہونے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں (یعنی بالاتفاق یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے قطع نظر اس سے کہ ایسی حالت میں یہ طلاق دینا جائز ہے یا نہیں)۔(۱)

(ابن تیمیہؒ) رجعی طلاق یافتہ کو (مزید ایک اور) طلاق لاحق نہیں ہوتی اگرچہ وہ عدت میں ہی ہو کیونکہ رجوع سے قبل رجعی طلاق یافتہ کو طلاق بھیجنا حرام ہے۔(۲)

(راجح) حافظ عبدالمنان نورپوری حفظہ اللہ کا موقف ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

۶۔ یاد رہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دی' اس کی عدت گزر جانے کے بعد دوسری اور تیسری طلاق دیتا ہے تو پہلی طلاق کی عدت گزر جانے کے بعد دی ہوئی دوسری اور تیسری دونوں طلاقیں واقع نہیں ہوں گی کیونکہ پہلی طلاق کی عدت گزر جانے پر وہ عورت اس شخص کے نکاح میں نہیں رہی' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ﴾ [البقرة : ۲۳۲]

''اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں۔''(۳)

تیسری طلاق

دو طلاقیں دے کر رجوع یا نکاح ثانی کر لینے کے بعد اگر پھر طلاق کی ضرورت پیش آجائے تو یہ

---

(۱) [بداية المجتهد (۲/۱۰۸)]

(۲) [الأخبار العلمية من الاختيارات الفقهية (ص / ۳٦۸)]

(۳) [أحكام [illegible] (ص/ ۳٤۳)]

طلاق تیسری طلاق ہے۔اس کے بعد شوہر کو رجوع کا حق باقی نہیں رہے گا اور عورت فوری طور پر شوہر سے جدا ہو جائے گی اور اس وقت تک اس کے لیے حلال نہیں ہو گی جب تک وہ کسی اور مرد سے شرعی نکاح نہ کر لے اور پھر وہ اسے اپنی رضامندی سے زندگی میں کبھی بھی کسی معقول سبب کی بنیاد پر طلاق نہ دے دے۔واضح رہے کہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہونے کے لیے حلالہ کرانا صرف ناجائز ہی نہیں بلکہ حرام فعل ہے۔ تیسری طلاق کی صورت میں شوہر پر نہ تو بیوی کا نفقہ واجب رہتا ہے اور نہ رہائش۔ہاں اگر عورت حاملہ ہو تو اور بات ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ''اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو حتی کہ وہ اپنے حمل وضع کر لیں۔''

کیا طلاق دینے کے لیے دو گواہوں کی تقرری ضروری ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ﴾ [الطلاق : ٢]

''پس جب یہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں یا تو قاعدہ کے مطابق اپنے نکاح میں رہنے دو یا دستور کے مطابق انہیں الگ کر دو اور آپس میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ کر لو اور اللہ کی رضامندی کے لیے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔''

اس آیت کے متعلق جمہور علماء کا کہنا ہے کہ اس میں دو گواہوں کی موجودگی کا جو حکم دیا ہے وہ استحباب پر مبنی ہے یعنی طلاق کے وقت دو عادل گواہوں کی موجودگی بہتر ہے واجب یا شرط نہیں' ان کے بغیر دی گئی طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔

(مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ، ابو حنیفہؒ) سب اسی کے قائل ہیں (البتہ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ سے ایک ایک روایت یہ بھی ہے کہ گواہوں کی موجودگی ضروری ہے)۔(۱)

(سید سابقؒ) جمہور فقہائے سلف و خلف کا مذہب یہ ہے کہ بغیر گواہوں کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ طلاق مرد کے حقوق سے ہے اور اسے اس حق کے استعمال کے لیے گواہوں کی ضرورت نہیں۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ایسی کوئی بات مروی نہیں جس سے گواہ مقرر کرنے

---

(۱) [تفسیر أحکام القرآن لابن العربی (٢٠٧/٤)]

کی مشروعیت ثابت ہوتی ہو۔(۱)

جن حضرات کا کہنا ہے کہ طلاق دیتے وقت دو عادل گواہوں کی موجودگی واجب ہے ان کے دلائل میں سے درج ذیل روایت بھی ہے:

﴿أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثُمَّ يَقَعُ بِهَا وَلَمْ يُشْهِدْ عَلَى طَلَاقِهَا وَلَا عَلَى رَجْعَتِهَا فَقَالَ طَلَّقْتَ لِغَيْرِ سُنَّةٍ وَرَاجَعْتَ لِغَيْرِ سُنَّةٍ أَشْهِدْ عَلَى طَلَاقِهَا وَعَلَى رَجْعَتِهَا وَلَا تَعُدْ﴾

"حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے' پھر اس سے ہم بستری کرتا ہے اور نہ تو طلاق پر گواہ بناتا ہے اور نہ ہی رجوع پر۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے سنت کے بغیر طلاق دی اور سنت کے بغیر رجوع کیا' اپنی طلاق اور اپنے رجوع پر گواہ مقرر کرو' آئندہ ایسا مت کرنا۔"(۲)

(شوکانیؒ) اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس مسئلے (یعنی گواہ مقرر کرنے کے وجوب) میں مذکورہ اثر سے دلیل پکڑنا درست نہیں کیونکہ یہ قولِ صحابی ایسے حکم کے متعلق ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے اور جو قول اس طرح کا ہو وہ (اثباتِ وجوب کے لیے) حجت نہیں۔

مزید فرماتے ہیں کہ عدمِ وجوب کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ طلاق میں گواہ بنانے کے عدمِ وجوب پر اجماع منعقد ہو چکا ہے جیسا کہ موزعیؒ نے "تیسیر البیان" میں بیان کیا ہے اور رجوع بھی طلاق کا ساتھی ہے اس لیے جس طرح طلاق میں گواہوں کی تقرری واجب نہیں اسی طرح رجوع میں بھی واجب نہیں۔(۳)

(شمس الحق عظیم آبادیؒ) درج بالا حدیث کی شرح میں انہوں نے بھی صرف مذکورہ امام شوکانیؒ کا قول ہی نقل فرمایا ہے۔ مزید کسی رائے کا اظہار نہیں کیا' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا رجحان بھی اسی

---

(۱) [فقه السنة (۲۷۲/۲)]

(۲) [صحيح : ارواء الغليل (۲۰۷۸) ابوداود (۲۱۸۶) كتاب الطلاق : باب الرجل يراجع ولا يشهد ' ابن ماجه (۲۰۲۵) كتاب الطلاق : باب الرجعة ' بيهقى (۳۷۳/۷) طبرانى كبير (۱۳۰/۱۸) ' (۲۷۱) شیخ عبداللہ بسامؒ فرماتے ہیں کہ یہ موقوف روایت سنداً صحیح ہے۔[كما فى توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۵۲۲/۵)]

(۳) [نيل الأوطار (۳۴۹/۴)]

جانب ہے۔(۱)

ارکانِ طلاق

❶ مکلّف شوہر: مراد یہ ہے کہ طلاق صرف شوہر دے سکتا ہے کوئی اور نہیں اور شوہر بھی ایسا جو عاقل وبالغ ہو' خود مختار ہو اور اسے طلاق پر مجبور نہ کیا گیا ہو۔

❷ بیوی: مراد ایسی بیوی ہے جو شرعی طور پر شوہر کے رشتہ ازدواج سے منسلک ہو' یعنی وہ طلاق یا فسخ نکاح کے ذریعے شوہر سے جدا نہ ہو چکی ہو' اسی طرح اسے تین طلاقیں بھی نہ ہو چکی ہوں یا اگر ایک طلاق ہوئی ہے تو اس کی عدت پوری نہ ہوئی ہو کیونکہ اگر ایسا ہوا تو پھر عورت شوہر کی بیوی ہی نہیں اور جب بیوی ہی نہیں تو پھر طلاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں بھی ہے کہ ''جس چیز کا انسان مالک ہی نہیں اسے طلاق دینے کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔'' [ابن ماجة (۲۰٤۷)]

❸ نیت کے ساتھ طلاق کے صریح یا کنائی الفاظ: مراد یہ ہے کہ شوہر کی طلاق دینے کی نیت ہو اور پھر وہ واضح الفاظ میں کہے کہ میں نے تمہیں طلاق دی یا اشارے کنائے سے ہی کہہ دے مثلاً یہ کہ تو اپنے گھر چلی جا' یا میرے گھر سے نکل جا' مجھے ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے وغیرہ وغیرہ۔ یاد رہے کہ اگر لفظوں میں طلاق کا اظہار نہیں کرے گا تو طلاق واقع نہیں ہوگی خواہ کئی سالوں تک طلاق کی نیت دل میں چھپائے رکھے۔ کیونکہ حدیث میں فرمانِ نبوی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل کے وسوسے (پر گرفت ومؤاخذہ) سے درگزر فرمادیا ہے اور یہ اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کوئی عمل نہ کرے یا زبان سے نہ کہے۔'' [بخاری (۵۲٦۹)]

اقسامِ طلاق

اہل علم نے طلاق کو درج ذیل انواع میں تقسیم کیا ہے:

1- طلاقِ سنی
2- طلاقِ بدعی
3- طلاقِ رجعی

7- فوری طلاق
8- معلق طلاق
9- طلاق بالوکالہ

---

(۱) [عون المعبود (تحت الحدیث / ۲۱۸٦)]

4- طلاقِ بائن
5- طلاقِ صریح
6- طلاق بالکنایہ
10- طلاق بالکتابہ
11- طلاقِ تحریم
12- طلاقِ حرام

مذکورہ بالا تمام اقسامِ طلاق کی تفصیل آئندہ باب "طلاق کی اقسام کا بیان" کے تحت آئے گی۔

کس عورت پر طلاق واقع ہوتی ہے؟

عورت پر صرف درج ذیل صورتوں میں ہی طلاق واقع ہوتی ہے:

- جب اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان حقیقی زوجیت قائم ہو۔
- جب وہ طلاقِ رجعی کی عدت میں ہو (کیونکہ اس صورت میں بھی حکماً وہ اس کی بیوی ہی ہے)۔

کس عورت پر طلاق واقع نہیں ہوتی؟

جس عورت میں مذکورہ بالا دونوں شرائط نہ پائی جاتی ہوں مثلاً یہ کہ کسی عورت اور مرد کے درمیان حقیقی زوجیت کا رشتہ سرے سے قائم ہی نہ ہوا یا اگر قائم تھا تو طلاقِ بائن (یعنی تیسری طلاق وغیرہ) کی وجہ سے کلیۃً ختم ہو چکا ہو یا عورت رجعی طلاق کی عدت پوری کر چکی ہو تو اب اسے مرد کی طرف سے کوئی طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ اب وہ اس کی نہ تو حقیقی بیوی ہے اور نہ ہی حکمی' لٰہذا اب اسے یہ کہنا کہ "تجھے طلاق ہے" محض ایک لغو جملے کے اور کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

طلاق دینے کا حق صرف مرد کو ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ سَيِّدِي زَوَّجَنِي أَمَتَهُ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنِي وَبَيْنَهَا قَالَ فَصَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمِنْبَرَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَا بَالُ أَحَدِكُمْ يُزَوِّجُ عَبْدَهُ أَمَتَهُ ثُمَّ يُرِيدُ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَهُمَا "إِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ"﴾

"ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بلاشبہ میرے سردار نے اپنی لونڈی سے میرا نکاح کیا تھا اور اب وہ میرے اور اس کے درمیان تفریق کرانا چاہتا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور کہا' اے لوگو! تمہارے ایک کی کیا

حالت ہے کہ وہ اپنے غلام کا اپنی لونڈی سے نکاح کرتا ہے' پھر ان کے درمیان تفریق کرانا چاہتا ہے (حالانکہ) طلاق صرف اس کا حق ہے جس نے پنڈلی کو تھام رکھا ہے۔''(۱)

(ابن قیمؒ) طلاق دینے کا حق صرف اسی کو ہے جس نے نکاح کیا ہے (یعنی شوہر کو) کیونکہ رجوع کا حق بھی اسی کو ہے۔(۲)

صرف مرد کو حق طلاق دینے کی حکمت

(سید سابقؒ) اسلام نے طلاق کو صرف اکیلے مرد کا ہی حق قرار دیا ہے کیونکہ وہ اس شادی کو باقی رکھنے پر زیادہ حریص ہوتا ہے جس کے لیے اس نے مال خرچ کیا ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر وہ عورت کو طلاق دے دے اور نئے نکاح کا قصد کرے تو اسے اتنا یا اس سے زیادہ مال (دوبارہ) خرچ کرنا پڑے گا۔ اس پر یہ بھی لازم ہوتا ہے کہ وہ عورت کو حق مہر کا حصہ دے' طلاق کا مالی فائدہ (یعنی اپنی بساط کے مطابق متعہ) دے اور دورانِ عدت بھی اس پر خرچ کرے۔ وہ ان وجوہات کی بنا پر اور اپنے مزاج وعقل کے تقاضے کے باعث عورت کی ناپسندیدہ باتوں پر زیادہ صبر کرتا ہے۔ جب بھی اسے غصہ آتا ہے وہ طلاق کے لیے جلدی نہیں کرتا اور نہ ہی کسی تکلیف کے وقت اسے برداشت کرنا اس پر زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

جبکہ عورت اس کی نسبت غصہ میں جلد باز اور برداشت میں کم ہوتی ہے۔ طلاق کے نتائج اور پھر نئے اخراجات کے حوالے سے اس پر وہ کچھ لازم نہیں ہوتا جو کچھ مرد پر لازم ہوتا ہے۔ کسی معمولی سبب کی بنیاد پر بھی وہ عقدِ زوجیت کو ختم کرنے کے لیے فوراً تیار ہو جاتی ہے۔ اگر عورت کو (طلاق کا) حق دے دیا جائے تو بسا اوقات وہ اس بنیاد پر بھی یہ حق استعمال کر سکتی ہے کہ جسے کوئی سبب شمار ہی نہ کیا جاتا ہو۔ اس آخری علت کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ انگریز نے جب حق طلاق مردوں اور عورتوں کو مساوی طور پر دے دیا تو ان کے ہاں شرح طلاق بڑھ گئی اور مسلمانوں کی نسبت اس میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔(۳)

(سعودی مجلس افتاء) اللہ تعالیٰ نے عظیم حکمتوں کی بنا پر حق طلاق صرف شوہر کے ہاتھ میں رکھا ہے' ان حکمتوں میں سے چند ایک کا ذکر حسب ذیل ہے:

---

(۱) [حسن : صحیح الجامع الصغیر (۳۹۵۸) ارواء الغلیل (۲۰۴۱) ابن ماجہ (۲۰۸۱) کتاب الطلاق : باب طلاق العبد]

(۲) [التعلیق علی فقه السنة للسید سابق (۲۷۲/۲)]

(۳) [فقه السنة (۲۶۵/۲)]

مرد قوتِ عقل وارادہ' وسعتِ ادراک اور اُمور کے نتائج و عواقب تک رسائی حاصل کرنے میں عورت پر حاوی ہے' عورت اس طرح نہیں ہے۔

مرد خرچ کا ذمہ دار ہے' اپنے گھر میں داروغہ و نگہبان ہے' امر و نہی کرنے والا ہے' گھر کا ستون اور اپنے خاندان کی کفالت کرنے والا ہے۔

مہر شوہر کے ذمہ واجب ہے لہٰذا حق طلاق اسی کے ہاتھ میں دیا گیا ہے تاکہ عورت طمع ولالچ میں نہ پڑ جائے۔ (اگر حق طلاق عورت کے ہاتھ میں ہوتا تو) وہ شادی کرتی' مہر وصول کرتی اور دوسرا مہر حاصل کرنے کے لیے اس شوہر کو طلاق دے دیتی (تاکہ کسی اور سے نکاح کر کے اس سے مہر حاصل کرے) اور یہ چیز شوہر کے لیے نقصان کا باعث تھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اسی جانب متنبہ فرمایا ہے:

﴿ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء بِمَا فَضَّلَ اللّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ ﴾ [النساء : ٣٤]

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں' اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے اموال خرچ کیے ہیں۔'' (١)

اگر حق طلاق مرد کی طرح عورت کو بھی دے دیا جاتا تو لامحالہ طلاق کی شرح میں ناقابل یقین حد تک اضافہ ہو جاتا' کیونکہ عورت مرد کی بہ نسبت جلد غصہ میں آجاتی ہے' جلد ناراض ہو جاتی ہے۔ عورت کے سریع الغضب ہونے اور جلد ناراض ہو جانے کی ایک مثال حدیث میں یوں موجود ہے:

﴿لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ﴾

''تم ایک عورت کے ساتھ عمر بھر احسان کرتے رہو لیکن اگر وہ کسی وقت تم سے کوئی معمولی بات بھی (خلافِ طبیعت) دیکھ لے گی تو فوراً کہہ اٹھے گی' میں نے تو تیرے ہاں کبھی سکھ دیکھا ہی نہیں۔'' (٢)

اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو طلاق دے دے تو کیا اس پر کوئی کفارہ ہے؟

(سعودی مجلس افتاء) اگر عورت اپنے شوہر کو طلاق دے دے تو طلاق واقع نہیں ہو گی اور نہ ہی اس پر کوئی کفارہ ہے۔ البتہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے۔ کیونکہ اس کی طرف سے اپنے شوہر پر طلاق کا وقوع

---

(١) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٩/٢٠)]

(٢) [بخاري (٥١٩٧) كتاب النكاح : باب كفران العشير]

شرعی دلائل کے خلاف ہے۔ بلاشبہ شرعی دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ طلاق صرف شوہر کے ہاتھ میں ہو یا اس شخص کے ہاتھ میں جو شرعاً شوہر کا قائم مقام ہو۔(۱)

نکاح سے پہلے طلاق دینے کا حکم

(1) حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا طَلَاقَ قَبلَ نِكَاحٍ﴾

"نکاح سے پہلے طلاق نہیں۔"(۲)

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ﴾

"نکاح سے پہلے طلاق نہیں۔"(۳)

(3) عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا طَلَاقَ فِيمَا لَا تَمْلِكُ﴾

"جس چیز کے آپ مالک نہیں اس میں کوئی طلاق نہیں۔"(۴)

(4) امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے کہ ((لَا طَلَاقَ قَبلَ النِّكَاحِ))"نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی۔" اس باب کے تحت یہ آیت نقل کی ہے ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوْا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ......﴾ "اے ایمان والو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرلو پھر (انہیں چھونے سے پہلے ہی) طلاق دے دو۔" پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد رکھا ہے۔"(۵)

(شافعیؒ، احمدؒ) نکاح سے پہلے کسی قسم کی کوئی طلاق نہیں ہوتی۔

(مالکؒ) اگر معین عورت کے متعلق کہا جائے کہ اگر میرا فلاں عورت سے نکاح ہوا تو اسے طلاق ہے تو اس

---

(۱) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۲۰/۱۱)]

(۲) [حسن صحيح : صحيح ابن ماجة (۱٦٦۷) كتاب الطلاق : باب لا طلاق قبل النكاح ' ابن ماجة (۲۰٤۸) صحيح الجامع الصغير (۷۵۲۳) ارواء الغليل (۲۰۷۰)]

(۳) [صحيح : صحيح ابن ماجة (۱٦٦۸) كتاب الطلاق : باب لا طلاق قبل النكاح ' ابن ماجة (۲۰٤۹)]

(٤) [حسن صحيح : صحيح ابن ماجة (۱٦٦٦) كتاب الطلاق : باب لا طلاق قبل النكاح ' ابن ماجة (۲۰٤۷)]

(۵) [بخاري (بعد الحديث / ۵۲٦۸) كتاب الطلاق]

سے نکاح ہوتے ہی طلاق ہو جائے گی۔

(ابو حنیفہؒ) عورت معین ہو یا مطلق دونوں صورتوں میں طلاق ہو جائے گی۔(۱)

(راجح) گزشتہ صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ طلاق صرف نکاح کے بعد ہی ہو سکتی ہے پہلے نہیں۔

(شوکانیؒ) اسی کو برحق قرار دیتے ہیں۔(۲)

(سعودی مجلس افتاء) عقدِ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ طلاق صرف شوہر کی طرف سے ہی درست ہوتی ہے اور ایسا منگیتر جس کے ساتھ ابھی نکاح منعقد نہیں ہوا' شوہر نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کی (دی ہوئی) طلاق بھی درست نہیں۔(۳)

غلام کی طلاق کا حق مالک کو نہیں

جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بلاشبہ میرے سردار نے اپنی لونڈی سے میرا نکاح کیا تھا اور اب وہ میرے اور اس کے درمیان تفریق کرانا چاہتا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور کہا' اے لوگو! تمہارے ایک کی کیا حالت ہے کہ وہ اپنے غلام کا اپنی لونڈی سے نکاح کرتا ہے' پھر ان کے درمیان تفریق کرانا چاہتا ہے (حالانکہ) طلاق صرف اس کا حق ہے جس نے پنڈلی کو تھام رکھا ہے۔''(٤)

(علامہ سندیؒ) مذکورہ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ 'مراد یہ ہے کہ طلاق صرف اس شوہر کا حق ہے جس نے عورت کی پنڈلی کو تھام رکھا ہے' (غلام کے) مالک کا حق نہیں۔(٥)

(ابن حزمؒ) غلام کی طلاق اسی کے ہاتھ میں ہے اس کے مالک کے ہاتھ میں نہیں۔(٦)

---

(۱) [المحلى (۱۰/۲۰٦) المبسوط (٦/۱۲۷) حلية العلماء في معرفة مذاهب الفقهاء (۷/۸) نيل الأوطار (٤/۳۳٥)]

(۲) [نيل الأوطار (٤/۳۳٥)]

(۳) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۲۰/۱۹۱)]

(٤) [حسن : صحيح الجامع الصغير (۳۹٥۸)]

(٥) [حاشية سندى 'على ابن ماجه (تحت الحديث / ۲۰۸۱)]

(٦) [المحلى بالآثار (۹/٥۰۲)]

غلام کی طلاقوں کی تعداد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

﴿ يَنْكِحُ الْعَبْدُ امْرَأَتَيْنِ وَيُطَلِّقُ تَطْلِيقَتَيْنِ ...... ﴾

"غلام دو عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اور دو طلاقیں دے سکتا ہے۔" (۱)

(شافعیؒ، مالکؒ، احمدؒ) غلام صرف دو طلاقوں کا ہی مالک ہے خواہ اس کی بیوی آزاد ہو یا لونڈی۔

(ابو حنیفہؒ) طلاق کا تعلق عورت سے ہے' اگر عورت آزاد ہو گی تو اسے تین طلاقیں دی جائیں گی اور اگر لونڈی ہو گی تو اسے دو طلاقیں دی جائیں گی۔(۲)

امام ابو حنیفہؒ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے:

﴿ طَلَاقُ الْأَمَةِ اثْنَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ ﴾ "لونڈی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے۔"

لیکن یہ روایت ضعیف ہونے کی وجہ سے ناقابل حجت ہے۔(۳)

مریض کی طلاق

• مریض کی طلاق تندرست آدمی کی طلاق کی طرح ہے ان (دونوں کی طلاق) میں کوئی فرق نہیں۔

کیونکہ کتاب و سنت میں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں جو ان کی طلاق میں فرق ثابت کرتی ہو۔(٤)

کوئی عیب نکل آنے کی صورت میں طلاق

اگر شادی کے بعد لڑکے یا لڑکی میں کوئی ایسا عیب ظاہر ہو جس کی وجہ سے دونوں کے نکاح کو برقرار رکھنا کسی ایک پر ظلم وزیادتی کا موجب ہو مثلاً مرد اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو' یا قوتِ مردمی سے محروم ہو

---

(۱) [صحیح : إرواء الغليل (۲۰٦۷) دارقطنی (۲٤۲/۲) بیہقی (٤۲٥/۷)]

(۲) [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: الأم للشافعی (۳۳۳/٤) المغنی لابن قدامة (٥۳۳/۱۰) بداية المجتهد (٩٤/۲) تحفة الأحوذی (٤۰۲/٤)]

(۳) [ضعیف : ضعیف ابن ماجه ' ابن ماجه (۲۰۷٩) کتاب الطلاق : باب فی طلاق الأمة وعدتها ' ترمذی (۱۱۸۲) کتاب الطلاق و اللعان : باب ما جاء أن طلاق الأمة تطليقتان ' ابو داود (۲۱۸٩) کتاب الطلاق : باب فی سنة طلاق العبد ' دارمی (۱۷۱/۲) کتاب الطلاق : باب فی طلاق الأمة ' دارقطنی (۳۸/٤) بیہقی فی السنن الکبری (۳٦٩/۷) اس روایت کی سند میں عمر بن شبیب اور عطیہ عوفی دونوں راوی ضعیف ہیں۔[کما فی نیل الأوطار (۳۳٤/٤)]

(٤) [مزید دیکھیے: المحلی بالآثار (٤۸٦/٩)]

یا اس کا ذہنی توازن ٹھیک نہ ہو وغیرہ وغیرہ' اسی طرح لڑکی شرمگاہ کے کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جو وظیفہ زوجیت کی ادائیگی میں رکاوٹ ہو یا اسے پاگل پن' برص اور جذام جیسے امراض لاحق ہوں وغیرہ وغیرہ تو لڑکا طلاق کے ذریعے لڑکی سے جدا ہو سکتا ہے اور لڑکی خلع حاصل کر کے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے۔

یاد رہے کہ کسی بھی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ ایسا عیب نکل آنے سے از خود نکاح فسخ ہو جاتا ہے' اس ضمن میں پیش کی جانے والی روایات یا تو بے اصل ہیں یا انتہائی درجہ کی ضعیف ہیں۔

طلاق کے وقت اپنا دیا ہوا مہر وصول کرنا جائز نہیں

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ' وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا﴾ [النساء : ۲۰۔۲۱]

''اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانہ دے رکھا ہو' تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو۔ کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے۔ تم اسے کیسے لو گے حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل (ہم بستری کر) چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے۔''

(ابن عباس رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں' آیت کا مطلب یہ ہے کہ عورت ناپسند ہے' دل نہیں ملا' چھوڑ دینا چاہتا ہے تو اس صورت میں حق مہر وغیرہ کے علاوہ بھی تمام حقوق دینے پڑیں گے۔ اس صورتحال سے بچنے کے لیے اسے ستانا یا طرح طرح سے تنگ کرنا تاکہ وہ خود اپنے حقوق چھوڑ کر چلے جانے پر آمادہ ہو جائے' ایسا رویہ اختیار کرنے سے قرآن کریم نے مسلمانوں کو روک دیا ہے۔(۱)

(ابن العربی ؒ) جب اللہ تعالیٰ نے شوہروں کے لیے فراق (یعنی طلاق) اور نکاح کے ذریعے ایک عورت سے دوسری عورت کی طرف منتقل ہونا جائز قرار دیا تو عورتوں کو طلاق دیتے وقت ان کے حقوق کی ادائیگی کے متعلق بھی اپنے مضبوط دین اور صراطِ مستقیم سے آگاہ فرما دیا۔ حلال طریقے سے ایک ہم بستری دنیا کے سارے مال کے قائم مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شوہروں کو اپنی بیویوں سے مہر وصول کرنے

---

(۱) [کما فی تفسیر ابن کثیر (۶۳۱/۱)]

سے منع فرما دیا کیونکہ اب وہ مہر (ہم بستری کے بعد) ان بیویوں کے لیے واجب ہو چکے ہیں اور ان کے اموال کا حصہ بن چکے ہیں۔(۱)

(شوکانیؒ) زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ یہ ساری آیت محکم ہے اور یہاں مراد خلع لینے والی عورت کے علاوہ (مطلقہ) ہے' اس کے شوہر کے لیے جائز نہیں کہ اس سے کچھ بھی لے جو اس نے اسے دیا ہے۔(۲)

(عبدالرحمن بن سعدیؒ) مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ (شوہروں کے لیے طلاق کے وقت بیویوں سے مہر یا) کچھ بھی وصول کرنا حلال نہیں اگرچہ آپ مختلف قسم کے حیلے بہانے ہی تلاش کر لیں اور بلاشبہ اس کا گناہ واضح ہے۔(۳)

(۲) ایک اور آیت میں ہے کہ

﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُواْ مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا﴾ [البقرة : ٢٢٩]

"تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دے دیا ہو اس میں سے کچھ بھی لو۔"

(شوکانیؒ) اس آیت میں شوہروں کو مخاطب کیا گیا ہے یعنی شوہروں کے لیے اپنی بیویوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ان سے مہر کا کچھ حصہ بھی (طلاق دیتے وقت) وصول کرنا' جو انہوں نے (اگرچہ) خود دیا ہے جائز نہیں۔ مزید اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ چیز لینا جائز نہیں جو انہوں نے خود دی ہے تو اس کے علاوہ کچھ اور لینا بالاولی ممنوع ہے۔(٤)

(ابن العربیؒ) ایک قوم نے تو یہ کہا ہے کہ یہاں مہر مراد ہے (یعنی طلاق کے وقت مہر نہیں لے سکتا اور کچھ اگر لینا چاہے تو لے سکتا ہے) مگر میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ (مہر اور اس کے علاوہ) ہر وہ چیز جو اس نے اسے دے رکھی ہے (طلاق کے وقت کچھ بھی نہیں لے سکتا)۔ مہر اگرچہ مشروط عطیہ ہے مگر اس کے بعد بھی جو کچھ اس نے اسے دیا ہے وہ (حکم میں) اسی کی مثل ہوگا۔(٥)

(ابن کثیرؒ) جب طلاق کا ارادہ ہو تو عورت کو تنگ کرنا یا اس پر سختی کرنا تاکہ وہ اپنا حق (مہر وغیرہ) چھوڑ کر

---

(۱) [تفسیر أحکام القرآن لابن العربی (۱/۳۸۸)]

(۲) [تفسیر فتح القدیر للشوکانی (۱/٥٦٦)]

(۳) [تیسیر الکریم الرحمن (۱/۱۹۸)]

(٤) [ملخصا تفسیر فتح القدیر للشوکانی (۱/۳۱۰)]

(٥) [تفسیر أحکام القرآن لابن العربی (۱/٤٦٧)]

طلاق پر آمادگی ظاہر کرے' یہ مردوں پر حرام ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ "عورتوں کو تنگ نہ کرو تاکہ انہیں دیئے ہوئے میں سے کچھ لے لو' ہاں یہ اور بات ہے کہ عورت اپنی خوشی سے کچھ دے کر طلاق طلب کرے۔" جیسا کہ فرمایا ہے کہ "اگر عورتیں اپنی راضی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو بے شک وہ تمہارے لیے حلال وپاکیزہ ہے۔" (۱)

طلاق اور مہر کے چند مختلف مسائل

- اگر نکاح سے پہلے حق مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور پھر نکاح کے بعد شوہر ہم بستری کیے بغیر ہی عورت کو طلاق دے دے تو پھر مرد پر عورت کو حق مہر دینا واجب نہیں۔ لیکن پھر بھی اسے چاہیے کہ حسب توفیق کچھ نہ کچھ عورت کو دے دے۔
- اگر نکاح سے پہلے حق مہر مقرر کیا گیا ہو اور پھر نکاح کے بعد شوہر ہم بستری کیے بغیر عورت کو طلاق دے دے تو مرد پر نصف مہر کی ادائیگی واجب ہے۔
- اگر نکاح سے پہلے حق مہر مقرر کیا گیا ہو اور پھر نکاح کے بعد شوہر ہم بستری کر کے عورت کو طلاق دے دے تو اس پر مکمل حق مہر کی ادائیگی واجب ہے۔
- اگر شوہر ہم بستری کر کے طلاق دے مگر مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو پھر اس پر عورت کو مہر مثل یعنی اتنا مہر جو عورت کے خاندان میں عام رائج ہے' ادا کرنا لازم ہے۔

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿لاَّ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاء مَا لَمْ تَمَسُّوهُنُّ أَوْ تَفْرِضُواْ لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدْرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ٭ وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إَلاَّ أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَن تَعْفُواْ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلاَ تَنسَوُاْ الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ [البقرة: ۲۳۶۔۲۳۷]

"اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کیے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں' ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ دو۔ خوش حال آدمی اپنی طاقت کے مطابق اور غریب آدمی اپنی طاقت کے مطابق

(۱) [تفسیر ابن کثیر (۵٤۷/۱)]

معروف طریقے سے اچھا فائدہ دے' بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے۔اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو' یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے' تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے اور آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔"

(2) سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان موجود ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا﴾ [الأحزاب : ٤٩]

"اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو' پھر انہیں چھونے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہارا کوئی عدت کا حق نہیں جسے تم شمار کرو' پس تم انہیں کچھ نہ کچھ دے دو اور اچھے طریقے سے انہیں رخصت کر دو۔"

(3) ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا﴾ [البقرة : ٢٢٩]

"اور تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دیا ہے اس میں سے کچھ بھی لو۔"

(4) سورۂ نساء میں ہے کہ:

﴿وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ [النساء : ٢٠]

"اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانہ دے رکھا ہو' تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو' کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے' تم اسے کیسے لو گے۔"

اپنی مطلقہ بیوی سے ملاقات کرنا جبکہ وہ عدت پوری کر چکی ہو

(سعودی مجلس افتاء) کسی نے دریافت کیا کہ 'کیا طلاق دینے والے شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی طلاق یافتہ بیوی کے پاس بیٹھے جبکہ اس سے اس کی اولاد بھی ہو جو اپنی ماں کے ساتھ ہی رہ رہی ہو اور ان کا باپ اپنی اولاد کی زیارت کے لیے جائے اور دورانِ زیارت کیا اس کی طلاق یافتہ بیوی کا اسی کمرے میں اس کے

ساتھ بیٹھنا درست ہے؟

مجلس افتاء نے جواب دیا کہ

طلاق یافتہ عورت خواہ مطلقہ بائنہ ہو یا رجعیہ' جب وہ اپنے شوہر کی عدت سے نکل چکی ہے تو اب اس کا شوہر اس کے لیے اجنبی مردوں کی طرح ہی ہے' اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کے ساتھ تنہائی اختیار کرے۔ البتہ اس سے کلام حرام نہیں اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی ایسی جگہ پر اکٹھے ہونا حرام ہے جہاں اس کا کوئی محرم رشتہ دار بھی موجود ہو۔(۱)

والدین کے حکم پر طلاق

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

﴿كَانَتْ تَحْتِي امْرَأَةٌ أُحِبُّهَا وَكَانَ أَبِي يَكْرَهُهَا فَأَمَرَنِي أَبِي أَنْ أُطَلِّقَهَا فَأَبَيْتُ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ طَلِّقْ امْرَأَتَكَ﴾

''میری ایک بیوی تھی' میں اس سے (بے حد) محبت کرتا تھا (لیکن) میرے والد اسے ناپسند کرتے تھے لہٰذا میرے والد نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے طلاق دے دوں۔ میں نے انکار کر دیا۔ پھر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے عبداللہ بن عمر! اپنی عورت کو طلاق دے دو۔''(۲)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) اس حدیث میں واضح دلیل موجود ہے کہ اگر والد حکم دے تو آدمی پر اپنی بیوی کو طلاق دینا واجب ہے خواہ وہ اس سے (کتنی ہی) محبت کرتا ہو...... ماں کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ اس کا درجہ والد سے بھی زیادہ ہے۔(۳)

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(راجح) والدین دو صورتوں میں ہی طلاق کا حکم دیں گے۔

---

(۱) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۱۹/۲۰)]

(۲) [حسن: صحیح ترمذی (۹۵۰) کتاب الطلاق واللعان: باب ما جاء فی الرجل یسئاله أبوه أن یطلق زوجته' ترمذی (۱۱۸۹) ابن ماجة (۲۰۸۸) ابو داود (۵۱۳۸) أحمد (۲۰/۲) ابن حبان (٤۲٦) امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

(۳) [تحفة الأحوذی (٤۱۲/٤)]

(٤) [نیل الأوطار (۳۱۳/٤)]

① یا تو والد کوئی شرعی سبب بیان کرے گا کہ تمہاری بیوی اخلاقی حوالے سے درست نہیں' غیر مردوں سے میل جول رکھتی ہے یا غلط قسم کی سوسائٹی میں اٹھتی بیٹھتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو ایسی صورت میں بیٹے پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔

② یا بغیر کسی شرعی سبب کے محض بیٹے کی اپنی بیوی سے بے پناہ محبت دیکھ کر طلاق کا حکم دے گا کہ یہ بیوی سے اتنی محبت کیوں کرتا ہے ہم سے اتنی محبت کیوں نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔ تو ایسی صورت میں طلاق دینا ضروری نہیں۔ بالخصوص جب اس کی بیوی دینی و اخلاقی اعتبار سے بھی درست ہو۔

(شیخ عثیمین رحمہ اللہ) انہوں نے اسی کے مطابق فتوی دیا ہے۔(۱)

(احمد رحمہ اللہ) ایک آدمی نے ان سے آکر کہا کہ میرے والد نے مجھے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ تم اسے طلاق مت دو۔ اس آدمی نے کہا کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حکم نہیں دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے جب عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس کا حکم دیا تھا؟ تو امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: ((هَلْ أَبُوكَ مِثْلُ عُمَرَ؟)) "کیا تمہارا باپ عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ہے؟"(۲)

لہٰذا اس حدیث کے متعلق یہی کہنا مناسب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی خاص مصلحت و حکمت کے تحت اپنے بیٹے کو طلاق کا حکم دیا ہو گا۔ علاوہ ازیں مسند احمد کی ایک روایت سے بھی یہ اشارہ ملتا ہے جیسا کہ اس میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسی عورت سے نکاح کر رکھا ہے ﴿ قَدْ كَرِهْتُهَا لَهُ ﴾ "جسے میں اس کے لیے ناپسند کرتا ہوں۔"(۳)

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے احمد عبدالرحمٰن البناء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ 'ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو اس لیے ناپسند کیا کیونکہ ان کے خیال میں وہ ان کے بیٹے کے لیے موزوں نہیں تھی اور اس معاملے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضرور کسی مصلحت کو ملحوظ رکھا ہو گا بالخصوص اس لیے کہ آپ الہامِ الٰہی کے بھی حامل تھے۔(٤)

نیز ابراہیم علیہ السلام نے جو اسماعیل علیہ السلام کو اپنے دروازے کی چوکھٹ بدلنے (یعنی اپنی بیوی کو طلاق دینے)

---

(۱) [فتاوی المرأة المسلمة (۲/۷٥٦)]

(۲) [أيضا]

(۳) [أحمد (۲/٤۲)]

(٤) [الفتح الرباني (۱۷/٤)]

کا حکم دیا تھا اس کا بھی ایک خاص سبب تھا۔ وہ یہ کہ وہ عورت شکر گزار نہ تھی۔(۱)

(سعودی مجلس افتاء) اگر آپ کی بیوی کے احوال درست ہیں' آپ اس سے محبت کرتے ہیں' وہ آپ کی والدہ کی نافرمانی بھی نہیں کرتی' آپ کی والدہ محض ذاتی ناپسندیدگی کی بنا پر آپ کو اسے طلاق دینے پر مجبور کرتی ہے تو آپ پر اس معاملے میں اپنی والدہ کی اطاعت ضروری نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ ''اطاعت صرف معروف میں ہے۔'' آپ پر لازم ہے کہ اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں' اس کے ساتھ صلہ رحمی کریں اور حسب استطاعت اسے راضی کرنے کی کوشش کریں مگر اپنی بیوی کو طلاق نہ دیں۔(۲)

کیا شادی شدہ کے زنا کرنے سے اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے؟

(شیخ ابن بازؒ) کسی نے دریافت کیا کہ جب ایک شخص زنا کرے اور وہ شادی شدہ ہو تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے......؟

شیخ نے جواب دیا کہ

ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر حرام نہیں ہوتا اور ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ لازمی ہے اور توبہ سچی ہو پھر اس کے بعد ایمان صادق اور نیک اعمال کیے جائیں۔ سچی توبہ صرف اس صورت میں ہوگی کہ توبہ کرنے والا وہ گناہ مطلقاً چھوڑ دے۔ گزشتہ فعل پر نادم ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے' اسے بزرگ سمجھتے ہوئے' اس سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے آئندہ وہ کام کبھی نہ کرنے کا پختہ عزم کرے...... ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ﴾ [طٰهٰ : ۸۲]

''جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے کام کرے پھر ہدایت پر قائم رہے تو میں اسے بخشنے والا ہوں۔''

نیز فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾ [التحريم : ۸]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کرو۔''

---

(۱) [بخاری (۳۳٦٤) کتاب أحادیث الأنبیا : باب]

(۲) [ملخصا' فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۳۰/۲۰)]

نیز فرمایا:

﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [النور: ٣١]

"اے ایمان والو! سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

اور زنا بہت بڑی حرام چیز اور بڑے بڑے گناہوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو' ناحق قتل کرنے والوں کو اور زانیوں کو ان کے ان بڑے بڑے جرائم اور قبیح افعال کی وجہ سے قیامت کے دن دُگنے عذاب اور جہنم میں ہمیشہ ذلیل و خوار ہو کر رہنے کی وعید سنائی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ' يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ' إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ [الفرقان: ٦٨-٧٠]

"(اللہ کے بندے وہ ہیں) جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہو وہ بجز حق کے قتل نہیں کرتے' نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اپنے اوپر سخت وبال لائے گا۔ اسے قیامت کے دن دوہرا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلت و خواری کے ساتھ ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں۔"

لہٰذا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے کہ وہ اس عظیم بے حیائی اور اس کے وسائل سے ممکنہ حد تک بچے اور گزشتہ افعال پر سچی توبہ کرنے میں جلدی کرے اور اللہ سچی توبہ کرنے والوں کو معاف فرماتے اور انہیں بخش دیتے ہیں...... اور توفیق دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔" (١)

(١) [فتاویٰ ابن باز' مترجم (١٧٣/١)]

باب انواع الطلاق طلاق کی اقسام کا بیان

سنت اور بدعت کے اعتبار سے طلاق کی اقسام

① طلاقِ سنی ② طلاقِ بدعی

ان دونوں طلاقوں کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے۔

❶ طلاق سنی

ایسے طہر میں ایک طلاق دینا جس میں ہم بستری نہ کی ہو "طلاقِ سنی" کہلاتی ہے۔ مزید وضاحت کے لیے یہ جان لیجئے کہ طلاقِ سنی میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

① حالتِ حیض میں طلاق نہ دی گئی ہو: جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ

﴿أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَتَغَيَّظَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ فَتَطْهُرَ فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ كَمَا أَمَرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ﴾

"انہوں نے اپنی بیوی (آمنہ بنت غفار) کو جبکہ وہ حائضہ تھیں طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ اس پر بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ وہ ان سے (یعنی اپنی بیوی سے) رجوع کر لیں اور اسے اپنے نکاح میں رکھیں حتی کہ جب وہ ایام ماہواری سے پاک ہو جائے' پھر ماہواری آئے اور پھر وہ اس سے پاک ہو' اب اگر وہ طلاق دینا مناسب سمجھیں تو اس کی پاکی (یعنی طہر) کے زمانہ میں ان کے ساتھ ہم بستری سے پہلے طلاق دے سکتے ہیں۔ پس یہی وہ وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے (مردوں کو) حکم دیا ہے کہ اس میں (یعنی حالتِ طہر) میں طلاق دیں۔"(۱)

---

(۱) [بخاری (۴۹۰۸) کتاب تفسیر القرآن : باب وقال مجاهد ان ارتبتم ' مسلم (۱۴۷۱) کتاب الطلاق : باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاها ' ابو داود (۲۱۸۰) کتاب الطلاق : باب فی طلاق السنة ' نسائی (۲۱۳/۶) ابن ماجة (۲۰۱۹) کتاب الطلاق : باب طلاق السنة ' أحمد (۶۴/۲) دارمی (۱۶۰/۲) کتاب الطلاق : باب السنة فی الطلاق ' ابن الجارود (۷۳۶) أبو یعلی (۵۴۴۰) دارقطنی (۶/۴ـ۷) کتاب الطلاق والخلع والایلاء ' بیهقی (۳۲۴/۷) کتاب الطلاق : باب ما جاء فی طلاق السنة وطلاق البدعة]

② حالتِ نفاس میں طلاق نہ دی گئی ہو: کیونکہ نفاس طہر نہیں ہوتا اور حدیث میں ہے کہ حالتِ طہر میں طلاق دی جائے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

﴿مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ ثُمَّ تَطْهُرَ......﴾

"اسے کہو کہ رجوع کرے اور اسے اس وقت تک روک لے کہ طہر شروع ہو جائے پھر ایام ماہواری آئیں پھر طہر شروع ہو جائے (پھر اگر چاہے تو طلاق دے دے)۔"(۱)

(ابن حزمؒ) نفاس والی عورتوں کی طلاق حائضہ عورتوں کی طلاق کی مانند ہی ہے۔(۲)

③ ایسے طہر میں طلاق دی گئی ہو جس میں مرد نے عورت سے مباشرت نہیں کی: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا﴾

"اسے حالتِ طہر میں اس سے ہم بستری سے پہلے طلاق دے۔"(۳)

④ ایسے طہر میں طلاق نہ دے جس سے پچھلے حیض میں اس نے طلاق دی ہو: جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو روک لیں حتی کہ طہر آ جائے پھر حیض آئے اور پھر طہر آ جائے' پھر اس طہر میں طلاق دیں۔(٤)

اگر یہ شرط نہ ہوتی تو نبی کریم ﷺ پہلے حیض کے بعد آنے والے طہر میں ہی طلاق کا حکم دے دیتے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ پہلے طہر میں بھی طلاق دی جا سکتی ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا﴾

"پھر اسے حالتِ طہر میں یا حمل میں طلاق دو۔"(٥)

چونکہ یہاں اول و ثانی طہر کی قید نہیں ہے لہٰذا جب عورت ایامِ ماہواری سے طہارت حاصل کر لے تو

---

(۱) [بخاری (٤٩٠٨) كتاب التفسير : باب سورة الطلاق' مسلم (١٤٧١)]

(۲) [المحلى بالآثار (٤١٠/٩)]

(۳) [أيضا]

(٤) [بخاری (٥٢٥٢)]

(٥) [مسلم (١٤٧١) كتاب الطلاق : باب تحريم طلاق الحائض بغير رضاها]

اس طہر میں اسے طلاق دی جا سکتی ہے۔

راجح بات یہی ہے کہ پہلے طہر میں ہی طلاق دی جائے گی۔ لیکن چونکہ گزشتہ حدیث صحیحین کی ہے اور اس میں کچھ زیادتی ہے لہٰذا اسے بھی قبول کیا جائے گا یعنی جب کسی نے دورانِ حیض عورت کو طلاق دی ہو تو پہلے طہر میں نہیں بلکہ ایک طہر چھوڑ کر دوسرے طہر میں وہ دوبارہ طلاق دے گا اور اگر ایسی صورت نہ ہو تو پہلے طہر میں ہی طلاق دی جائے گی۔

⑤ **صرف ایک طلاق دی جائے:** جیسا کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے والے شخص سے نبی کریم ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور عہدِ رسالت میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں۔(۱)

(بخاریؒ) رقمطراز ہیں کہ

((وَطَلَاقُ السُّنَّةِ أَنْ يُطَلِّقَهَا طَاهِرًا مِنْ غَيْرِ جِمَاعٍ وَيُشْهِدَ شَاهِدَيْنِ))

"سنت کے مطابق طلاق یہ ہے کہ حالتِ طہر میں عورت کو ایک طلاق دے اور اس طہر میں عورت سے ہم بستری نہ کی ہو نیز اس پر دو گواہ بھی مقرر کرلے۔"(۲)

(ابن رشدؒ) علماء نے اجماع کیا ہے کہ جس عورت سے ہم بستری ہو چکی ہو اسے سنت کے مطابق طلاق دینے والا وہ ہے جو اسے ایسے طہر میں ایک طلاق دے جس میں اس نے اس سے ہم بستری نہ کی ہو اور بلاشبہ حیض یا ایسے طہر میں طلاق دینے والا جس میں اس نے بیوی سے ہم بستری کی ہو سنت کے خلاف طلاق دینے والا ہے۔(۳)

(ابن قدامہؒ) مسنون طلاق یہ ہے کہ آدمی ایسے طہر میں عورت کو (ایک) طلاق دے کہ جس میں اس نے عورت سے ہم بستری نہ کی ہو پھر عورت کو چھوڑ دے حتیٰ کہ وہ اپنی عدت پوری کرے۔

(سعودی مجلس افتاء) طلاقِ سنی یہ ہے کہ آدمی عورت کو حالتِ حمل میں یا ایسے طہر میں جس میں اس سے ہم بستر نہ ہوا' طلاق دے۔(٤)

---

(۱) [**صحیح** : صحیح نسائی (۳۱۸۹) إرواء الغلیل (۱۲۲/۷) نسائی (۳٤۳۰' ۳٤۳۵) کتاب الطلاق : باب الثلاث المجموعة وما فیه من التغلیظ]

(۲) [بخاری (قبل الحدیث / ۵۲۵۱) کتاب الطلاق]

(۳) [بدایة المجتهد (۱۰۸/۲)]

(٤) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء (۵۵/۲۰)]

(مالکؒ، احمدؒ، شافعیؒ) انہوں نے اسی کو طلاقِ سنی قرار دیا ہے۔

(ابو حنیفہؒ) سنت یہ ہے کہ عورت کو تین طلاقیں دے (وہ اس طرح کہ) ہر طہر میں ایک طلاق دے۔(۱)

حاملہ کی طلاق

دورانِ حمل دی گئی طلاق طلاقِ سنی ہے اور جائز و مباح ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا:

﴿ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا﴾

"پھر اسے حالتِ طہر میں یا حمل میں طلاق دو۔"(۲)

(سید سابقؒ) جس وقت بھی کوئی چاہے' حاملہ کو طلاق دینا جائز ہے۔(۳)

(سعودی مجلس افتاء) آدمی کے لیے اپنی بیوی کو اس وقت طلاق دینا جائز ہے جب حمل ظاہر ہو چکا ہو اور یہ جواز بوقتِ ضرورت ہی ہے۔(٤)

(شیخ ابن بازؒ) حاملہ کو طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں۔(٥)

(شیخ ابن جبرین) اسی کے قائل ہیں۔(٦)

بچی اور جس کا حیض منقطع ہو چکا ہو' کی طلاق

"بچی" سے مراد ایسی لڑکی ہے جسے حیض کا خون آنا ابھی شروع ہی نہ ہوا ہو (یاد رہے کہ ایسا نادر ہی ہوتا ہے کہ لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد بھی خون نہ آئے) اور "جس کا حیض منقطع ہو چکا ہو" سے مراد ایسی عمر رسیدہ عورت ہے جسے بڑھاپے کی وجہ سے حیض کا خون آنا بند ہو چکا ہو۔ ایسی عورت کو دی گئی طلاق طلاقِ سنی ہی ہے بشرطیکہ صرف ایک ہی طلاق دی جائے۔ علاوہ ازیں حالتِ طہر میں جماع سے پہلے طلاق دینے والی

---

(۱) [المغنى لابن قدامة (۳۲٦/۱۰)]

(۲) [مسلم (۱٤۷۱) كتاب الطلاق ' صحيح ابو داود (۱۹۱۰) كتاب الطلاق : باب فى طلاق السنة ' ابو داود (۲۱۸۱) ترمذى (۱۱۷٦)]

(۳) [فقه السنة (۲۷۹/۲)]

(٤) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٦٤/۲۰)]

(٥) [فتاوى اسلامية (۲٦۹/۳)]

(٦) [فتاوى اسلامية (۲٦۹/۳)]

شرط ایسی عورت میں نہیں لگائی جاسکتی کیونکہ حیض نہ آنے کی وجہ سے وہ ہر وقت حالتِ طہر میں ہی ہے۔

(سید سابق ؒ) ناامید' بچی اور جس کا حیض منقطع ہو چکا ہے' کی طلاق طلاقِ سنی ہی ہوگی جبکہ ایک طلاق ہو۔ اس میں اس کے علاوہ کوئی دوسری شرط نہیں لگائی جائے گی۔(۱)

❷ طلاقِ بدعی

گزشتہ صورت کے علاوہ کسی اور صورت میں طلاق دینا حرام ہے اور اسی کو طلاقِ بدعی کہا جاتا ہے۔ یعنی اگر کوئی حالتِ طہر میں نہیں بلکہ حالتِ حیض یا حالتِ نفاس میں طلاق دیتا ہے یا ہم بستری کے بغیر نہیں بلکہ حالتِ طہر میں ہم بستری کے بعد طلاق دیتا ہے یا پھر ایک ہی لفظ یا موقع و محل میں اکٹھی تین طلاقیں دے دیتا ہے مثلاً یوں کہتا ہے کہ تمہیں میری طرف سے تین طلاقیں' یا یوں کہ طلاق طلاق طلاق۔ تو ایسی طلاق بدعی ہے کیونکہ یہ مسنون طریقۂ طلاق کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسنون طریقے کے مطابق طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ [الطلاق : ۱]

"اے نبی! (اپنی امت کے لوگوں سے کہہ دو کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت میں انہیں طلاق دو۔"

اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی آمنہ بنت غفار کو دورانِ حیض طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ وہ اس سے رجوع کرے پھر اسے روکے رکھے حتی کہ وہ ایامِ ماہواری سے پاک ہو جائے پھر دوبارہ ایام ماہواری آئیں' پھر وہ پاک ہو جائے تو اب اگر وہ طلاق دینا مناسب سمجھے تو حالتِ طہر میں اس سے ہم بستری سے پہلے طلاق دے:

﴿ فَتِلْكَ الْعِدَّةُ كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ ﴾ "یہی وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔"(۲)

(سعودی مجلس افتاء) طلاقِ بدعی یہ ہے کہ مرد ایک یا زیادہ لفظوں کے ساتھ (بیک وقت) تین طلاقیں دے یا

---

(۱) [فقه السنة (۲۷۹/۲)]

(۲) [بخاري (۴۹۰۸) كتاب التفسير : باب الطلاق ' مسلم (۱۴۷۱) كتاب الطلاق ' أحمد (۲۶/۲) ترمذي (۱۱۷۶) كتاب الطلاق واللعان]

ایک یا زیادہ طلاقیں دورانِ حیض' یا دورانِ نفاس یا ایسے طہر میں دے جس میں اس سے ہم بستر ہوا ہو۔(۱)

(شیخ سلیم ہلالی) ایامِ ماہواری میں یا ایسے طہر میں طلاق دینا حرام ہے جس میں شوہر نے ہم بستری کی ہو۔

مزید فرماتے ہیں کہ طلاقِ بدعی کے بعد رجوع واجب ہوتا ہے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو کہیں کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے۔(۲)

بدعی طلاق کے واقع ہونے میں اختلاف ہے

(جمہور، ائمہ اربعہ) طلاقِ بدعی واقع ہو جائے گی۔(۳)

ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) آیاتِ طلاق کا عموم۔

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دورانِ حیض اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو نبی کریم ﷺ نے انہیں رجوع کا حکم دیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دورانِ حیض دی گئی طلاق واقع ہو گی کیونکہ رجوع ہمیشہ طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے۔

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

﴿ حُسِبَتْ عَلَيَّ بِتَطْلِيقَةٍ ﴾ "یہ طلاق جو میں نے حالت حیض میں دی تھی مجھ پر شمار کی گئی۔"(٤)

(4) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿ هِيَ وَاحِدَةٌ ﴾ "یہ (جو تم نے طلاق دی ہے) ایک ہے۔"(٥)

(5) ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا' اسے رجوع کا کہو پھر وہ عدت میں طلاق دے ﴿ وَتُحْتَسَبُ التَّطْلِيقَةُ الَّتِي طَلَّقَ أَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ "اور وہ طلاق جو اس نے پہلی مرتبہ دی تھی شمار کر لی جائے گی۔"(٦)

(البانیؒ) انہوں نے تفصیلاً روایات نقل کرنے کے بعد جمہور کے قول کو ترجیح دی ہے۔(۷)

---

(۱) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۲۰/۰۰ ٥٥)]

(۲) [موسوعة المناهي الشرعية (۳/۶۶)]

(۳) [نيل الأوطار (٤/۳۱٦)]

(٤) [بخاری (٥٢٥٣) كتاب الطلاق : باب إذا طلقت الحائض تعتد بذلك الطلاق]

(٥) [صحيح : إرواء الغليل (٧/١٢٦) التعليقات الرضية على الروضة الندية (٢/٢٤٧) دارقطنی (٤/٩)]

(٦) [إرواء الغليل (٧/١٣١) بيهقی (٧/٣٢٦)]

(٧) [إرواء الغليل (٧/١٣٣)]

(شیخ ابن عثیمینؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۱)

تاہم بعض علماء کا خیال ہے کہ طلاقِ بدعی واقع نہیں ہوتی جیسا کہ چند ایک کا ذکر حسب ذیل ہے:

(ابن تیمیہؒ) طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی۔(۲)

(ابن قیمؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۳)

(ابن حزمؒ) اسی کو برحق سمجھتے ہیں۔(٤)

(شوکانیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٥)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کو راجح تصور کرتے ہیں۔(٦)

ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ [الطلاق : ١]

”اے نبی! (اپنی امت کے لوگوں سے کہہ دو کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت میں انہیں طلاق دو۔“

اس عدت میں طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی۔ اصول میں بھی یہ بات مسلم ہے کہ کسی چیز کا حکم اس کے متضاد سے ممانعت ہوتی ہے اور ممانعت ایسی چیز کے فاسد ہونے پر دلالت کرتی ہے جس سے منع کیا گیا ہو لہٰذا فاسد چیز سے حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔

(2) حدیث نبوی ہے کہ

﴿ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ﴾ ”ہر بدعت گمراہی ہے۔“(۷)

جب یہ طلاق بدعی ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے تو گمراہی سے حکم کا اثبات کیسے ممکن ہے؟

---

(۱) [فتاوی اسلامیة (۲٦٨/۳)]
(۲) [الفتاوی (۳۲-٥)]
(۳) [زاد المعاد (۲۱۸/٥-۲۳۸)]
(٤) [المحلی (۳٥٨/۹) المسألة (۱۹٤٥)]
(٥) [نیل الأوطار (۳۱۹/٤)]
(٦) [الروضة الندية (۱۰٦/۲)]
(۷) [مسلم (۱٤۳٥)]

(3) ایک حدیث میں ہے کہ

﴿ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ ﴾

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں وہ مردود ہے۔"(۱)

چونکہ طلاقِ بدعی کا حکم نہ تو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور نہ ہی اللہ کے رسول ﷺ نے 'لہٰذا یہ مردود ہے تو پھر اس کا شمار کیونکر ہو سکتا ہے۔

(راجح) طلاقِ بدعی واقع ہو جاتی ہے یہی مؤقف دلائل کی رو سے زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔(واللہ اعلم)

بیک وقت تین طلاقوں کے واقع ہونے میں اختلاف ہے

اس مسئلے میں علماء کے چار مختلف اقوال ہیں:

① سب طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ جمہور اور ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔

② ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوگی کیونکہ یہ بدعت و حرام ہے۔ یہ امام ابن حزمؒ اور تابعین کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔

③ اگر مطلقہ سے دخول کر لیا گیا ہو تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی بصورت دیگر ایک واقع ہو گی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی ایک جماعت اور امام اسحاقؒ کا مذہب ہے۔

④ عورت سے دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو صرف ایک رجعی طلاق ہی واقع ہو گی۔ زیادہ درست بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام اسحاقؒ کا یہ مذہب ہے۔

(راجح) آخری قول سب سے زیادہ صحیح اور راجح ہے۔(۲)

راجح مؤقف یہ ہے کہ ایسی طلاقیں واقع نہیں ہوتیں

مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بیک وقت اکٹھی تین طلاقیں دے دیتا ہے تو وہ تینوں واقع نہیں ہوں گی بلکہ صرف ایک ہی شمار ہو گی۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

---

(۱) [بخاری (۲٦۹۷) كتاب الصلح : باب اذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود ' مسلم (۱۷۱۸) كتاب الأقضية : باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور]

(۲) [كما في الروضة الندية (۱۰٦/۲)]

(1) ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ﴾ [البقرة : ۲۲۹] ”طلاق دو مرتبہ ہے۔“

لفظ ”مرتان“ مرۃ کا تثنیہ ہے جس کا معنی یہ ہے کہ ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ یعنی وقفے کے ساتھ۔ یہ معنی نہیں ہے کہ اکٹھی دو طلاقیں جیسا کہ درج ذیل آیت بھی اس پر شاہد ہے:

﴿ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ﴾ [النور: ۵۸]

اس آیت میں لفظِ مرات مرۃ کی جمع ہے' اس لفظ کے بعد تین اوقات بیان کیے گئے ہیں جن میں وقفہ ہے نہ کہ اکٹھے ہیں (یعنی ایک مرتبہ فجر سے پہلے' دوسری مرتبہ دوپہر کو' تیسری مرتبہ نماز عشاء کے بعد)۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں بھی وقفے کے ساتھ طلاقیں دینا مراد ہے نہ کہ اکٹھی۔

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ ﴾

”عہدِ رسالت' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک تین طلاقیں ایک طلاق ہی شمار ہوتی تھیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' لوگوں نے ایسے معاملے میں جلدی کی ہے جس میں ان کے لیے سہولت دی گئی تھی پس چاہیے کہ ہم اسے نافذ کر دیں لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے اسے ان پر جاری کر دیا (یعنی تینوں طلاقوں کے بیک وقت واقع ہونے کا حکم دے دیا)۔“(۱)

(3) حضرت ابو رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں پھر اس پر نادم و پشیمان ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رکانہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

﴿ إِنَّهَا وَاحِدَةٌ ﴾ ”وہ تینوں طلاقیں ایک ہی ہے۔“(۲)

(4) ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رکانہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اُم رکانہ سے رجوع کر لو۔ انہوں

---

(۱) [مسلم (۱۴۷۲) کتاب الطلاق : باب طلاق الثلاث ' ابو داود (۲۱۹۹) کتاب الطلاق : باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث ' نسائی (۱۴۵/۶)]

(۲) [أحمد (۲۶۵/۱) بلوغ المرام (۱۰۰۹) شیخ صبحی حلاق نے اسے حسن کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (۲۱۲/۶)]

نے عرض کیا میں نے اسے تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿قَدْ عَلِمْتُ رَاجِعْهَا﴾ ''مجھے معلوم ہے' تم اس سے رجوع کر لو۔'' (۱)

اگر تینوں طلاقیں واقع ہو جاتیں تو نبی کریم ﷺ ابو رکانہ رضی اللہ عنہ کو رجوع کا حکم نہ دیتے بلکہ اُمِ رکانہ کو کسی اور شخص سے نکاح کا مشورہ دیتے۔

(5) حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ

﴿أُخبِرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ جَمِيعًا فَقَامَ غَضبَانًا ثُمَّ قَالَ أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ وَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَا أَقْتُلُهُ﴾

''نبی کریم ﷺ کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ آپ ﷺ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا' کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے جبکہ میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں۔ حتی کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! کیا میں اسے قتل نہ کر ڈالوں۔'' (۲)

ان تمام دلائل سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیتا ہے تو وہ درحقیقت ایک ہی شمار ہو گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، امام عکرمہؒ اور امام طاوسؒ وغیرہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ (۳)

(ابن تیمیہؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٤)

---

(۱) [**حسن** : صحیح ابو داود (۱۹۲۲) کتاب الطلاق : باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث ' ابو داود (۲۱۹٦) مزید اس روایت کے لیے دیکھئے : ابو داود (۲۲۰٦) کتاب الطلاق : باب فی البتة ' ترمذی (۱۱۷۷) کتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء فی الرجل يطلق امرأته البتة ' ابن ماجه (۲۰۵۱) کتاب الطلاق : باب طلاق البتة ' دارقطنی (٤/۳٤ـ۳۵) کتاب الطلاق والخلع والايلاء ' ابن حبان (۱۰/۹۷) ' (٤۲۷٤) کتاب الطلاق : باب الرجعة ' مستدرك حاكم (۲/۱۹۹)]

(۲) [**صحیح** : غاية المرام (۲٦۱) التعليق على الروضة الندية للألبانی (۲/٤۷) نسائی (۳٤۳۰) کتاب الطلاق: باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ]

(۳) [إغاثة اللهفان (۱/۳۲۹) فتح الباری (۱۰/٤۵٦)]

(٤) [الفتاوی (۳/۱٦ـ۱۷)]

(ابن قیمؒ) اسی مؤقف کو ترجیح دیتے ہیں۔(۱)

(شیخ ابن بازؒ) اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں گی۔(۲)

ایک دوسرے فتوے میں فرماتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ اگر مرد ایک کلمہ سے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے تو وہ ایک ہی شمار ہو گی۔(۳)

(سعودی مجلس افتاء) اگر مرد اپنی بیوی کو ایک ہی لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دے دے تو علماء کے صحیح تر قول کے مطابق صرف ایک ہی طلاق واقع ہو گی۔(٤)

رجوع اور عدم رجوع کے اعتبار سے طلاق کی اقسام

① طلاقِ رجعی ② طلاقِ بائن

ان طلاقوں کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے۔

❶ طلاق رجعی

طلاقِ رجعی سے مراد ایسی طلاق ہے جس میں شوہر کو عدت کے اندر رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے خواہ بیوی یا اس کا ولی اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا﴾ [البقرة : ٢٢٨]

”طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں' ان کے لیے حلال نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہو اسے چھپائیں' اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو' ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حق دار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔“

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ جب انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو

---

(۱) [زاد المعاد (٢٤١/٥) أعلام الموقعين (٣٠/٣)]

(۲) [فتاوى إسلامية (٤٩/٣)]

(۳) [فتاوى ابن باز؛ مترجم (١٧٧/١)]

(٤) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (١٦٣/٢٠)]

آپ ﷺ نے انہیں رجوع کر لینے کا حکم دیا۔(۱)

یہ طلاق مدخول بہا (یعنی جس سے ہم بستری کر لی گئی ہو) عورت کو دی جاتی ہے (کیونکہ ہم بستری کے بغیر ہی دی گئی طلاق طلاقِ بائنہ ہوتی ہے 'رجعی نہیں)' یہ طلاق کسی مال و متاع کا عوض بھی نہیں ہوتی (جیسا کہ خلع کی صورت ہوتی ہے)' یہ طلاق پہلی بھی ہو سکتی ہے اور دوسری بھی یعنی پہلی دو طلاقیں رجعی ہوتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ [البقرة : ۲۲۹]

"یہ (رجعی) طلاقیں دو مرتبہ ہیں' پھر یا تو اچھائی سے روکنا یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔"

اس طلاق کے بعد عورت کی عدت پوری ہونے تک اس کی رہائش اور خرچے کا ذمہ دار شوہر ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ طلاق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ﴾ [الطلاق : ٦]

"ان (طلاق یافتہ) عورتوں کو اپنی طاقت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو۔"

اگر عدت پوری ہو جائے اور شوہر بیوی سے رجوع نہ کرے تو پھر بیوی شوہر سے جدا ہو کر اپنے گھر چلی جائے گی' اب اگر دوبارہ ان کے دل میں اکٹھے رہنے کی خواہش پیدا ہو اور وہ مل کر رہنا چاہیں تو انہیں دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔ نیز عدت پوری ہونے کے بعد عورت کی رہائش اور خرچے کی ذمہ داری بھی شوہر سے ختم ہو جائے گی' البتہ اگر بیوی حاملہ ہو تو پھر یہ ذمہ داری بدستور قائم رہے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق : ٦]

"اگر وہ (مطلقہ عورتیں خواہ طلاق بائنہ ہی ہو) حاملہ ہوں تو انہیں خرچ دیتے رہو حتی کہ بچہ پیدا ہو جائے۔"

❷ طلاق بائن

طلاقِ بائن مزید دو قسموں میں منقسم ہوتی ہے' ایک بائن بینونہ صغریٰ اور دوسری بائن بینونہ کبریٰ۔ ان دونوں قسموں کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

"بائن بینونہ صغریٰ" سے مراد ایسی طلاق ہے جس میں شوہر کو رجوع کا حق نہیں ہوتا' طلاق کے فوراً بعد عورت شوہر سے جدا ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر وہ نئے مہر اور شرائط کے ساتھ دوبارہ نکاح کر کے اکٹھے ہونا

---

(۱) [بخاری (۴۹۰۸) مسلم (۱۴۷۱)]

چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔اس کی چند مختلف صورتیں حسب ذیل ہیں:

- شوہر عورت کو رجعی طلاق دے لیکن دورانِ عدت رجوع نہ کرے تو عدت پوری ہونے کے بعد یہ طلاق بائن ہو جائے گی۔
- رخصتی کے بعد اور ہم بستری سے پہلے ہی طلاق واقع ہو جائے۔اس صورت میں چونکہ عورت پر کوئی عدت واجب نہیں اس لیے وہ طلاق کے فوراً بعد ہی شوہر سے جدا ہو جائے گی۔
- اگر میاں بیوی کے درمیان شدید اختلاف پیدا ہو جائے اور دونوں کے دو عادل منصف یہ فیصلہ کردیں کہ ان کے درمیان تفریق ہی زیادہ بہتر ہے تو طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی۔

''بائن بینونہ کبریٰ'' سے مراد ایسی طلاق ہے جس کے بعد عورت ہمیشہ کے لیے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے' ہاں صرف ایک صورت میں اس کے لیے حلال ہوتی ہے اور وہ یہ کہ عورت کسی اور مرد سے نکاح کرے۔اس کی صورت یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو (پہلی دو طلاقوں کے بعد رجوع یا عقدِ ثانی کے بعد) تیسری طلاق دے دے تو وہ اس وقت تک اس شوہر کے لیے حلال نہیں ہو گی جب تک کسی اور مرد سے بسنے کی نیت سے نکاح نہ کرے۔پھر وہ اپنی مرضی سے اسے زندگی میں کبھی طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو پھر یہ پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يَتَرَاجَعَا إِن ظَنَّا أَن يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ﴾ [البقرة: ٢٣٠]

''پھر اگر اس کو (تیسری بار) طلاق دے دے تو اب (وہ عورت) اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ اس کے سوا کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے' پھر اگر وہ بھی (کبھی اپنی مرضی سے) طلاق دے دے تو ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملنے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔''

ایک ضروری وضاحت

واضح رہے کہ اگر عورت طلاقِ بائن (بینونہ کبریٰ) کے بعد کسی اور مرد سے نکاح کر لے' پھر وہ اسے اپنی مرضی سے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے اور پھر یہ عورت پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر لے تو پہلے شوہر کو از سر نو تین طلاقوں کا اختیار حاصل ہو گا۔اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔

(ابن منذرؒ) اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ آزاد آدمی اگر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے' پھر اس کی عدت پوری ہو جائے اور وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے' وہ اس کے ساتھ ہم بستر ہو جائے' پھر اسے طلاق دے دے' وہ دوبارہ اپنی عدت پوری کر کے پہلے شوہر سے نکاح کر لے تو شوہر کو از سر نو تین طلاقوں کا اختیار ہو گا۔(۱)

اختلاف اس بات میں ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دی ہوں اور عدت گزارنے کے بعد وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے' پھر وہ اسے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو وہ دوبارہ پہلے شوہر سے نکاح کر لے' اس صورت میں کیا مرد کو از سر نو تین طلاقوں کا اختیار ہو گا یا وہ اپنی پہلی تعداد کو ہی پورا کر سکے گا یعنی اگر پہلے اس نے ایک طلاق دی تھی تو وہ مزید دو طلاقیں دے سکتا ہے اور اگر دو طلاقیں دی تھیں تو وہ مزید صرف ایک طلاق ہی دے سکتا ہے؟

(ابو حنیفہؒ، قاضی ابو یوسفؒ) اسے بھی از سر نو تین طلاقوں کا اختیار حاصل ہو گا۔

(احمدؒ، شافعیؒ، مالکؒ) ایسا شخص اپنی باقی تعداد پوری کرے گا یعنی اگر اس نے پہلے ایک طلاق دی تھی تو وہ اب تین نہیں بلکہ صرف دو طلاقیں دینے کا اختیار رکھتا ہے۔(۲)

اس ضمن میں امام قرطبیؒ نے جو کلام نقل فرمایا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ وہ مرد اپنی باقی تعداد ہی پوری کرے گا۔ یہ مذہب اکابر صحابہ کرام مثلاً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ مزید حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مذہب منقول ہے۔ امام عبیدہ سلمانیؒ، حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت حسن بصریؒ، امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام ابن ابی لیلیٰؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، امام ابو عبیدؒ، امام ابو ثورؒ، امام محمد بن حسنؒ اور ابن نصرؒ نے بھی اسی مؤقف کی حمایت کی ہے۔

اس مسئلے میں ایک دوسرا مؤقف بھی ہے اور وہ یہ کہ جب نکاح نیا ہے تو طلاق بھی نئی ہو گی (یعنی مرد کو تین طلاقوں کا اختیار ہو گا)۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ نیز امام عطاءؒ،

---

(۱) [كما في تفسير فتح القدير للشوكاني (۳۱۱/۱)]

(۲) [كما في تفسير ابن كثير (۳۷۳/۱)]

امام نخعیؒ، امام شریحؒ، امام نعمانؒ اور امام یعقوبؒ کا بھی یہی مؤقف ہے۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے ابراہیم نخعیؒ کے متعلق نقل کیا ہے 'وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھی کہا کرتے تھے کہ (دوسرا) شوہر ایک اور دو طلاقوں کو بھی اسی طرح مٹا دیتا ہے جیسے تین طلاقوں کو مٹاتا ہے۔ الا کہ عبیدہؒ نے کہا ہے کہ ایسی عورت کو اتنی ہی طلاقیں دی جا سکیں گی جتنی باقی رہ گئی تھیں۔ اس بات کو ابو عمر نے نقل کیا ہے۔ امام ابن منذرؒ نے کہا ہے کہ میں پہلی رائے کو ترجیح دیتا ہوں۔ (امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ) اس مسئلے میں ایک تیسرا قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر دوسرے شوہر نے عورت سے ہم بستری کی ہو تو نئی طلاق اور نیا نکاح ہوگا (یعنی پہلے کو تین طلاقوں کا اختیار ہوگا) اور اگر اس نے ہم بستری نہ کی ہو تو پہلی باقی تعداد ہی پوری کرے گا۔ یہ امام ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے۔(۱)

(سید سابقؒ) انہوں نے اس مسئلے میں وہ مؤقف اپنایا ہے جو امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کا ہے (یعنی ایسے شوہر کو بھی از سر نو تین طلاقوں کا اختیار ہوگا)۔(۲)

لفظ کے اعتبار سے طلاق کی اقسام

① طلاقِ صریح ② طلاقِ بالکنایہ

ان طلاقوں کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

❶ طلاق صریح

طلاقِ صریح وہ طلاق ہے جس میں ایسے لفظ استعمال کیے گئے ہوں جو طلاق کے لیے واضح ہوں اور جن کی ادائیگی کے بعد یہ جاننے کی ضرورت نہ رہے کہ آیا طلاق کی نیت بھی تھی یا نہیں مثلاً شوہر اپنی بیوی سے کہے 'تجھے میری طرف سے طلاق ہے' یا تجھے طلاق دے دی گئی' یا تو طلاق والی ہے یا تجھے طلاق ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور ان جیسے الفاظ کہتے ہی بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی خواہ کوئی مذاق میں کہے یا سنجیدگی میں۔ جیسا کہ اس بارے میں نبی کریم ﷺ کا صحیح فرمان ثابت ہے۔(۳)

---

(۱) [تفسیر قرطبی (۱٤٦/۳)]

(۲) [فقه السنة (۲۸۷/۲)]

(۳) [اس مسئلے کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: الأم للشافعی (۲۵۹/۵) المبسوط (۷۳/٦) المغنی لابن قدامة (۳٦۳/۱۰-۳٦٤) بدایة المجتهد (۷٦/۲)]

❷ طلاق بالکنایہ

کنایہ سے مراد یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایسے لفظ کہے جو طلاق کے مفہوم میں واضح نہ ہوں مثلاً اپنے گھر چلی جا' میں تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتا' مجھے چھوڑ دے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے الفاظ کے ساتھ اگر طلاق کی نیت ہو گی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر نیت نہیں ہو گی تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے طلاق کی نیت سے اپنی ایک منکوحہ کو ان الفاظ میں علیحدگی کا پروانہ سنایا تھا "اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا۔" اس مسئلے کی مزید تفصیل آئندہ باب "جس ذریعے سے طلاق واقع ہوتی ہے" کے تحت آئے گی۔

تعلیق اور تنجیز کے اعتبار سے طلاق کی اقسام

① طلاقِ منجز ② طلاقِ معلق

ان دونوں طلاقوں کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے۔

❶ منجز یعنی فوری طلاق

"مُنجز طَلاق" سے مراد ایسی طلاق ہے جو فوری طور پر نافذ شدہ ہو یعنی طلاق دینے والا طلاق کو کسی شرط کے ساتھ معلق نہ کرے بلکہ طلاق کے ساتھ اس کا مقصد فوری نفاذ ہو مثلاً یوں کہے کہ "تجھے طلاق ہے۔" یہ الفاظ کہتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔

❷ معلق طلاق

"معلق طلاق" ایسی طلاق کو کہتے ہیں جسے کسی شرط کے ساتھ معلق کیا جائے مثلاً اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے' یا اگر تو اپنی ماں کے گھر گئی تو تجھے طلاق ہے' یا اگر تو نے لڑکی کو جنم دیا تو تجھے طلاق ہے یا اگر میں نے تمہیں فلاں کے ساتھ دیکھ لیا تو تجھے طلاق ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے الفاظ کے ساتھ دی گئی طلاق اس وقت واقع ہو جائے گی جب وہ شرط پوری ہو گی یعنی اگر وہ عورت گھر سے نکلی تو اسے طلاق واقع ہو جائے گی' اسی طرح اگر اس نے لڑکی کو جنم دیا تو اسے طلاق واقع ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ۔(۱)

(ابن تیمیہؒ) شرط کے ساتھ معلق طلاق اس وقت واقع ہو جاتی ہے جب وہ شرط پوری ہو جائے۔(۲)

---

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المغنی لابن قدامة (۱۰/۴۵۲۔۴۷۲)]

(۲) [الأخبار العلمية من الاختيارات الفقهية (ص / ۳۷٦)]۔

(سعودی مجلس افتاء) انہوں نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔(۱)

(شیخ صالح بن فوزان) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

مزید مختلف اقسام

1- طلاقِ اختیار
2- طلاقِ تملیک
3- طلاق بالوکالہ
4- طلاق بالکتابہ
5- طلاقِ تحریم
6- طلاقِ حرام

ان اقسام کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے۔

طلاقِ اختیار

طلاقِ اختیار سے مراد یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رہنے یا الگ ہو جانے کا اختیار دے دے۔ اگر تو وہ شوہر کو اختیار کر لے تو طلاق واقع نہیں ہو گی اور اگر وہ علیحدگی اختیار کر لے تو طلاق ہو جائے گی۔ محض شوہر کے اختیار دینے سے طلاق واقع نہیں ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی ازواج مطہرات کو اختیار دے دیا تھا لیکن انہوں نے آپ ﷺ کو ہی اختیار کر لیا تھا۔

طلاقِ تملیک

تملیک کا مطلب ''مالک بنانا'' ہے۔ اس طلاق کو ''طلاقِ تفویض'' بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد ایسی طلاق ہے جس میں شوہر اپنی بیوی کو طلاق کا مالک بنا دے۔ مثلاً یوں کہے کہ ''میں تمہیں تمہارے معاملے کا مالک بناتا ہوں'' یا کہے ''تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے'' یا کہے ''تو خود اپنے آپ کو طلاق دے دے۔'' پھر اگر عورت خود کو طلاق دے دے تو بعض اہل علم کے نزدیک عورت کو ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ جبکہ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ عورت کا خود کو طلاق دینا طلاق ہی نہیں کیونکہ طلاق صرف مرد کی طرف سے ہی واقع ہوتی ہے' عورت کی طرف سے نہیں۔ جن حضرات کا کہنا ہے کہ ایسی طلاق واقع ہو جاتی ہے ان کے دلائل میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(1) مؤطا کی ایک روایت میں ہے کہ

---

(۱) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۱۷٤/۲۰)]

(۲) [الملخص الفقهی (۳۱۳/۲)]

﴿أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ إِنِّي جَعَلْتُ أَمْرَ امْرَأَتِي فِي يَدِهَا فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا فَمَاذَا تَرَى فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ أُرَاهُ كَمَا قَالَتْ فَقَالَ الرَّجُلُ لَا تَفْعَلْ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ أَنَا أَفْعَلُ ؟ أَنْتَ فَعَلْتَهُ﴾

''ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس نے کہا' اے ابو عبدالرحمٰن! بلاشبہ میں نے اپنی بیوی کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور اس نے اپنے آپ کو طلاق دے دی' (اس بارے میں) آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا میری رائے وہی ہے جو اس عورت نے کہا (یعنی طلاق واقع ہو گئی) اس آدمی نے کہا' اے ابو عبدالرحمٰن! ایسا مت کیجئے۔ تو آپ رضی اللہ عنہما نے کہا' ایسا میں کر رہا ہوں؟ یہ تو تم نے کیا ہے۔''(۱)

(2) ایک دوسری روایت میں ہے کہ

﴿عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ إِذَا مَلَّكَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ أَمْرَهَا فَالْقَضَاءُ مَا قَضَتْ بِهِ﴾

''نافع'' بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو اس کے معاملے کا مالک بنا دیتا ہے تو پھر وہی فیصلہ ہوتا ہے جو عورت کرتی ہے (یعنی اگر وہ طلاق کا فیصلہ کر لے اور اپنے آپ کو طلاق دے دے تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ شوہر نے اسے اس کا مالک بنایا تھا)۔''(۲)

جن حضرات کا کہنا ہے کہ ایسی طلاق واقع نہیں ہوتی ان کا مستدل یہ ہے کہ کتاب و سنت میں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ عورت خود اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے بلکہ اس کے برعکس صرف طلاق کا حق مرد حضرات کو ہی دیا گیا ہے۔

(ابن حزمؒ) جس نے اپنی بیوی کو اختیار دیا کہ وہ خود اپنے آپ کو طلاق دے دے تو اس کے ایسا کرنے سے طلاق لازم نہیں ہوگی اور وہ عورت طلاق والی نہیں ہوگی خواہ وہ اپنے آپ کو طلاق دے یا نہ دے' جیسا کہ ہم نے پیچھے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف طلاق کو مردوں کے ہاتھ میں دیا ہے عورتوں

---

(۱) [صحیح مقطوع : موطا (۱۶۷۶) کتاب الطلاق : باب ما یبین من التملیك ' اس معنی کی روایت ان کتب میں بھی ہے۔[عبد الرزاق (۱۱۱۸۷) ابن ابی شیبة (۱۸۱٤۰)]

(۲) [صحیح لغیرہ : موطا (۱٦۷۷) کتاب الطلاق : باب ما یبین من التملیك ' مزید دیکھئے : عبد الرزاق (۱۱۹۰۹) الاستذکار (۱۱۲٤)]

کے ہاتھ میں نہیں۔(۱)

(سید سابق ؒ) طلاق شوہر کے حقوق میں سے ایک حق ہے۔اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنی بیوی کو خود طلاق دے' یہ بھی اختیار ہے کہ وہ طلاق کے لیے معاملہ عورت کے سپرد کر دے اور یہ بھی اختیار ہے کہ وہ طلاق دینے میں کسی اور کو وکیل بنا لے۔خواہ (طلاق کو عورت کے) سپرد کیا جائے (تفویض) یا کسی کو وکیل بنایا جائے' شوہر کا حق ساقط نہیں ہوتا اور نہ ہی شوہر کو اس حق کے استعمال سے روکتا ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ تفویض کے الفاظ یہ ہیں:

- تو خود کو اختیار کر لے۔
- تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔
- اگر چاہے تو خود کو طلاق دے۔(۲)

(شیخ ابن بازؒ) کسی نے دریافت کیا کہ شریعت اسلامیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ طلاق مرد کے حقوق میں سے ایک حق ہے لیکن علماء کی اکثریت نے خاوند کے اپنے اس حق کو اپنی بیوی کو دے دینے میں یعنی اپنے آپ کو طلاق دینے میں اور وکیل بنانے کے مسئلہ میں کئی راہیں اختیار کی ہیں۔ جیسا کہ خاوند کسی شخص کو یہ حق دے دے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دے سکے۔ میرا سوال یہ ہے کہ آیا ایسا حکم نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے؟

شیخ نے جواب دیا کہ

طلاق کے لیے عورت کو یا کسی دوسرے کو وکیل بنانے کے سلسلے میں میں نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث نہیں جانتا۔ لیکن علماء نے یہ مسئلہ کتاب وسنت کے ان دلائل سے اخذ کیا ہے جو مالی حقوق اور ان سے ملتے جلتے حقوق کے لیے کسی نیک چلن آدمی کو وکیل بنانے کے سلسلہ میں ملتے ہیں اور طلاق مرد کے حقوق میں سے ایک حق ہے تو اگر وہ اپنی بیوی کو خود طلاق دینے کے معاملہ میں وکیل بنائے یا کسی دوسرے شخص کو بیوی کی طلاق میں وکیل بنائے جس میں سے وکیل بنانے کی اسناد درست ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس بارے میں شرعی قاعدہ کے مطابق عمل کیا جائے لیکن خاوند کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کو تین طلاق

---

(۱) [المحلی بالآثار (۹/۴۸۳)]

(۲) [فقه السنة (۲/۲۸۹)]

واقع کرنے کے لیے وکیل بنائے کیونکہ یہ بات خود خاوند کے لیے بھی جائز نہیں۔ لہٰذا وکیل بنانے کے لیے یہ بات بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوئی۔(۱)

طلاق بالوکالہ

مراد ایسی طلاق ہے کہ جس میں شوہر بیوی کو خود طلاق نہ دے بلکہ طلاق دینے کے لیے کسی دوسرے شخص کو اپنا وکیل (نمائندہ) مقرر کر لے تو ایسی طلاق درست ہے کیونکہ معاملات میں وکالت (نمائندگی) جائز ہے۔ جیسا کہ جوازِ وکالت کے چند ایک دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ﴿ فَابْعَثُوا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهِ اِلَى الْمَدِيْنَةِ ﴾ [الکھف : ۱۹]
"اپنی اس چاندی کے ساتھ کسی کو شہر کی طرف بھیجو۔"

(2) ﴿ فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ﴾ [النساء : ۳۵]
"تم اس لڑکے اور لڑکی کی طرف سے ایک ایک حکم (فیصل) بھیجو۔"

(3) ﴿ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا ﴾ [یوسف : ۹۳]
"میری یہ قمیض لے جاؤ۔"

(4) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"اے انیس! اس کی بیوی کی طرف صبح جاؤ اور اگر وہ اعتراف (زنا) کر لے تو اسے رجم کر دینا۔"(۲)

(5) رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے اونٹوں پر مقرر فرمایا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ میں اونٹوں کے چمڑے اور جلیں تقسیم کر دوں۔"(۳)

(6) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے زکاۃِ رمضان (یعنی صدقہ فطر) کی حفاظت میں مجھے وکیل بنایا اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو کچھ بھیڑ بکریاں دیں کہ وہ انہیں اپنے ساتھیوں میں تقسیم

---

(۱) [فتاوی ابن باز، مترجم (۱۸۰/۱)]

(۲) [بخاری (۲۶۹۶) کتاب الوکالة : باب الوکالة فی الحدود، مسلم (۱۶۹۷) ابو داود (۴۴۴۵) نسائی (۲۴۰/۸) ترمذی (۱۴۳۳) ابن ماجة (۲۵۴۹) دارمی (۱۷۷/۲) احمد (۱۱۵/۴) حمیدی (۳۵۴/۲) طیالسی (۹۵۳) بیهقی (۲۱۲/۸) شرح السنة (۲۷۴/۱۰)]

(۳) [بخاری (۱۷۰۷) کتاب الحج : باب الحلال للبدن، مسلم (۱۳۱۷) ابو داود (۱۷۶۹) ابن ماجة (۳۰۹۹) نسائی فی السنن الکبری (۴۵۶/۲)]

کردے۔(۱)

طلاق بالکتابہ

ایسی طلاق جس میں شوہر بیوی کو زبان سے طلاق نہ دے بلکہ تحریری طور پر طلاق نامہ ارسال کردے۔ ایسی طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس کے عدمِ وقوع کی کوئی دلیل موجود نہیں اور معاملات میں اصل اباحت ہی ہے جیسا کہ یہ بات اصول میں ثابت ہے۔

طلاقِ تحریم

مراد ہے شوہر اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے مثلاً کہتا ہے کہ "تو مجھ پر حرام ہے۔" تو ایسی صورت میں طلاق اس کی نیت پر موقوف ہو گی' اگر تو اس کی ان الفاظ کے کہنے سے طلاق کی نیت ہو گی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر یہ نیت نہیں ہو گی تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔ البتہ اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہو گا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی فتویٰ ہے۔(۲)

طلاقِ حرام

حرام طلاق سے مراد "طلاقِ بدعی" ہے یعنی ایسی طلاق جو مسنون طریقہ طلاق کے خلاف دی جائے مثلاً دورانِ حیض و نفاس طلاق دی جائے یا ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں شوہر نے اپنی بیوی سے ہم بستری کی ہو یا بیک وقت تین طلاقیں دے دی جائیں۔ اس کا تفصیلی ذکر پیچھے اسی باب میں "طلاقِ بدعی" کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے' ملاحظہ فرمائیے۔

❑ مذکورہ بالا زائد اقسام میں سے بعض کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے اور بعض کی تفصیل آئندہ باب "جس ذریعے سے طلاق واقع ہوتی ہے" کے تحت آئے گی۔

---

(۱) [بخاری (۲۳۱۱) كتاب الوكالة : باب إذا وكل رجلا فترك الوكيل ...... ' مسلم (۱۹۶۵) ترمذی (۱۵۰۰) نسائی (۲۱۸/۷) ابن ماجة (۳۱۳۸) احمد (۱۴۹/۲) دارمی (۷۸/۲) ابن حبان (۵۸۹۸) بیهقی (۲۶۹/۹) ابو یعلی (۱۷۵۸) ابن خزیمة (۲۹۱۶)]

(۲) [مسلم (۱۴۷۳) كتاب الطلاق : باب وجوب الكفارة على من حرم امرأته ولم ينو الطلاق]

باب ما يقع به الطلاق جس ذریعے سے طلاق واقع ہوتی ہے

طلاق ہر ایسے ذریعے سے واقع ہو جاتی ہے جو زوجین کے تعلق کو ختم کرنے پر دلالت کرتا ہو خواہ شوہر واضح لفظوں میں خود طلاق دے' یا اشارے و کنائے میں طلاق دے' یا لکھ کر طلاق بھیج دے' یا کسی نمائندے کے ذریعے پیغامِ طلاق بھیج دے۔ مزید اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

طلاق کو ظاہر کرنے والے واضح لفظوں میں طلاق دینا

مثلاً کہے کہ تو مطلقہ ہے' تو طلاق یافتہ ہے' تجھے میری طرف سے طلاق ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے تمام الفاظ استعمال کرنے سے طلاق واقع ہو جائے گی خواہ کہنے والا سنجیدگی میں کہے یا مذاق میں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تین باتیں ایسی ہیں جنہیں اگر سنجیدگی سے کہا جائے تو بھی پختہ ہیں اور اگر مذاق سے کہا جائے تو بھی سنجیدگی ہیں۔ ایک نکاح' دوسری طلاق اور تیسری رجوع۔" (۱)

اشارے و کنائے سے بھی طلاق ہو جائے گی جبکہ اس میں طلاق کی نیت موجود ہو

طلاق بالکنایہ یہ ہے کہ شوہر ایسے الفاظ میں طلاق دے جس کا مفہوم طلاق بھی ہو سکتا ہو اور کچھ اور بھی۔ مثلاً کہے کہ اپنے گھر چلی جا' یا کہے کہ تو آج سے آزاد ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسی صورت میں اگر مرد کی نیت طلاق کی ہو گی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

﴿أَنَّ ابْنَةَ الْجَوْنِ لَمَّا أُدْخِلَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَنَا مِنْهَا قَالَتْ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ فَقَالَ لَهَا "لَقَدْ عُذْتِ بِعَظِيمِ الْحَقِي بِأَهْلِكِ"﴾

"جون کی بیٹی جب نکاح کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خلوت گاہ میں لائی گئی اور آپ ﷺ اس کے قریب ہوئے تو اس نے کہا میں اللہ سے آپ کی پناہ چاہتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' تو نے بڑی عظیم الشان ذات کی پناہ طلب کی ہے تو اپنے گھر والوں کے ساتھ مل جا۔" (۲)

---

(۱) [حسن : صحیح ابو داود (۱۹۲۰)]

(۲) [بخاری (۵۲۵٤) کتاب الطلاق : باب من طلق وهل یواجه الرجل امرأته بالطلاق ' ابن ماجة (۲۰۵۰) کتاب الطلاق : باب ما یقع به الطلاق من الکلام ' نسائی (۱۵۰/٦) حاکم (۳٥/٤)]

(2) مؤطا میں ایک روایت ہے کہ

﴿أَنَّهُ كُتِبَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مِنَ الْعِرَاقِ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِامْرَأَتِهِ حَبْلُكِ عَلَى غَارِبِكِ فَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَى عَامِلِهِ أَنْ مُرْهُ يُوَافِينِي بِمَكَّةَ فِي الْمَوْسِمِ فَبَيْنَمَا عُمَرُ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ إِذْ لَقِيَهُ الرَّجُلُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ عُمَرُ مَنْ أَنْتَ فَقَالَ أَنَا الَّذِي أَمَرْتَ أَنْ أُجْلَبَ عَلَيْكَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ أَسْأَلُكَ بِرَبِّ هَذِهِ الْبَنِيَّةِ مَا أَرَدْتَ بِقَوْلِكَ حَبْلُكِ عَلَى غَارِبِكِ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ لَوِ اسْتَحْلَفْتَنِي فِي غَيْرِ هَذَا الْمَكَانِ مَا صَدَقْتُكَ أَرَدْتُ بِذَلِكَ الْفِرَاقَ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ هُوَ مَا أَرَدْتَ﴾

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو عراق سے کسی نے خط لکھا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا ہے "تیری رسی تیری کوہان پر ہے" تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کے حاکم کو لکھا کہ اس شخص سے کہو کہ وہ ایامِ حج کے دوران مکہ میں مجھے ملے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ (دورانِ حج) بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ اچانک ایک آدمی نے ان سے ملاقات کی اور سلام کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت کیا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا' میں وہ آدمی ہوں جس کے متعلق آپ نے حکم دیا تھا کہ وہ (مکہ میں) مجھے ملے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہیں اس کعبہ کے رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تمہارا اس بات سے کیا ارادہ تھا "تیری رسی تیری کوہان پر ہے" اس نے عرض کیا' اگر آپ مجھ سے اس (مقدس) جگہ کے علاوہ کسی اور مقام پر قسم لیتے تو میں سچ نہ بولتا' میری ان کلمات سے فراق (یعنی طلاق) کی نیت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' تو وہی واقع ہو چکا ہے جس کا تم نے ارادہ کیا تھا۔"(۱)

(3) جس روایت میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا جنگ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا قصہ مذکور ہے اس میں ہے کہ

﴿حَتَّى إِذَا مَضَتْ أَرْبَعُونَ لَيْلَةً مِنَ الْخَمْسِينَ إِذَا رَسُولُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَأْتِينِي فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَأْمُرُكَ أَنْ تَعْتَزِلَ امْرَأَتَكَ فَقُلْتُ أُطَلِّقُهَا أَمْ مَاذَا أَفْعَلُ قَالَ لَا بَلِ اعْتَزِلْهَا وَلَا تَقْرَبْهَا وَأَرْسَلَ إِلَى صَاحِبَيَّ مِثْلَ ذَلِكَ فَقُلْتُ لِامْرَأَتِي الْحَقِي بِأَهْلِكِ﴾

"ان پچاس دنوں میں سے جب چالیس دن گزر چکے تو رسول اللہ ﷺ کے ایلچی میرے پاس آئے اور

---

(۱) [صحیح مقطوع : مؤطا (۱٦٦٨) کتاب الطلاق : باب ما جاء فی الخلیة والبریة وأشباه ذلك ' الاستذکار لابن عبد البر (۱۱۱۸)]

کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی کے بھی قریب نہ جاؤ۔ میں نے پوچھا میں اسے طلاق دے دوں یا پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ صرف اس سے علیحدہ رہو اور اس کے قریب نہ جاؤ۔ تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا "اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا۔" (۱)

معلوم ہوا کہ اگر ارادہ و نیت ہو تو ایسے الفاظ کے ساتھ طلاق ہو جائے گی اور اگر نیت نہ ہو تو طلاق نہیں ہو گی۔

(ابن تیمیہؒ) صرف اُسی کنائے سے طلاق واقع ہوتی ہے جس میں طلاق کی نیت بھی ہو۔(۲)

(امیر صنعانیؒ) طلاق کا ایسا کنایہ و اشارہ جس سے طلاق مقصود ہو طلاق کے حکم میں ہی ہوگا۔(۳)

(سید سابقؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(سعودی مجلس افتاء) انہوں نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔(٥)

اختیار دینے سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی جب عورت علیحدگی پسند کرلے

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ‎وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ﴾ [الأحزاب : ٢٨ـ ٢٩]

"اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور دنیاوی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تمہاری مراد اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر ہے تو تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت زبردست اجر رکھا ہے۔"

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

---

(۱) [بخاری (٤٤١٨) کتاب المغازی : باب حدیث کعب بن مالك ، مسلم (٢٧٦٩) کتاب التوبة : باب حدیث توبة کعب بن مالك وصاحبیه ، ترمذی (٣١٠٢) کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة التوبة]

(۲) [الأخبار العلمیة من الاختیارات الفقهیة (ص / ٣٦٩)]

(۳) [سبل السلام (١٤٥٦/٣)]

(٤) [فقه السنة (٢٧٠/٢)]

(٥) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء (٢٠/ ٧٣ـ٧٤)]

﴿ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ جَاءَهَا حِينَ أَمَرَهُ اللَّهُ أَنْ يُخَيِّرَ أَزْوَاجَهُ فَبَدَأَ بِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنِّي ذَاكِرٌ لَكِ أَمْرًا فَلَا عَلَيْكِ أَنْ لَا تَسْتَعْجِلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ وَقَدْ عَلِمَ أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ يَكُونَا يَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ قَالَتْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللَّهَ قَالَ "يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِلَى تَمَامِ الْآيَتَيْنِ" فَقُلْتُ لَهُ فَفِي أَيِّ هَذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيَّ فَإِنِّي أُرِيدُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ ﴾

"جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنی ازواج کو (اپنے ساتھ رہنے یا علیحدہ ہو جانے کا) اختیار دیں تو آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں تم سے ایک معاملے کے متعلق کہنے آیا ہوں ضروری نہیں کہ تم اس میں جلد بازی سے کام لو' اپنے والدین سے بھی مشورہ کر سکتی ہو۔ آپ ﷺ تو جانتے ہی تھے کہ میرے والد کبھی آپ ﷺ سے جدائی کا مشورہ نہیں دے سکتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر آپ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اے نبی! اپنی بیویوں سے فرمادیجئے' دو آیتوں کے آخر تک۔ میں نے عرض کیا' لیکن کس چیز کے لیے مجھے اپنے والدین سے مشورہ کی ضرورت ہے' کھلی ہوئی بات ہے کہ میں اللہ' اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہوں۔" (۱)

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

﴿ خَيَّرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَاخْتَرْنَا اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَلَمْ يَعُدَّ ذَلِكَ عَلَيْنَا شَيْئًا ﴾

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دے دیا اور ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو ہی پسند کیا تو اسے ہم پر کچھ بھی (یعنی طلاق وغیرہ) شمار نہیں کیا گیا۔" (۲)

معلوم ہوا کہ جب عورت کو اختیار دیا جائے اور وہ علیحدگی پسند کر لے تو اسے طلاق ہو جائے گی لیکن محض خاوند کے اختیار دینے سے ہی طلاق واقع نہیں ہو گی جیسا کہ گزشتہ صحیح حدیث میں ہے ﴿ فَلَمْ يَعُدَّ ذَلِكَ عَلَيْنَا شَيْئًا ﴾ "آپ ﷺ نے اسے ہم پر کچھ شمار نہ کیا۔"

---

(۱) [بخاری (٤٧٨٥) کتاب التفسیر : باب قوله : یایها النبی قل لأزواجك ' مسلم (١٤٧٥) کتاب الطلاق : باب بیان أن تخییر امرأته لا یکون طلاقا الا بالنیة ' ترمذی (٣٢٠٤) کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة الأحزاب ' نسائی (٣٢٠١) نسائی فی السنن الکبری (٥٦٣٢/٣)]

(۲) [بخاری (٥٢٦٢) کتاب الطلاق : باب من خیر نسائه ' مسلم (١٤٧٧) کتاب الطلاق : باب بیان أن تخییر امرأته لا یکون طلاقا الا بالنیة ' ابو داود (٢٢٠٣) کتاب الطلاق : باب فی الخیار ' ترمذی (١١٨٩) کتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء فی الرجل یسأله أبوه أن یطلق زوجته ' ابن ماجة (٢٠٥٢) کتاب الطلاق : باب الرجل یخیر امرأته ' أحمد (٢٣٩/٦)]

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔(۱)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) جب مرد اپنی بیوی کو کہے کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور وہ شوہر کو چھوڑ کر علیحدگی اختیار کر لے تو طلاق ہو جائے گی۔(۲)

شوہر کے نمائندے کی طرف سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی

چونکہ معاملات میں بیشتر دلائل سے مطلقاً وکیل (یعنی نمائندہ) بنانا ثابت ہے لہٰذا طلاق میں بھی کسی کو اپنا وکیل بنایا جا سکتا ہے الا کہ کوئی ایسی دلیل مل جائے جو اس سے منع کرتی ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ایسے آدمی کے متعلق دریافت کیا گیا جو اپنی بیوی کا معاملہ اپنے والد کے ہاتھ میں دے دیتا ہے (یعنی اپنے والد کو اجازت دے دیتا ہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دے دے) تو ان سب نے اس کی طلاق کو جائز قرار دیا جیسا کہ امام ابو بکر البرقانیؒ نے اپنی کتاب " المخرج علی الصحیحین " میں اسے نقل کیا ہے۔(۳)

(سید سابقؒ) اگر آدمی اپنی بیوی کا معاملہ کسی اور کے ہاتھ میں کر دے تو درست ہے۔(٤)

(شیخ صالح بن فوزان) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

نیت نہ ہو تو بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے طلاق نہیں ہو گی

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ

﴿ إِذَا حَرَّمَ امْرَأَتَهُ لَيْسَ بِشَيْءٍ وَقَالَ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" ﴾

"اگر کسی نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لیا تو یہ کچھ نہیں ہے۔ اور مزید فرمایا کہ تمہارے لیے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی بیویوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور اسے کچھ شمار نہیں کیا تھا)۔"

---

(۱) [مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: نیل الأوطار (۳۳۷/٤) تحفة الأحوذی (۳۹۱/٤) حلية العلماء فی معرفة مذاهب الفقهاء (۳۹/۷) بداية المجتهد (۷۱/۲)]

(۲) [تحفة الأحوذی (۳۸۷/٤)]

(۳) [كما فی الروضة الندية (۱۱۹/۲)]

(٤) [فقه السنة (۲۹۲/۲)]

(٥) [الملخص الفقهی (۳۱۱/۲)]

(2) صحیح مسلم کی روایت میں یہ لفظ ہیں:

﴿إِذَا حَرَّمَ الرَّجُلُ عَلَيْهِ امْرَأَتَهُ فَهِيَ يَمِينٌ يُكَفِّرُهَا﴾

"جب مرد نے اپنی بیوی کو حرام قرار دے دیا تو وہ قسم شمار ہوگی اور اس کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔"(۱)

(3) صحیح مسلم کی اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا گیا ہے:

((بَابُ وُجُوبِ الْكَفَّارَةِ عَلَى مَنْ حَرَّمَ امْرَأَتَهُ وَلَمْ يَنْوِ الطَّلَاقَ))

"ایسے شخص پر کفارے کے وجوب کا بیان جس نے اپنی بیوی کو (اپنے اوپر) حرام کر لیا اور طلاق کی نیت نہیں کی۔"

(4) حضرت انس سے مروی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی لونڈی کو اپنے نفس پر حرام کر لیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ﴾ [التحریم:۱]

"اے نبی! کیوں تو حرام کرتا ہے جس کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے۔"(۲)

(ابن قیمؒ) رقمطراز ہیں کہ اس مسئلے میں سلف و خلف میں اختلاف ہونے کی وجہ سے اہل علم کے تیرہ اصولی اقوال ہیں جو کہ بیس مذاہب پر متفرع ہوتے ہیں۔(۳)

ان سب میں سے راجح قول یہ ہے کہ (بغیر طلاق کی نیت کے صرف) عورت کو حرام کر لینے سے کوئی طلاق بھی واقع نہیں ہوتی بلکہ یہ قسم ہے اور اس کا کفارہ ادا کر دیا جائے گا جیسا کہ گزشتہ روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے نیز اس کے قسم ہونے کی دلیل قرآن کی یہ آیت بھی ہے:

﴿ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ ﴾ [التحریم : ۲]

"تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کھول دینا مقرر کر دیا ہے۔"

اس آیت میں قسم سے مراد نبی کریم ﷺ کا اپنے اوپر شہد کو حرام کر لینا ہے جیسا کہ اس سے پچھلی

---

(۱) [بخاری (۵۲۶۶) کتاب الطلاق : باب لم تحرم ما أحل الله لك ' مسلم (۱۴۷۳) کتاب الطلاق : باب وجوب الکفارة علی من حرم امرأته ولم ینو الطلاق]

(۲) [صحیح : صحیح نسائی (۳۶۹۵) کتاب عشرة النساء : باب الغیرة ' نسائی (۳۹۵۹) حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[فتح الباری (۳۷۶/۹)]

(۳) [زاد المعاد (۳۰۲/۵)]

آیت میں حرمت کا ذکر ہے۔

(ابو حنیفہؒ) بیوی کو حرام قرار دینا قسم کے مترادف ہے۔

(شافعیؒ) اگر تو حرام قرار دینے سے اس کی نیت طلاق کی ہوگی تو طلاق واقع ہو جائے گی' اگر اس سے ظہار کی نیت ہوگی تو ظہار ہو جائے گا اور اگر طلاق و ظہار کے علاوہ اس سے محض عورت کو حرام کرنا ہی مقصود ہوگا تو اس (حرمت کے) لفظ کی وجہ سے قسم کا کفارہ لازم ہوگا لیکن یہ قسم نہیں ہوگی اور اگر کچھ بھی نیت نہ ہو تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا (اور امام شافعیؒ کا ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ (حرام قرار دینا) لغو ہوگا جس میں کوئی کفارہ نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی اور احکام نافذ ہوں گے۔

(نوویؒ) انہوں نے امام شافعیؒ کے دوسرے قول کو اپنا مذہب قرار دیا ہے۔

(امیر صنعانیؒ) کفارہ صرف اس صورت میں ہوگا جب قسم کھائی ہو ورنہ صرف حرام کر لینا لغو ہوگا۔(۱)

(سید سابقؒ) اگر عورت کو حرام قرار دینے سے طلاق کا ارادہ ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر محض مقصود تحریم ہی ہو تو عورت حرام نہیں ہوگی۔ نیز شوہر کو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔(۲)

(سعودی مجلس افتاء) کسی نے دریافت کی کہ ایسے شخص کا کیا حکم ہے جس نے اپنی بیوی سے کہا' تو مجھ پر حرام ہے؟ تو مجلس نے جواب دیا کہ

اگر تو اپنے نفس پر بیوی کو حرام قرار دینے سے اس کا ارادہ طلاق کا تھا تو یہ ایک طلاق شمار ہو جائے گی' وہ بیوی سے ہم بستر ہو چکا تھا تو عدت میں رجوع کا حق رکھتا ہے' بشرطیکہ یہ تحریم تیسری طلاق کی جگہ واقع نہ ہوئی ہو کیونکہ اگر ایسا ہوا تو پھر وہ عورت صرف اسی صورت میں حلال ہو سکتی ہے جب وہ کسی اور مرد سے نکاحِ شرعی کر لے (اور پھر وہ اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے) اور اگر عورت سے ہم بستری نہیں ہوئی تھی تو اس سے رجوع نہیں ہو سکتا' اب وہ اس کے لیے صرف نئے نکاح' نئے مہر اور عورت کی رضامندی کے ساتھ ہی حلال ہو سکتی ہے۔

اور اگر بیوی کو حرام قرار دینے سے اس کا مقصد طلاق نہیں تھا تو پھر طلاق شمار نہیں ہوگی' اس پر ظہار کا کفارہ لازم ہوگا اور وہ یہ ہے کہ ایک مومن غلام آزاد کرنا' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو مسلسل دو ماہ کے روزے

---

(۱) [سبل السلام (۱۴۵۴/۳) شرح مسلم للنووی (۴۱۱/۵)]

(۲) [ملخصا' فقه السنة (۲۷۱/۲)]

رکھنا اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا۔(۱)

تحریری طور پر بھیجی گئی طلاق واقع ہو جائے گی

(سید سابقؒ) لکھ کر طلاق ہو جاتی ہے اگرچہ لکھنے والا بولنے پر بھی قادر ہو۔ جیسے شوہر بول کر بیوی کو طلاق دے سکتا ہے اسی طرح اس کے لیے لکھ کر طلاق دینا بھی جائز ہے۔ البتہ فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کی لکھائی واضح ہو۔ واضح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس طرح صاف انداز میں ہو کہ کاغذ وغیرہ پر پڑھی جا سکے۔ جبکہ لکھی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کے نام' پتہ پر لکھی ہو یعنی وہ اس میں لکھے 'اے فلاں عورت! تجھ کو طلاق ہے۔ اگر لکھائی اس کی طرف منسوب نہ کرے مثلاً یوں لکھ دے کہ تجھ کو طلاق ہے یا میری بیوی کو طلاق ہے تو طلاق نیت کے بغیر واقع نہیں ہو گی کیونکہ احتمال ہے کہ اس نے یہ تحریر طلاق کے مقصد سے نہیں لکھی بلکہ ممکن ہے اس نے اپنا خط اچھا کرنے کے لیے لکھی ہو۔(۲)

(شیخ ابو بکر جابر الجزائری) اگر طلاق دینے والا طلاق نامہ تحریر کر کے عورت کو روانہ کر دے تو طلاق واقع ہو جائے گی' کیونکہ زبان سے بولنا اور تحریر کرنا دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔(۳)

شوہر کا بیوی پر لعنت کرنا طلاق نہیں

(سعودی مجلس افتاء) کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی پر لعنت کرے اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی اور مسلمان پر لعنت کرنا جائز ہے۔ البتہ اس سے وہ اس پر حرام نہیں ہو گی بلکہ وہ اس کی بیوی ہی رہے گی کیونکہ لعنت طلاق نہیں۔ ایسے شوہر پر لازم ہے کہ جو کچھ بھی ہوا ہے اس کے لیے (اللہ تعالیٰ سے) توبہ واستغفار کرے' قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اور ہماری (سب کی) توبہ قبول کر لیں۔(٤)

(شیخ ابن بازؒ) اگر مرد عورت پر لعنت کرے یا اس سے اللہ کی پناہ مانگے تو وہ اس پر حرام نہیں ہو جاتی البتہ اس کلام کی وجہ سے اس پر توبہ لازم ہے اور اپنی بیوی سے معافی بھی مانگے جس پر اس نے لعنت کی تھی۔ کیونکہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان مرد یا عورت پر خواہ اس کی بیوی ہو یا کوئی اور ہو' لعنت کرنا جائز نہیں۔

---

(۱) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۹۵/۲۰)]

(۲) [فقه السنة (۲۷۲/۲)]

(۳) [منهاج المسلم' مترجم (ص/ ٦٤٤)]

(٤) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۳۳/۲۰)]

بلکہ یہ بڑے گناہوں میں سے ہے۔(۱)

گونگے کا اشارہ طلاق کے لیے کافی ہے

امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے کہ

((بابُ الإشَارَةِ فِي الطَّلَاقِ وَالأُمُورِ)) ''طلاق اور دیگر اُمور میں اشارے کا بیان۔''

اور اس کے تحت وہ احادیث نقل فرمائی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسا اشارہ جس کا مطلب سمجھ آ رہا ہو' بولنے کی طرح ہی ہے مثلاً اگر کوئی گونگا شخص طلاق کا اشارہ کرے اور وہ سمجھ آ رہا ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام بخاریؒ کی اشارے کے معتبر ہونے کے متعلق نقل کردہ احادیث میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿طَافَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى بَعِيرِهِ وَكَانَ كُلَّمَا أَتَى عَلَى الرُّكْنِ "أَشَارَ إِلَيْهِ" وَكَبَّرَ وَقَالَتْ زَيْنَبُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فُتِحَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هٰذِهِ "وَعَقَدَ تِسْعِينَ"﴾

''رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف اپنے اونٹ پر سوار ہو کر کیا اور آپ ﷺ جب بھی رکن کے پاس آتے تو اس کی طرف اشارہ کر کے تکبیر کہتے اور زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا' یاجوج ماجوج کے دیوار میں اتنا سوراخ ہو گیا ہے اور آپ نے اپنی انگلیوں سے نوے **(90)** کا عدد بنایا۔''(۲)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو القاسم (یعنی محمد) ﷺ نے فرمایا:

﴿فِي الْجُمُعَةِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ قَائِمٌ يُصَلِّي فَسَأَلَ اللّٰهَ خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ وَقَالَ "بِيَدِهِ وَوَضَعَ أَنْمُلَتَهُ عَلَى بَطْنِ الْوُسْطَى وَالْخِنْصِرِ "قُلْنَا يُزَهِّدُهَا﴾

''جمعہ میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے جو مسلمان بھی اس وقت کھڑا نماز پڑھے اور اللہ سے کوئی خیر مانگے تو اللہ اسے ضرور دے گا۔ آپ ﷺ نے (اس گھڑی کی وضاحت کرتے ہوئے) اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا اور اپنی انگلیوں کو درمیانی انگلی اور چھوٹی انگلی کے بیچ میں رکھا جس سے ہم نے سمجھا کہ آپ اس

(۱) [فتاوی ابن باز' مترجم (۱/۱۷۶)]

(۲) [بخاری (۵۲۹۳) کتاب الطلاق]

گھڑی کے بہت مختصر ہونے کی وضاحت کر رہے ہیں۔" (۱)

(3) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿عَدَا يَهُودِيٌّ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى جَارِيَةٍ فَأَخَذَ أَوْضَاحًا كَانَتْ عَلَيْهَا وَرَضَخَ رَأْسَهَا فَأَتَى بِهَا أَهْلُهَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَهِيَ فِي آخِرِ رَمَقٍ وَقَدْ أُصْمِتَتْ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ قَتَلَكِ فُلَانٌ لِغَيْرِ الَّذِي قَتَلَهَا فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا قَالَ فَقَالَ لِرَجُلٍ آخَرَ غَيْرِ الَّذِي قَتَلَهَا فَأَشَارَتْ أَنْ لَا فَقَالَ فَفُلَانٌ لِقَاتِلِهَا "فَأَشَارَتْ أَنْ نَعَمْ فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَرُضِخَ رَأْسُهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ"﴾

"نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک یہودی نے ایک لڑکی پر ظلم کیا' اس کے چاندی کے زیورات جو وہ پہنے ہوئے تھی چھین لیے اور اس کا سر کچل دیا۔ لڑکی کے گھر والے اسے آپ ﷺ کے پاس لائے تو اس کی زندگی کی بس آخری گھڑی باقی تھی اور وہ بول نہیں سکتی تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کس نے مارا ہے' فلاں نے؟ آپ ﷺ نے اس واقعہ سے غیر متعلق شخص کا نام لیا' اس لیے اس نے اپنے سر سے اشارہ کر کے کہا کہ نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ایک دوسرے شخص کا نام لیا اور وہ بھی اس واقعہ سے غیر متعلق تھا تو لڑکی نے سر کے اشارے سے کہا کہ نہیں' پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ فلاں نے تمہیں مارا ہے؟ تو اس نے سر کے اشارے سے کہا' ہاں۔ تو آپ ﷺ نے (محض لڑکی کے اشارے کی وجہ سے) اس آدمی (یہودی) کے متعلق حکم دیا اور اس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا گیا۔" (۲)

(سید سابق ؒ) گونگے کے حوالہ سے اشارہ تفہیم کا ذریعہ ہے اس لیے یہ طلاق واقع کرنے میں لفظ کے قائم مقام ہو گا' جب وہ ایسا اشارہ کرے جو اس کے تعلق زوجیت کو ختم کرنے پر دلالت کرتا ہو۔ بعض فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر وہ لکھنا نہ جانتا ہو اور نہ اس کی طاقت رکھتا ہو (تب اس کا اشارہ طلاق کے لیے کافی ہو گا اور) اگر وہ لکھنے پر قادر ہو تو اشارہ کافی نہیں ہو گا۔ کیونکہ لکھائی مقصود پر زیادہ دلالت کرتی ہے اس لیے اسے چھوڑ کر محض اشارے کو ہی نہ اپنایا جائے الا کہ اس سے عاجز ہونے کی کوئی وجہ ہو۔ (۳)

---

(۱) [بخاری (۵۲۹٤) کتاب الطلاق]

(۲) [بخاری (۵۲۹۵) کتاب الطلاق]

(۳) [فقه السنة (۲۷۲/۲)]

ٹیلی فون پر طلاق

اگر دیگر شرائط موجود ہوں تو ٹیلی فون پر بھی طلاق دی جا سکتی ہے کیونکہ اس سے مقصود پورا ہو جاتا ہے۔

حرام قرار دینے کی قسم اور طلاق کا حکم

(شیخ ابن بازؒ) کسی نے ان سے دریافت کیا کہ حرام قرار دینے کی قسم اور طلاق کا کیا حکم ہے۔ حتی کہ ایسی قسم حلف اٹھانے والی کی عادت بن جائے؟

شیخ نے جواب دیا کہ

کسی چیز کو حرام کرنے کی قسم اٹھانا جائز نہیں۔ خواہ کسی کام کے متعلق کہے کہ میں یہ ضرور کروں گا' یا یوں کہے کہ مجھ پر حرام ہے اگر میں ایسا کروں' یا یوں کہے کہ میں ایسا نہ کروں گا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ﴾ [التحريم : ١]

"اے نبی! تم وہ چیز کیوں حرام کرتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے۔"

نیز اپنی بیویوں سے ظہار کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا ﴾ [المجادلة : ٢]

"اور یہ لوگ سخت ناپسندیدہ بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔"

اور اس لیے بھی کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ کے علاوہ کسی کی قسم اٹھانے سے منع کیا اور فرمایا:

﴿ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ ﴾ [ترمذی]

"جس نے اللہ کے علاوہ کسی کی قسم اٹھائی' اس نے شرک کیا۔"

اور بلا شبہ کسی حرام چیز کے متعلق انسان کا یہ کہنا کہ میں ایسا ضرور کروں گا' اللہ کے بغیر قسم اٹھانے کی ہی ایک قسم ہے۔

رہا طلاق کا معاملہ' تو اس کے متعلق قسم اٹھانا مکروہ ہے۔ جیسا کہ یوں کہے "مجھ پر طلاق" میں ایسا کروں گا' یا اگر میں ایسا کروں تو تجھ پر طلاق ہے۔ کیونکہ ایسا کہنے سے کبھی طلاق واقع ہو بھی جاتی ہے' جو شرعی سبب کے بغیر ہو تو اللہ کے ہاں انتہائی زیادہ قابل نفرت چیز ہے اور یہ بات صرف غصہ یا کسی معاملہ میں تیزی

دکھلانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔(۱)

کیا بیوی کی پشت میں جماع کرنا طلاق ہے یا یوں وہ حرام ہو جاتی ہے؟

(شیخ ابن بازؒ) عورت کی دبر میں وطی کرنا کبیرہ گناہوں اور بدترین نافرمانیوں میں سے ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص اپنی عورت کی دبر میں وطی کرے' وہ ملعون ہے۔"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص نے کسی مرد سے یا عورت کی دبر میں وطی کی' اللہ اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔"

اور جو شخص ایسا کام کرے اس پر جلد از جلد توبہ کرنا واجب ہے۔ جو یہ ہے کہ وہ گناہ چھوڑ دے اور یہ چھوڑنا اللہ کی تعظیم اور اس کے عذاب سے بچنے کی وجہ سے اور جو کچھ وہ کر چکا ہے اس پر نادم ہو اور آئندہ وہ کام دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔ ساتھ ہی نیک اعمال کی کوشش بھی کرے اور جو شخص سچی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کرتا اور اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔

اور علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق ایسے شخص پر کوئی کفارہ نہیں جو دبر (پشت) میں وطی کرے' نہ ہی اس کی بیوی اس پر حرام ہوتی ہے' بلکہ اس کے نکاح میں بحال رہے گی۔(۲)

(سعودی مجلس افتاء) انہوں نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے (یعنی ایسا کرنے سے طلاق واقع ہوتی ہے اور نہ ہی بیوی حرام ہوتی ہے' البتہ کبیرہ گناہ ضرور ہے جس کی توبہ لازم ہے)۔(۳)

طلاق دیتے وقت انشاء اللہ کہنا

مثلاً یوں کہنا کہ انشاء اللہ (اگر اللہ نے چاہا تو) تو طلاق والی ہے۔ امام ابن حزمؒ کا کہنا ہے کہ ایسی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۝ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ﴾ [الكهف: ۲۳-۲٤]

"اور ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا مگر ساتھ ہی انشاء اللہ کہہ دینا (کیونکہ تم یہ

---

(۱) [فتاوی ابن باز' مترجم (۱۷۱/۱)]

(۲) [ملخصا' فتاوی ابن باز (۱۸۲/۱)]

(۳) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۹٦/۲۰)]

نہیں جانتے کہ اس کام کی توفیق ملنی بھی ہے کہ نہیں)۔"

اور اللہ تعالیٰ نے (ایک دوسرے مقام پر) فرمایا:

﴿وَمَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ﴾ [الانسان : ۳۰]

"اور تم اللہ کے چاہنے کے بغیر کچھ نہیں چاہ سکتے۔"

ہم جانتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا اس طلاق کے نفاذ کا ارادہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ بغیر انشاء اللہ کہے طلاق کے الفاظ نکالنا اس کے لیے پسندیدہ بنادیتے۔ (جب ایسا نہیں ہے تو) ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا اس طلاق کے وقوع کا ارادہ ہی نہیں ہے۔(۱)

(علامہ مرغینانی ؒ) انہوں نے بھی یہی مؤقف اپنایا ہے (کہ انشاء اللہ کہہ دینے سے طلاق نہیں ہوتی)۔(۲)

(ابن تیمیہ ؒ) اگر آدمی اپنی بیوی سے کہے انشاء اللہ تو طلاق والی ہے (اور انشاء اللہ کہنے سے مقصود اس کا یہ ہو کہ) طلاق واقع نہ ہو (تو طلاق واقع نہیں ہو گی)۔ اکثر علماء کا یہی مؤقف ہے اور اگر اس کا ارادہ طلاق دینے کا ہو اور وہ انشاء اللہ صرف تاکید و تثبیت کے لیے کہے تو اکثر علماء کے نزدیک یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ البتہ بعض علماء کا مؤقف یہ بھی ہے کہ جس نے (طلاق دیتے وقت انشاء اللہ کہا) مطلق طور پر اس کی طلاق واقع نہیں ہو گی اور بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ الفاظ کہنے سے ہر حال میں طلاق واقع ہو جائے گی جبکہ وہ تفصیل جو ہم نے ذکر کی ہے وہی درست ہے (یعنی اگر نیت ہو گی تو طلاق ہو جائے گی اور نیت نہیں ہو گی طلاق نہیں ہو گی۔) (۳)

---

(۱) [المحلى بالآثار (۴۸۴/۹)]

(۲) [نصب الراية مع الهداية (۳۲۹/۳)]

(۳) [الأخبار العلمية من الاختيارات الفقهية (ص / ۳۸۲)]

باب من لا يقع منه الطلاق جس کی طرف سے طلاق واقع نہیں ہوتی

بچے کی طلاق

اگر بچے کا بلوغت سے قبل ہی نکاح کر دیا گیا ہو اور وہ بالغ ہونے سے پہلے ہی اپنی منکوحہ کو طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ بچہ حدِ بلوغت کو نہ پہنچنے کی وجہ سے مکلف نہیں اور طلاق صرف مکلف کی طرف سے ہی واقع ہوتی ہے۔ نیز ایک حدیث میں بھی ہے کہ تین آدمی مرفوع القلم ہیں' ان میں سے ایک ایسا بچہ ہے جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو۔

پاگل کی طلاق

پاگل چونکہ عقل نہ ہونے کی وجہ سے مکلف نہیں اس لیے اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ حدیث میں اسے بھی مرفوع القلم کہا گیا ہے یعنی اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے گا تو اسے لکھا نہیں جائے گا۔ نیز معاملات میں اس کے کسی بھی قول و قرار کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (خواہ وہ طلاق کے متعلق ہو یا کسی اور معاملے کے متعلق)۔

مغلوب العقل کی طلاق

شراب یا کسی اور نشہ آور چیز کے استعمال کی وجہ سے جس کی عقل پر پردہ پڑ چکا ہو اور وہ کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قاصر ہو تو اس حالت میں اگر وہ طلاق دے دے تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ طلاق صرف ایسے شخص کی طرف سے ہی واقع ہوتی ہے جس کی نیت ہو اور ایسے شخص کی کوئی نیت نہیں ہوتی۔

مجبور کی طلاق

جسے طلاق دینے پر مجبور کیا گیا ہو اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایسے شخص کا گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے جسے اس کے کرنے پر مجبور کیا گیا ہو۔ نیز قرآن کی نص سے یہ بات ثابت ہے کہ اگر کسی کو مجبور کر کے کلمہ کفر بھی کہلوا لیا جائے تو اسے کوئی گناہ نہیں ہوتا بشرطیکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو اور بلاشبہ طلاق کفر و شرک سے کم تر درجہ رکھتی ہے۔

سونے والے کی طلاق

سونے والا چونکہ مکلف نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی طلاق کی نیت ہوتی ہے اس لیے اگر کوئی شخص سوتے ہوئے (یعنی خواب میں) اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو ایسی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

بھولنے والے کی طلاق

یعنی کوئی شخص بھول کر اپنی بیوی کو طلاق دے بیٹھے تو ایسی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس میں اس کا طلاق کا قصد ہی نہیں تھا۔

غصہ والے کی شدید غصے میں طلاق

اگر کوئی شخص ایسے شدید غصے میں طلاق دے کہ جس کی وجہ سے اس کی عقل پر پردہ پڑ چکا ہو تو ایسی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ یہ صورت اغلاق کی ہے کہ جس کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ "اغلاق میں طلاق نہیں ہوتی۔"

خطا والے کی طلاق

مراد ایسا شخص ہے جو بولنا تو کچھ اور چاہتا تھا مگر سبقت لسانی کی وجہ سے زبان سے طلاق کے کلمات نکل گئے۔ ایسے شخص کی طلاق اس لیے واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس کی طلاق کی نیت ہی نہیں تھی اور اس لیے بھی کہ حدیث میں خطا سے سرزد ہو جانے والے گناہ کو قابل معافی کہا گیا ہے۔

(ابن حزمؒ) خطا سے دی گئی طلاق شمار نہیں کی جائے گی۔(۱)

مدہوش کی طلاق

مراد ایسا شخص ہے جسے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے' اس کا سبب اسے پہنچنے والا کوئی صدمہ ہے جو اس کی عقل کو لے گیا ہے' اس نے اس کی فکر کو ختم کر دیا ہے۔ ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوگی جیسا کہ پاگل' مغلوب العقل اور جس پر بے ہوشی طاری ہو' کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ نیز جن کی عقل میں بڑھاپے یا کسی بیماری کی وجہ سے خلل آ جائے یا اچانک پہنچنے والی کسی مصیبت کی وجہ سے ایسا ہو جائے (تو ان کی طلاق

---

(۱) [المحلی بالآثار (۳۷۵/۹)]

بھی واقع نہیں ہوگی)۔(۱)

جس کا ابھی نکاح نہیں ہوا

اگر کسی شخص کا نکاح نہ ہوا ہو تو اس کی طرف سے طلاق واقع نہیں ہوتی مثلاً اگر کوئی نکاح سے پہلے ہی کہے کہ جب میرا فلاں عورت سے نکاح ہو تو اسے میری طرف سے طلاق وغیرہ وغیرہ۔ تو ایسی صورت میں طلاق اس لیے واقع نہیں ہوتی کیونکہ فرمانِ نبوی ہے کہ "نکاح سے پہلے طلاق نہیں" اور اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "ایسی چیز میں طلاق نہیں جس کا انسان مالک نہیں۔"

❑ واضح رہے کہ مذکورہ بالا تمام مسائل کے دلائل تکرار سے اجتناب کی غرض سے ذکر نہیں کیے گئے کیونکہ تقریباً یہ تمام مسائل مفصل دلائل کے ساتھ گزشتہ ابواب میں مختلف عنوانات کے تحت گزر چکے ہیں۔ یہاں اس انداز میں ان مسائل کو جمع کرنے سے مقصود محض یہ ہے کہ اُن حضرات کا خاکہ قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے جن کی دی ہوئی طلاق شرعی اعتبار سے مؤثر نہیں ہوتی۔

---

(۱) [فقه السنة (۲۶۸/۲)]

باب الرجعة رجوع کا بیان

رجوع کا معنی ومفہوم

لفظی طور پر رجوع کا معنی "لوٹنا" ہے اور اصطلاحی طور پر رجوع یہ ہے کہ بیوی کو پہلی یا دوسری (رجعی) طلاق دینے کے بعد عدت کے اندر اندر اس سے دوبارہ بسنے کی نیت سے صلح کر لینا۔

رجعی طلاق کی عدت میں شوہر رجوع کا زیادہ حق دار ہے

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ﴾ [البقرة : ۲۲۸]

"ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے زیادہ حقدار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔"

(2) ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ

﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ﴾ [البقرة : ۲۳۱]

"جب اپنی بیویوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کے ختم ہونے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں روک لو (یعنی رجوع کر لو)۔"

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

﴿ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ﴾ "اسے حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کرے۔"(۱)

(4) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی پھر رجوع کر لیا۔(۲)

(5) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیت ﴿ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ...... ﴾ [البقرة : ۲۲۸] کے متعلق مروی ہے کہ

﴿وَذَلِكَ أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فَهُوَ أَحَقُّ بِرَجْعَتِهَا وَإِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَنَسَخَ ذَلِكَ وَقَالَ "الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ"﴾

---

(۱) [مسلم (۱٤۷۱) ابو داود (۲۱۸۱)]

(۲) [صحيح : صحيح ابو داود (۱۹۹۸) كتاب الطلاق : باب فى المراجعة ' ابو داود (۲۲۸۳) ابن ماجة (۲۰۱٦) كتاب الطلاق : باب ' نسائى (۲۱۳/٦) دارمى (۱٦۰/۲)]

''جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تو وہ اس سے رجوع کا زیادہ حق دار ہوتا خواہ اس نے تینوں طلاقیں ہی دے دی ہوں۔ پھر آیت ''طلاق دو مرتبہ ہے'' نے اسے (یعنی تین طلاقوں کے بعد رجوع کو) منسوخ کر دیا۔'' (۱)

اہل علم نے اجماع کیا ہے کہ جب کوئی آزاد شخص اپنی آزاد بیوی کو پہلی یا دوسری رجعی طلاق دے تو وہ اس سے رجوع کرنے کا زیادہ حق دار ہے اگرچہ عورت اسے ناپسند ہی کیوں نہ کرتی ہو۔(۲)

(ابن قدامہؒ) رجوع میں عورت کی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس پر اجماع ہے۔(۳)

(ابن منذرؒ) علماء کا اجماع ہے کہ آزاد آدمی جب تیسری طلاق کے علاوہ (پہلی یا دوسری) طلاق دیتا ہے تو اسے عدت میں رجوع کا حق ہوتا ہے۔(٤)

(عبداللہ بسامؒ) رجوع صرف طلاقِ رجعی میں ہی ہوتا ہے۔(٥)

(ابن قیمؒ) رجوع کے ذریعے بیوی کی اباحت بہت بڑی نعمت ہے۔ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق رکھتا ہے۔ پھر اگر (طلاق کے بعد) اس کے دل میں اس عورت کی رغبت پیدا ہوتی ہے تو اس کے پاس اسے لوٹانے کا ذریعہ موجود ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ اسے تیسری طلاق دے دے تو پھر کوئی ذریعہ باقی نہیں رہتا' الا کہ کسی دوسرے مرد سے بسنے کی نیت سے نکاح کے بعد۔(٦)

رجوع کے لیے گواہوں کی تقرری

رجوع کرنے کے لیے گواہوں کی تقرری ضروری نہیں بلکہ گواہوں کے بغیر بھی رجوع ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر گواہ میسر ہوں اور ان کی موجودگی میں رجوع کیا جائے تو یہ بہتر بہرحال ضرور ہے۔ جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا گیا جو طلاق دیتا ہے پھر رجوع کر لیتا ہے اور اس پر گواہ نہیں بناتا تو انہوں نے کہا' عورت کو طلاق دیتے وقت اور رجوع

---

(۱) [**حسن صحیح** : صحیح ابو داود (۱۹۲۱) کتاب الطلاق : باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث ' ابو داود (۲۱۹٥) نسائی (۱۸۷/٦)]

(۲) [فتح الباری (٦٠٦/١٠) نیل الأوطار (٣٤٨/٤) المغنی (٥٤٧/١٠)]

(۳) [المغنی لابن قدامة (٥٥٣/١٠)]

(٤) [کما فی توضیح الأحکام شرح بلوغ المرام (٥٢١/٥)]

(٥) [أيضا]

(٦) [أيضا]

کرتے وقت گواہ مقرر کر لیا کرو۔'' (۱)

(شوکانیؒ) رجوع کے لیے گواہوں کی موجودگی واجب نہیں۔(۲)

(شیخ عبداللہ بسامؒ) رجوع کے لیے گواہوں کی تقرری مشروع ہے۔(۳)

البتہ ائمہ اربعہ نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے:

(احمدؒ، ابو حنیفہؒ، مالکؒ) گواہوں کی تقرری بہتر ہے (واجب یا شرط نہیں)۔

(شافعیؒ) گواہوں کی موجودگی شرط ہے (ایک روایت امام احمدؒ سے بھی یہی ہے)۔(٤)

حق رجوع کی حکمت

یہ ہے کہ انسان جب اپنی بیوی کے ساتھ ہوتا ہے تو اسے علم نہیں ہوتا کہ اس کی جدائی اسے گراں گزرے گی یا نہیں لیکن جب جدائی ہو جاتی ہے تب یہ بات سمجھ میں آتی ہے تو اگر اللہ تعالیٰ ایک طلاق کو ہی رجوع سے رکاوٹ بنا دیتے تو انسان پر مشقت بہت زیادہ ہو جاتی کہ جب جدائی کے بعد دوبارہ محبت پیدا ہوتی تو اس وقت تجربہ ہوتا۔ لہٰذا اگر عورت کو روک لینا زیادہ مناسب ہو تو وہ اس سے رجوع کرے اور اسے معروف طریقے سے رکھے اور اگر چھوڑ دینا زیادہ پر مصلحت ہو تو اچھے طریقے سے اسے رخصت کر دے۔(٥)

رجوع کس طرح کیا جائے گا؟

راجح بات یہ ہے کہ رجوع قول و فعل ہر طرح سے کیا جا سکتا ہے یعنی گفتگو و کلام وغیرہ کے ساتھ یا جماع و ہم بستری کے ساتھ' دونوں طرح درست ہے۔

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٦)

(احناف' اوزاعیؒ) ہم بستری کے ذریعے رجوع ہو جائے گا خواہ نیت ہو یا نہ ہو۔ سعید بن میسبؒ، امام حسنؒ،

---

(۱) [صحیح: صحیح ابو داود (۱۹۱۵) کتاب الطلاق: باب الرجل یراجع ولا یشهد ' إرواء الغلیل (۲۰۷۸) ابو داود (۲۱۸٦) ابن ماجة (۲۰۲۵) کتاب الطلاق: باب الرجعة]

(۲) [نیل الأوطار (۳٤۹/٤)]

(۳) [توضیح الأحکام شرح بلوغ المرام (۵۲۳/۵)]

(٤) [أیضا]

(٥) [کما فی تفسیر اللباب فی علوم الکتاب (۱۳٤/٤)]

(٦) [نیل الأوطار (۳٤۸/٤)]

امام ثوریؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا بھی یہی موقف ہے۔

(مالکؒ، اسحاقؒ) ہم بستری کے ذریعے تب رجوع ہو گا جب اس کی نیت ہو۔

(شافعیؒ) رجوع صرف کلام کے ساتھ ہی کیا جائے گا۔ امام احمدؒ سے بھی ایک یہی قول مروی ہے۔(۱)

رجوع سے پہلے ہم بستری کا حکم

(ابن العربیؒ) ہمارے نزدیک رجعی طلاق یافتہ عورت سے ہم بستری حرام ہے۔

(ابن عمر رضی اللہ عنہما، عطاءؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابو حنیفہؒ) اس سے ہم بستری جائز ہے۔ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ ایسی طلاق ہے جو نکاح کو منقطع نہیں کرتی لہٰذا ہم بستری حرام نہیں ہو گی۔(۲)

ایک تیسری رائے یہ بھی ہے کہ ہم بستری کرنے سے از خود رجوع ہی ہو جائے گا خواہ شوہر کی یہ نیت ہو یا نہ ہو کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ

"تین باتیں ایسی ہیں جنہیں اگر سنجیدگی سے کہا جائے تو بھی پختہ ہیں اور اگر مذاق سے کہا جائے تو بھی سنجیدگی (یعنی حقیقت کی طرح واقع ہو جاتی) ہیں۔ ایک نکاح' دوسری طلاق اور تیسری رجوع۔"(۳)

تیسری طلاق کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا الا کہ عورت کسی دوسرے سے نکاح کرے

تیسری طلاق کے بعد مرد کو رجوع کا حق نہیں رہتا البتہ اگر عورت بسنے کی نیت سے کسی اور مرد سے نکاح کرلے اور پھر وہ اس سے ہم بستری کے بعد کبھی اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے تو وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی۔

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

---

(۱) [المغنى (۱۰/۵۵۹) الأم (۵/۲٤٤) المبسوط (٦/۱۹) بداية المجتهد (۲/۸۵) نيل الأوطار (٤/۳٤۸)]

(۲) [تفسير أحكام القرآن لابن العربى (٤/۲۰۵)]

(۳) [حسن: صحيح ابو داود (۱۹۲۰) كتاب الطلاق: باب فى الطلاق على الهزل' ابو داود (۲۱۹٤) ترمذى (۱۱۸٤) كتاب الطلاق]

أَن يَتَرَاجَعَا إِن ظَنَّا أَن يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ﴾ [البقرة : ٢٣٠]

"پھر اگر اس کو (تیسری بار) طلاق دے دے تو اب (وہ عورت) اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ اس کے سوا کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے' پھر اگر وہ بھی (کبھی اپنی مرضی سے) طلاق دے دے تو ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملنے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔"

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

﴿جَاءَتْ امْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِي فَأَبَتَّ طَلَاقِي فَتَزَوَّجْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الزَّبِيرِ إِنَّمَا مَعَهُ مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ فَقَالَ أَتُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ "لَا حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ" وَأَبُو بَكْرٍ جَالِسٌ عِنْدَهُ وَخَالِدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ بِالْبَابِ يَنْتَظِرُ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ أَلَا تَسْمَعُ إِلَى هَذِهِ مَا تَجْهَرُ بِهِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ﴾

"حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں رفاعہ کے نکاح میں تھی۔ پھر مجھے انہوں نے طلاق دے دی اور قطعی طلاق (یعنی طلاقِ بائن) دے دی۔ پھر میں نے عبد الرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی۔ لیکن ان کے پاس تو (شرمگاہ) اس کپڑے کی گانٹھ کی طرح ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا تو رفاعہ کے پاس دوبارہ جانا چاہتی ہے۔ لیکن تو اب اس وقت تک ان سے شادی نہیں کر سکتی جب تک تو عبد الرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ کا مزانہ چکھ لے اور وہ تمہارا مزانہ چکھ لے (یعنی تم ہم بستر نہ ہو جاؤ)۔ اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں موجود تھے اور خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ دروازے پر اپنے لیے (اندر آنے کی) اجازت کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا' ابو بکر! کیا اس عورت کو نہیں دیکھتے نبی کریم ﷺ کے سامنے کس طرح کی باتیں زور زور سے کہہ رہی ہے۔" (١)

کسی دوسرے سے نکاح کے بعد ہم بستری بھی ضروری ہے

(1) جیسا کہ گزشتہ حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

---

(١) [بخاری (٢٦٣٩) کتاب الشهادات : باب شهادة المختبئ ' مسلم (١٤٣٣) کتاب النكاح : باب لا تحل المطلقة ثلاثا لمطلقها حتى تنكح زوجا غيره ' ابو داود (٢٣٠٩) کتاب الطلاق : باب المبتوتة لا يرجع اليها زوجها حتى تنكح زوجا ' ترمذی (١١١٨) کتاب النكاح : باب ما جاء فيمن يطلق امرأته ثلاثا فيتزوجها آخر ' ابن ماجة (١٩٣٢) کتاب النكاح : باب الرجل يطلق امرأته ثلاثا]

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس (یعنی مذکورہ بالا رفاعہ رضی اللہ عنہ کی) روایت میں مزہ چکھنے سے مراد جماع ہے۔(۱)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

﴿سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَيَتَزَوَّجُهَا الرَّجُلُ فَيُغْلِقُ الْبَابَ وَيُرْخِي السِّتْرَ ثُمَّ يُطَلِّقُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا قَالَ لَا تَحِلُّ لِلْأَوَّلِ حَتَّى يُجَامِعَهَا الْآخَرُ﴾

"نبی کریم ﷺ سے ایسے آدمی کے متعلق دریافت کیا گیا جو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا ہے پھر اس عورت سے کوئی اور مرد نکاح کر لیتا ہے' (نکاح کے بعد) دروازہ بند کر دیتا ہے' پردہ لٹکا لیتا ہے (یعنی ان دونوں کے درمیان خلوت صحیحہ واقع ہو جاتی ہے) پھر وہ اسے ہم بستری کیے بغیر ہی طلاق دے دیتا (تو کیا وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو گی؟) آپ ﷺ نے فرمایا' وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہو گی حتی کہ دوسرا شوہر اس سے ہم بستری نہ کر لے۔"(۲)

(جمہور) تیسری طلاق یافتہ عورت پہلے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہو گی جب تک کہ وہ عدت گزارنے کے بعد کسی اور سے نکاح نہ کر لے اور پھر وہ اس سے مباشرت نہ کر لے۔

(سعید بن مسیبؒ، سعید بن جبیرؒ) مجرد عقدِ نکاح سے ہی وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی۔(۳)

(راجح) پہلا قول ہی راجح ہے جیسا کہ گزشتہ صحیح حدیث اس پر شاہد ہیں۔

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(ابن منذرؒ) سعید بن مسیبؒ کے سوا تمام علماء نے اجماع کیا ہے کہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہونے کے لیے (دوسرے شوہر کی) ہم بستری بھی شرط ہے۔(٥)

---

(۱) [احمد (٦٢/٦) دارقطنی (٢٥٢/٣) أبو نعيم فى الحلية (٢٢٦/٩)]

(۲) [**صحيح لغيره** : صحيح نسائی ' نسائی (٣٤١٥) كتاب الطلاق : باب احلال المطلقة ثلاثا والنكاح الذى يحلها به ' ابن ماجه (١٩٣٣) كتاب النكاح : باب الرجل يطلق امرأته ثلاثا فتتزوج فيطلقها قبل أن يدخل بها أترجع الى الأول ' احمد (٢٥/٢-٦٢-٨٥)]

(۳) [تفسير قرطبى (١٤٧/٣) تفسير اللباب فى علوم الكتاب (١٤٦/٤)]

(٤) [نيل الأوطار (٣٥١/٤)]

(٥) [أيضا]

حلالہ کی غرض سے کسی دوسرے مرد سے نکاح حرام ہے

تین طلاقوں کے بعد عورت چونکہ شوہر کے لیے حرام ہو جاتی ہے' شوہر کو رجوع کا حق باقی نہیں رہتا لہٰذا اب اگر کوئی دوسرا شخص اس عورت سے یا یہ عورت کسی دوسرے شخص سے صرف پہلے شوہر کے لیے حلال ہونے کی نیت سے نکاح کرے تو یہ نکاح باطل ہے۔ جیسا کہ چند ایک دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمُحِلَّ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ﴾

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔''(۱)

(2) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ؟ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! قَالَ "هُوَ الْمُحَلِّلُ ' لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ "﴾

''کیا میں تمہیں اُدھار کے سانڈ کی خبر نہ دوں؟ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔''(۲)

(ابن تیمیہؒ) حلالے کے نکاح کے بطلان پر امت کا اتفاق ہے۔(۳)

(ابن قیمؒ) حلالہ کرنے والے کا نکاح کسی دین میں کبھی بھی جائز نہیں ہوا اور نہ ہی کسی ایک صحابی نے بھی ایسا کیا اور نہ ان میں سے کسی نے اس کا فتویٰ ہی دیا ہے۔(٤)

(سید سابقؒ) حلالہ یہ ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں ہو چکی ہوں اس کی عدت گزرنے کے بعد کوئی مرد اس سے نکاح کرے اور اس کے ساتھ ہم بستر بھی ہو۔ پھر اسے طلاق دے دے تاکہ وہ پہلے شوہر کے لیے

---

(۱) [صحیح : صحیح ترمذی (۸۹٤) کتاب النکاح : باب ما جاء فی المحلل والمحلل له ' ترمذی (۱۱۲۰) نسائی (١٤٩/٦) دارمی (١٥٨/٢) بیهقی (٢٠٨/٧) أحمد (٤٤٨/١)]

(۲) [حسن : صحیح ابن ماجة (١٥٧٢) کتاب النکاح : باب المحلل والمحلل له ' إرواء الغلیل (٣٠٩/٦) ابن ماجة (١٩٣٦) دارقطنی (٢٥١/٣) حاکم (١٩٩/٢) بیهقی (٣٠٨/٧)]

(۳) [فتاوی النساء لابن تیمیة (ص/٢٤٢)]

(٤) [أعلام الموقعین (٤١/٣-٤٣)]

حلال ہو جائے۔ نکاح کی یہ قسم بے حیائی اور گناہ کی بہت بڑی قسم ہے' اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔(۱)

(شیخ ابن عثیمینؒ) پہلے یہ سمجھ لینا بہتر ہے کہ نکاحِ حلالہ کیا چیز ہے؟ نکاحِ حلالہ یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتا ہے یعنی اسے طلاق دیتا ہے پھر رجوع کر لیتا ہے' پھر طلاق دیتا ہے پھر رجوع کر لیتا ہے' پھر تیسری مرتبہ طلاق دے دیتا ہے۔ اب یہ عورت جسے اس کے شوہر نے تین طلاقیں دی ہیں اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ کسی دوسرے مرد سے بسنے کی نیت سے نکاح نہ کر لے' وہ اس سے ہم بستری کرے اور پھر موت' طلاق یا فسخ کے ذریعے اس سے جدا ہو جائے۔ تب یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو گی۔

اب اگر لوگوں میں سے کوئی شخص تیسری طلاق یافتہ عورت سے اس نیت سے نکاح کرے کہ جب وہ اسے پہلے شوہر کے لیے حلال کر دے گا تو اسے طلاق دے دے گا یعنی جب اس سے (نکاح کے بعد) ہم بستری کر لے گا تو اسے طلاق دے دے گا اور پھر وہ عورت عدت پوری کر کے پہلے شوہر کی طرف لوٹ جائے گی تو ایسا نکاح فاسد و باطل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حلالہ کرنے اور کرانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے اور حلالہ کرنے والے کو اُدھار کے سانڈ کا نام دیا ہے۔

یہ نکاحِ حلالہ دو صورتوں پر مشتمل ہے:

① پہلی صورت یہ ہے کہ عقدِ نکاح پر حلالے کی شرط لگائی جائے' شوہر کے لیے کہا جائے کہ ہم اپنی بیٹی کی تیرے ساتھ اس شرط پر شادی کر رہے ہیں کہ تم اس سے ہم بستری کر کے اسے طلاق دے دو گے۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ (نکاح سے پہلے) ایسی کوئی شرط تو نہ لگائی جائے البتہ حلالے کی صرف نیت موجود ہو اور نیت بعض اوقات شوہر کی طرف سے ہوتی اور بعض اوقات شوہر اور اس کے اولیاء کی طرف سے۔ پس جب نیت شوہر کی طرف سے ہو گی اور بے شک شوہر کے ہاتھ میں ہی جدائی (یعنی طلاق دینے) کا اختیار ہے تو ایسے نکاح سے عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہو گی کیونکہ اس نے وہ نیت ہی نہیں کی جو نکاح سے مقصود ہے اور وہ ہے بیوی کے ساتھ اُلفت و محبت اور طلبِ عفت و اولاد وغیرہ سمیت زندگی گزارنا۔ اس نکاح میں اس کی نیت نکاح کے بنیادی مقصد کے ہی خلاف ہے لہٰذا یہ نکاح صحیح نہیں ہو گا۔

اور اگر (شوہر کے برخلاف) بیوی یا اس کے اولیاء کی (حلالے کی) نیت ہو تو (پھر نکاح کا کیا حکم ہے) یہ

---

(۱) [فقہ السنۃ (۱۲۷/۲)]

مسئلہ محل اختلاف ہے اور ابھی تک مجھے دونوں اقوال میں سے زیادہ صحیح کا علم نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نکاحِ حلالہ حرام نکاح ہے اور یہ (عورت کو) پہلے شوہر کے لیے حلال ہونے کا فائدہ نہیں دیتا کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے۔(۱)

(سعودی مجلس افتاء) اگر مرد عورت سے حلالے کی شرط کے ساتھ نکاح کرے یا اس کی یہ نیت ہو یا دونوں کا اس پر اتفاق ہو تو عقد باطل ہوگا اور نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

ایک دوسرے فتوے میں یوں ہے کہ تیسری طلاق کے بعد عورت پہلے شوہر کے لیے صرف اسی صورت میں حلال ہو سکتی ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد سے بسنے کی نیت سے نکاح کرے' حلالے کی نیت سے نہیں اور پھر وہ مرد اس سے ہم بستری بھی کرلے۔(۲)

(شیخ ابو بکر جابر الجزائری) عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں تو وہ اپنے خاوند کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ اگر کسی شخص نے (اس سے) اس ارادہ سے نکاح کیا کہ اسے پہلے خاوند کے لیے حلال بنائے تو یہ نکاح باطل ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نکاح باطل ہونے کی بنا پر فسخ ہے' اس طرح عورت پہلے خاوند کے لیے جس نے اسے تین طلاقیں دی تھیں حلال نہیں ہوتی۔ اگر حلالہ کرنے والے نے ہم بستری کر لی ہے تو عورت کو مہر دے کر ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔(۳)

---

(۱) [ملخصا' فتاوی اسلامیة (۲٤۸/۳)]

(۲) [ملخصا' فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٤۳۸-٤۳۷/۱۸)]

(۳) [ملخصا' منهاج المسلم (ص/ ٦۳۰)]

باب الخلع — خلع کا بیان

خلع کا معنی ومفہوم

لفظِ خلع "خلع الثوب" سے ماخوذ ہے یعنی جب کوئی اپنا لباس اتار دے۔ عورت کو مرد کے لیے اور مرد کو عورت کے لیے لباس کہا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ [البقرة : ١٨٧] "وہ (تمہاری بیویاں) تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔" خلع کا نام فداء بھی ہے کیونکہ عورت شوہر کو کچھ فدیہ دے کر اس سے خلاصی حاصل کرتی ہے۔ اصطلاحی اعتبار سے خلع یہ ہے کہ عورت شوہر کو ناپسند کرتی ہو اور اس کے ساتھ گزارا محال ہو جائے تو مہر میں وصول کی ہوئی مکمل یا کچھ رقم شوہر کو واپس دے کر اس سے علیحدگی اختیار کر لے۔(١)

خلع کا جواز

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ﴾ [البقرة : ٢٢٩]

"عورت علیحدگی اختیار کرنے کے لیے کچھ دے دے تو اس میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔"

(2) ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ﴾ [النساء : ١٢٨]

"ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں صلح کر لیں۔"

(3) ﴿ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ﴾ [النساء : ٤]

"اگر عورتیں خود اپنی خوشی سے کچھ دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ پیو۔"

(4) حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی حدیث خلع کی مشروعیت پر شاہد ہے۔(٢)

(5) اس کے معتبر ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔(٣)

---

(١) [فتح الباری (٤٩٦/١٠) المغنی (٦٧/٧) كشاف القناع (٢٣٧/٥) فقه السنة (٢٩٩/٢)]

(٢) [بخاری (٥٢٧٣)]

(٣) [نیل الأوطار (٣٤٢/٤)]

(6) فقہاء و علماء کی اکثریت اس کی قائل ہے۔(۱)

(شیخ عبداللہ بسامؒ) خلع کا جواز کتاب و سنت اور اجماع کے ساتھ ثابت ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ خلع میں پانچ قسم کے احکام جاری ہوتے ہیں:

① اگر میاں بیوی کے حالات درست ہوں اور کوئی اختلاف موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں خلع مکروہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جس عورت نے بلاوجہ شوہر سے طلاق کا سوال کیا وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائے گی۔

② اگر مرد اپنی بیوی کو تنگ کرنے کی غرض سے روکے رکھتا ہے اور اس کے حقوق بھی ادا نہیں کرتا' اس لیے کہ عورت مجبور ہو کر خود اس سے خلع لے اور اسے خلاصی کے عوض مال بھی دے تو یہ حرام ہے۔

③ شوہر کے لیے عورت کے خلع کے مطالبے کو قبول کرنا مسنون ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔

④ اگر عورت میں کوئی ایسی برائی پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے اسے جدا کر دینا ہی بہتر ہو مثلاً فحاشی و بدکاری' فرض نماز یا روزے کو چھوڑنا وغیرہ تو ایسی صورت میں خلع واجب ہے اور شوہر کے لیے اسے روکنا بھی جائز ہے تاکہ وہ مال دے کر اپنی جان چھڑائے۔

⑤ اگر بیوی عورت کی شکل و صورت ناپسند کرتی ہو یا اس کے حقوق کی ادائیگی نہ کر سکنے کی وجہ سے گناہگار ہونے سے خائف ہو تو اس کے لیے خلع لے لینا جائز ہے اگرچہ شوہر اس سے محبت کرتا ہو' اس کے لیے مسنون یہ ہے کہ اس پر صبر کا مظاہرہ کرے۔(۲)

(ابن قدامہؒ) عورت اگر مرد سے نفرت کرتی ہو اور اس بات کو ناپسند کرتی ہو کہ شوہر کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے نافرمان ہو گی تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ شوہر کو اپنے نفس کا فدیہ دے (کر آزادی حاصل کر لے)۔(۳)

(صالح بن فوزان) خلع مباح ہے جبکہ اس کی شرائط موجود ہوں۔(٤)

---

(۱) [بداية المجتهد (٦٦/٢) الدر المختار (٧٦٧/٢) مغني المحتاج (٢٦٢/٣) المغني (٥١/٧)]

(۲) [ملخصا' توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٤٦٨/٥-٤٦٩)]

(۳) [المغني لابن قدامة (٢٦٧/١٠)]

(٤) [الملخص الفقهي (٣٠٢/٢)]

اسلام میں واقع ہونے والا پہلا خلع

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَعْتِبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ وَلَكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً﴾

”ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اے اللہ رسول! مجھے ان کے اخلاق اور دین کی وجہ سے ان سے کوئی شکایت نہیں۔ البتہ میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں (کیونکہ ان کے ساتھ رہ کر ان کے حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکتی) اس پر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا' کیا تم ان کا باغ (جو انہوں نے بطورِ مہر دیا تھا) واپس کر سکتی ہو؟ انہوں نے کہا' جی ہاں۔ آپ ﷺ نے (ثابت رضی اللہ عنہ) سے فرمایا کہ باغ قبول کر لو اور انہیں طلاق دے دو۔“ (۱)

(2) مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ

﴿فَكَانَ ذَلِكَ أَوَّلَ خُلْعٍ كَانَ فِي الْإِسْلَامِ﴾

”یہ اسلام میں واقع ہونے والا پہلا خلع تھا۔“ (۲)

خلع کی شرائط

اہل علم نے خلع کی درج ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

- ناپسندیدگی کا اظہار عورت کی طرف سے ہو مرد کی طرف سے نہ ہو' کیونکہ اگر مرد عورت کو ناپسند کرتا ہے تو صبر و برداشت سے کام لے اور اگر نباہ انتہائی مشکل ہو جائے تو پھر وہ اسے طلاق دے کر علیحدہ ہو جائے۔
- عورت اس وقت تک خلع کے مطالبے سے گریز کرے جب تک اس کی ناپسندیدگی اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ حقوقِ زوجیت کی ادائیگی ہی مشکل ہو جائے۔
- شوہر عورت کو تکلیف پہنچا کر اس انتظار میں نہ رہے کہ وہ خود طلاق طلب کرے تاکہ مہر

---

(۱) [بخاری (۵۲۷۳) کتاب الطلاق : باب الخلع و کیف الطلاق فیہ ' نسائی (۱۶۹/۶) ابن ماجة (۲۰۵۶) کتاب الطلاق : باب المختلعة تأخذ ما أعطاھا ' دارقطنی (۴۶/۴) بیھقی (۳۱۳/۷)]

(۲) [احمد (۱۶۰۹۵) ' (۳/۴)]

کی رقم حاصل ہو جائے۔ایسی صورت میں عورت سے مال وصول کرنا حرام ہے۔

عورت کب خلع لے سکتی ہے؟

(ابن قدامہؒ) اگر عورت اپنے شوہر کو اس کی خلقت وصورت یا اس کی سیرت واخلاق یا دین یا عمر میں بڑا ہونے یا کمزور ہونے یا اس جیسی کسی وجہ سے ناپسند کرتی ہو اور ڈرتی ہو کہ وہ اس کی فرمانبرداری میں اللہ کا حق ادا نہیں کر سکے گی تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے اپنے نفس کے بدلے میں معاوضہ (یعنی مہر) بطور فدیہ ادا کر کے خلع اور جدائی اختیار کر لے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ...... ﴾ [البقرة : ٢٢٩] ”پس اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان پر (خلع میں) کوئی گناہ نہیں۔“(١)

(سید سابقؒ) خلع صرف اس صورت میں ہی جائز ہے کہ جب کوئی ایسا سبب ہو جو خلع کا متقاضی ہو مثلاً مرد کے جسم میں کوئی عیب ہو یا اس کے اخلاق میں کوئی برائی ہو یا وہ بیوی کا حق ادا نہ کرتا ہو' عورت اس بات سے خائف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکے گی یعنی جو اس پر حسن معاشرت لازم ہے جیسا کہ آیت کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے۔اگر خلع کا متقاضی کوئی سبب موجود نہ ہو تو یہ ممنوع ہے۔(٢)

(شوکانیؒ) خلع کے جواز کے لیے محض عورت کی طرف سے جھگڑے کا وجود ہی کافی ہے۔(٣)

(سعودی مجلس افتاء) جب عورت اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہو اور اسے ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدود قائم نہیں رکھ سکے گی تو اس وقت اس کے لیے خلع لینا جائز ہے۔یعنی شوہر کو اس کا دیا ہوا مہر واپس کر کے جدائی حاصل کر لے۔(٤)

مرد اولاد کے قابل نہ ہو تو طلاق کا مطالبہ

(شیخ عثیمینؒ) کسی نے دریافت کیا کہ 'ایک خاتون کافی مدت سے شادی شدہ ہے' مگر وہ بے اولاد ہے۔ میڈیکل چیک اپ (یعنی طبی معائنے) کے بعد معلوم ہوا کہ نقص خاوند میں ہے اور اس سے اولاد کا ہونا محال ہے' کیا اس صورت میں بیوی کو طلاق طلب کرنے کا حق حاصل ہے؟

---

(١) [المغني لابن قدامة (١٠/٢٦٧)]

(٢) [فقه السنة (٢/٣٠٢)]

(٣) [كما في فقه السنة (٢/٣٠٢)]

(٤) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (١٩/٤١١)]

شیخ نے جواب دیا کہ

جب واضح ہو گیا کہ بانجھ پن صرف مرد میں ہے تو عورت کو اس خاوند سے طلاق طلب کرنے کا حق ہے۔ اگر وہ طلاق دے دے تو بہتر ورنہ قاضی نکاح کو فسخ کرا دے گا اس لیے کہ عورت کو بھی بچے پیدا کرنے کا حق حاصل ہے۔ اکثر عورتیں صرف بچوں کے لیے ہی شادی کرتی ہیں۔ جب عورت کا خاوند اولاد کے قابل نہ ہو تو عورت کو طلاق طلب کرنے اور فسخ نکاح کا حق حاصل ہے' اہل علم کا راجح قول یہی ہے۔ (۱)

برے رہن سہن کی وجہ سے طلاق کا مطالبہ

(شیخ ابن بازؒ) کسی عورت نے دریافت کیا کہ میرا خاوند جاہل ہے اور میرا حق نہیں پہچانتا۔ مجھے اور میرے والدین پر لعنت کرتا رہتا ہے۔ اس نے میرا نام یہودیہ' نصرانیہ اور رافضیہ رکھا ہے۔ لیکن میں اپنے بچوں کی وجہ سے اس کی بداخلاقی پر صبر کرتی ہوں لیکن جب میں جوڑوں کے درد کے مرض میں مبتلا ہو گئی تو ایسی باتوں پر صبر کرنا میرے بس سے باہر ہو گیا اور مجھے اس کی باتوں سے سخت تکلیف ہونے لگی۔ حتیٰ کہ مجھے اس سے کلام کرنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ لہٰذا میں نے اس سے طلاق طلب کی تو اس نے انکار کر دیا۔ یہ خیال رہے کہ یہ تقریباً چھ سال کی بات ہے کہ میں اس کے گھر میں اپنے بچوں کے پاس رہ رہی ہوں۔ میں اس کے نزدیک ایسے ہی ہوں جیسے مطلقہ یا اجنبی۔ لیکن وہ طلاق دینے سے انکار کرتا ہے۔ میں فضیلت مآب سے اپنے سوال کے جواب کی توقع رکھتی ہوں؟

شیخ نے جواب دیا کہ

اگر خاوند کا یہ حال ہے جو آپ نے ذکر کیا ہے' تو طلاق کے مطالبہ میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس کے برے رہن سہن اور بدکلامی جیسی زیادتیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسے کچھ مال دے دیں تاکہ وہ آپ کو طلاق دے دے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان باتوں پر صبر کریں۔ ساتھ ہی اچھے انداز میں اسے نصیحت کرتی رہیں اور اپنے بچوں کی خاطر اور اس کے آپ پر اور آپ کے بال بچوں پر خرچ کرنے کی وجہ سے اس کے لیے ہدایت کی دعا کرتی رہیں۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ اس میں آپ کے لیے اجر اور انجام کی بہتری ہو گی اور ہم تمہارے خاوند کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور استقامت کی دعا کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ وہ نماز ادا کرتا ہو اور دین کو گالی نہ دیتا ہو۔

---

(۱) [فتاوی برائے خواتین (ص / ۲۲٤)]

اور اگر وہ نماز ادا نہیں کرتا اور دین کو گالی دیتا ہے تو وہ کافر ہے اور آپ کے لیے اس کے ساتھ رہنا اور اپنے آپ کو اس کے قبضہ میں دینا جائز نہیں کیونکہ اسلام کو گالی دینا یا اس سے استہزاء کفر اور گمراہی ہے اور اہل علم کے اجماع کے مطابق دین سے ارتداد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"آپ کہہ دیجئے کیا تم اللہ' اس کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے ہنسی کرتے تھے' بہانے مت بناؤ۔ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔" [التوبة : ٦٥]

اور اس لیے (آپ کو خاوند کے ساتھ نہیں رہنا چاہیے) کہ علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق نماز چھوڑنا کفر اکبر ہے اگرچہ وہ اس کے وجوب کا منکر نہ ہو۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"آدمی اور کفر و شرک کے درمیان نماز کا ترک ہے۔"

اور امام احمد اور اہل السنن نے بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے' لہٰذا جس نے اسے چھوڑا اس نے کفر کیا۔"

اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے' کتاب و سنت میں اس پر دوسرے دلائل بھی موجود ہیں۔(۱)

بلاوجہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرنا حرام ہے

(1) حضرت ثوبان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا الطَّلَاقَ فِي غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ ﴾

"جو کوئی عورت بھی بغیر کسی معقول وجہ کے اپنے شوہر سے طلاق کا سوال کرتی ہے' اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔" (۲)

(2) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں:

﴿أَيُّمَا امْرَأَةٍ اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ بَأْسٍ لَمْ تَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ ﴾

"جس عورت نے بلاوجہ اپنے شوہر سے خلع لیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گی۔" (۳)

---

(۱) [فتاوی ابن باز' مترجم (۱۸۰/۱)]

(۲) [**صحیح** : صحیح ابو داود (۱۹۴۷) کتاب الطلاق : باب فی الخلع ' ابو داود (۲۲۶۲) ابن ماجة (۲۰۵۵) ترمذی (۱۱۸۷) أحمد (۲۷۷/۵)]

(۳) [**صحیح** : صحیح ترمذی ' ترمذی (۱۱۸٦) کتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء فی المختلعات]

بلاوجہ خلع طلب کرنے والی عورتوں کو منافق کہا گیا ہے

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ﴾

"(بلاوجہ شوہر سے) خلع طلب کرنے والی عورتیں منافق ہیں۔"(۱)

خلع میں شوہر عورت سے کتنا مال وصول کر سکتا ہے؟

خلع میں کم از کم کی تو کوئی مقدار نہیں البتہ زیادہ سے زیادہ شوہر صرف اتنا مال ہی لے سکتا ہے جتنا اس نے بیوی کو بطورِ مہر دیا تھا' اس سے زیادہ وصول کرنا اس کے لیے جائز نہیں۔

جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میں ثابت بن قیس کے اخلاق اور دین میں کوئی عیب نہیں لگاتی لیکن اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿ أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ ﴾ "کیا تو اس کا باغ واپس کر دے گی؟" وہ بولی ہاں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا﴿ اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً ﴾"(اے ثابت!) اپنا باغ لے لو اور اسے طلاق دے دو۔"(۲)

اور صحیح بخاری کی ہی ایک روایت میں ہے کہ ﴿ وَأَمَرَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا ﴾"(جب اس نے باغ واپس کر دیا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ اسے طلاق دے دے۔"(۳)

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں:

﴿ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهَا حَدِيقَتَهُ وَلَا يَزْدَادُ ﴾

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے (ثابت کو) حکم دیا کہ وہ اس سے اپنا باغ وصول کر لے اور زیادہ کچھ نہ لے۔"(٤)

ایک روایت میں ہے کہ ثابت کی بیوی نے کچھ زیادہ بھی دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) [صحيح : صحيح الجامع الصغير (٦٦٨١) صحيح الترغيب والترهيب (٢٠١٨) السلسلة الصحيحة (٦٣٢) ترمذى (١١٨٦) كتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء فى المختلعات]

(۲) [بخارى (٥٢٧٣) كتاب الطلاق : باب الخلع وكيف الطلاق فيه ' نسائى (١٦٩/٦) ابن ماجة (٢٠٥٦) دارقطنى (٤٦/٤) بيهقى (٣١٣/٧)]

(۳) [بخارى (٥٢٧٤) أيضا]

(٤) [صحيح : صحيح ابن ماجة (١٦٧٣) كتاب الطلاق : باب المختلعة تأخذ ما أعطاها ' إرواء الغليل (٢٠٣٦) ابن ماجة (٢٠٥٦) نسائى (١٦٩/٦)]

﴿ أَمَّا الزِّيَادَةُ فَلَا ﴾ "تم زیادہ مت دو۔" لیکن شیخ البانیؒ نے اسے مرسل قرار دیا ہے۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

"شوہر اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ وصول نہ کرے۔"(۲)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ شوہر اپنے دیئے ہوئے حق مہر سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں جس روایت میں ہے کہ ﴿ فَرَدَّتْ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهُ وَزَادَتْهُ ﴾ "اس عورت نے اس کا باغ واپس کر دیا اور کچھ زیادہ بھی دیا۔" وہ ضعیف ہے۔(۳)

(احمدؒ) مرد (اپنے دیئے ہوئے مہر سے) زیادہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ امام اسحاق، امام شعبی، امام زہری، امام حسن، امام عطا اور امام طاؤس رحمہم اللہ اجمعین بھی یہی مؤقف رکھتے ہیں۔

(جمہور، شافعیؒ، مالکؒ، ابو حنیفہؒ) اگر نفرت کا اظہار عورت کی طرف سے ہو تو مرد کے لیے زیادہ لینا جائز ہے (ان کی دلیل آیت ﴿ فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ﴾ کا عموم ہے حالانکہ یہ عام ہے اور گزشتہ ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ﴿ وَلَا يَزْدَادُ ﴾ اس کی تخصیص کرتی ہے لہٰذا خاص پر عمل کرنا واجب ہے)۔

(ابن قدامہؒ) مرد کے لیے اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ کا مطالبہ کرنا بہتر نہیں۔ اگر کوئی زیادہ وصول کرے گا تو یہ مکروہ ہے لیکن خلع واقع ہو جائے گا۔ اور اگر بغیر کسی معاوضے کے بھی مرد عورت کو خلع دے دے تو خلع ہو جائے گا (کیونکہ مقصود دونوں کی رضامندی ہے جس پر بھی ہو جائے درست ہے)۔(۴)

(راجح) شوہر اپنی بیوی سے اپنے دیئے ہوئے مہر سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا جیسا کہ ان الفاظ ﴿ وَلَا يَزْدَادُ ﴾ سے واضح ہوتا ہے لیکن اگر بیوی اپنی خوشی سے کچھ زیادہ دینا چاہے (مثلاً شوہر کی دی ہوئی گاڑی یا گھر وغیرہ) تو جائز ہے کیونکہ شریعت میں اس کی ممانعت موجود نہیں اور جس روایت میں ہے ﴿ أَمَّا الزِّيَادَةُ فَلَا ﴾ وہ ضعیف ہے جیسا کہ گزشتہ سطور میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

مرد تکلیف پہنچانے کے لیے عورتوں کو مت روکیں

شوہر کو چاہیے کہ اگر وہ اپنی بیوی کو کسی معقول سبب کی بنا پر ناپسند کرتا ہے تو معروف طریقے سے اسے

---

(۱) [إرواء الغليل (۱۰٤/۷) دارقطني (۲۵۵/۳)]

(۲) [عبدالرزاق (۱۱۸٤٤)]

(۳) [بيهقي (۳۱٤/۷)]

(٤) [المغني (۲٦۹/۱۰۔۲۷۰۔۲۸۷) نيل الأوطار (۳٤٦/٤) تفسير اللباب في علوم الكتاب (۱٤۲/٤)]

طلاق دے کر علیحدہ کر دے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ عورت کو (ناپسند کرنے کے باوجود) اس غرض سے روکے رکھے یا اسے تکلیف پہنچائے کہ عورت خود طلاق کا مطالبہ کرے تاکہ اسے مہر کی رقم حاصل ہو جائے۔

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلاَ تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لَّتَعْتَدُواْ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلاَ تَتَّخِذُوَاْ آيَاتِ اللّهِ هُزُوًا وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [البقرة : ٢٣١]

"جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آئیں تو اب انہیں اچھی طرح بساؤ' یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم وزیادتی کے لیے نہ روکو' جو شخص ایسا کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ تم اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ بناؤ اور اللہ کا احسان یاد کرو جو تم پر ہے اور جو کچھ کتاب وحکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے' اسے بھی (یاد کرو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔"

(2) ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُواْ النِّسَاء كَرْهًا وَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُواْ بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلاَّ أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ [النساء : ١٩]

"اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو' انہیں اس لیے مت روک کے رکھو کہ جو تم نے انہیں دے رکھا ہے' اس میں سے کچھ لے لو' ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے حیائی کریں' ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بودوباش رکھو' گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے۔"

(سید سابق ") مرد پر حرام ہے کہ وہ اپنی بیوی کے بعض حقوق روک کر اسے ایذاء پہنچائے تاکہ وہ مجبور ہو کر خلع لے لے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو خلع باطل اور معاوضہ (عورت کو) واپس ہوگا۔(۱)

---

(۱) [فقه السنة (۳۰۲/۲)]

خلع پر میاں بیوی دونوں کی رضامندی ضروری ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ [النساء: ۱۲۸]

''ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح ہی بہتر ہے۔''

(سید سابق ؒ) خلع شوہر اور بیوی دونوں کی رضامندی سے ہوتا ہے۔(۱)

اگر شوہر راضی نہ ہو تو حاکم ان دونوں کے درمیان علیحدگی کر دے گا

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کے درمیان جدائی کرائی۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا ﴿ اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا...... ﴾ ''باغ قبول کرو اور اسے طلاق دے دو۔''

(سید سابق ؒ) اگر میاں بیوی دونوں کی طرف سے (خلع پر) رضامندی مکمل نہ ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ خاوند پر خلع لازم کر دے کیونکہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی نے اپنا معاملہ نبی کریم ﷺ تک پہنچایا تھا۔ تو آپ ﷺ نے ثابت رضی اللہ عنہ پر لازم کیا تھا کہ وہ باغ قبول کر لے اور طلاق دے دے۔(۲)

خلع فسخ نکاح ہے' طلاق نہیں

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ﴾ [البقرة: ۲۲۹] ''طلاق دو مرتبہ ہے۔''

اس کے بعد ﴿افتداء﴾ (فدیہ دے کر خلع لینے) کا ذکر کیا پھر فرمایا:

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾ [البقرة: ۲۳۰]

لہٰذا اگر ''افتدا'' طلاق ہوتا تو وہ طلاق جس کے بعد عورت پہلے شوہر کے لیے صرف اسی صورت میں حلال ہو سکتی ہے جبکہ وہ کسی اور سے شادی کر لے' چوتھی طلاق ہو گئی۔ سو معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے۔

(2) حضرت حبیبہ بنت سہل انصاریہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا' اے اللہ کے رسول! ہر وہ چیز جو اس نے مجھے دی تھی وہ میرے پاس ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ثابت سے کہا' اس سے لے لو۔ پھر اس نے (وہ مال)

---

(۱) [فقه السنة (۳۰۲/۲)]

(۲) [فقه السنة (۳۰۲/۲)]

لے لیا ﴿ وَجَلَسَتْ فِىْ أَهْلِهَا ﴾ ''اور وہ عورت اپنے اہل و عیال میں جا بیٹھی۔'' (۱)

معلوم ہوا کہ علیحدگی کے بعد حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے میکے چلی گئیں لہٰذا اگر خلع طلاق ہوتا تو وہ شوہر کے گھر میں ہی عدت گزارتیں۔ جب ایسا نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ خلع فسخ ہے۔

(3) خلع کی عدت ایک حیض ہے (جیسا کہ آئندہ ذکر آئے گا) جبکہ طلاق کی عدت تین حیض ہے۔ لہٰذا یہ طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے۔

(4) خلع میں شوہر بیوی سے اپنا دیا ہوا مال لے سکتا ہے جبکہ طلاق میں نہیں لے سکتا۔

(5) خلع میں مرد کو رجوع کا حق نہیں ہوتا جبکہ طلاق میں رجوع کا زیادہ مستحق مرد ہی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿ وَبُعُوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ ﴾ [البقرة : ۲۲۸] ''اور ان کے شوہر انہیں لوٹانے کے زیادہ مستحق ہیں۔''

(6) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنی عورت کو خلع دینے کا حکم دیا تو یہ دریافت نہیں کیا کہ وہ حائضہ تو نہیں یا اس نے طہر میں اس سے ہم بستری تو نہیں کی حالانکہ ان دونوں حالتوں میں طلاق حرام ہے۔ لہٰذا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کچھ نہیں پوچھا بلکہ مطلقاً خلع کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں ہے۔

(ابن تیمیہؒ) خلع فسخ نکاح ہے۔ (۲)

(ابن قیمؒ) یقیناً کسی ایک صحابی سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہے کہ یہ (یعنی خلع) طلاق ہے۔ مزید رقمطراز ہیں کہ ہم بستری کے بعد طلاق دینے سے تین ایسے احکام لاگو ہوتے ہیں جو سب خلع میں نہیں ہیں۔

① طلاق میں مرد رجوع کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔

② طلاق کا شمار تین تک ہوتا ہے۔ اس عدد کے پورا ہونے کے بعد عورت پہلے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی دوسرا مرد اس سے شادی کے بعد ہم بستری نہ کرے۔

③ طلاق کی عدت تین حیض ہے اور بلا شبہ نص اور اجماع کے ساتھ ثابت ہے کہ خلع میں رجوع نہیں ہوتا۔ (۳)

---

(۱) [موطا (۵٦٤/۲)]

(۲) [الفتاوی (۳۱/۳۰۔۳۵)]

(۳) [زاد المعاد (۱۹۷/۵)]

(خطابیؒ) فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خلع کے طلاق نہ ہونے کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کیا ہے ﴿ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ﴾ [البقرة : ۲۲۹](۱)

(شیخ البانیؒ) انہوں نے خلع کے فسخ ہونے کو ہی برحق قرار دیا ہے۔(۲)

(شیخ عبدالعظیم بدوی، تلمیذ البانی) اسی کے قائل ہیں۔(۳)

تاہم فقہا نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔

(جمہور، مالکؒ، ابو حنیفہؒ) خلع طلاق ہے۔ حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم، امام حسن، امام شعبی، امام نخعی، امام عطا، سعید بن مسیب، امام شریح، امام مجاہد، امام مکحول، امام زہری، امام سفیان اور ایک روایت کے مطابق امام شافعی رحمہم اللہ اجمعین کا بھی یہی مؤقف ہے۔

(احمدؒ) خلع فسخ نکاح ہے طلاق نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، امام طاؤس، امام اسحاق، امام ابو ثور، امام ابن منذر اور امام شافعی رحمہم اللہ اجمعین سے ایک روایت کے مطابق یہی قول مروی ہے۔(٤)

خلع کو طلاق کہنے والوں نے صحیح بخاری میں موجود ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا ﴿ طَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً ﴾ "اسے طلاق دے دو۔"(٥)

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہاں لفظ طلاق سے لغوی معنی (یعنی اسے چھوڑ دے) مراد ہے۔ اصطلاحی و شرعی (طلاق کا) معنی مراد نہیں۔

خلع کے بعد مرد کو رجوع کا حق نہیں رہتا

کیونکہ صحیح قول کے مطابق خلع فسخ نکاح ہے طلاق نہیں اور رجوع طلاق کے بعد ہوتا ہے فسخ کے بعد نہیں۔ نیز عورت نے اپنی رہائی کی قیمت ادا کی ہوتی ہے جس وجہ سے مرد کو رجوع کا حق نہیں رہتا اور عورت خود مختار ہو جاتی ہے۔ البتہ عورت اگر چاہے تو عدت گزارنے کے بعد دونوں دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

(ابن کثیرؒ) جمہور علمائے کرام اور ائمہ اربعہ کے نزدیک شوہر کو خلع یافتہ عورت سے رجوع کرنے کا حق

---

(۱) [معالم السنن (۲۵۵/۳)]

(۲) [التعليقات الرضية على الروضة (۲۷۳/۲)]

(۳) [الوجيز في فقه السنة والكتاب العزيز (ص / ۳۲۷)]

(٤) [تفسير اللباب في علوم الكتاب (١٤٢/٤) الأم (١١٤/٥) بدائع الصنائع (١٥١/٣) نيل الأوطار (٣٤٤/٤) المغني (٢٥٠/١١)]

(٥) [بخاری (٥٢٧٣)]

نہیں رہتا' اس لیے کہ اس نے مال دے کر اپنے آپ کو آزاد کرا لیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ، ماہان حنفی ؒ، سعید ؒ اور زہری ؒ کا قول ہے کہ اگر شوہر عورت کی طرف سے حاصل شدہ مال واپس کر دے تو پھر اسے رجوع کا حق ہے' عورت کی رضامندی کے بغیر بھی رجوع کر سکتا ہے (لیکن یہ قول درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اب خلع کے ذریعے عورت مرد سے جدا ہو چکی ہے' جس بنا پر مال واپس لوٹانے یا نہ لوٹانے کا کوئی اعتبار نہیں' راقم)۔ امام سفیان ثوری ؒ فرماتے ہیں کہ اگر خلع میں طلاق کا لفظ نہیں تو وہ صرف جدائی ہے اور شوہر کو رجوع کا حق نہیں اور اگر طلاق کا نام لیا ہے تو بلاشبہ وہ رجوع کا پورا پورا حق دار ہے' داود ظاہری ؒ بھی یہی فرماتے ہیں (یہ قول بھی درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ خلع کا مطلب ہی طلاق کا مطالبہ ہے اور اگر مرد نے طلاق کا نام لے کر خلع دیا ہے تب بھی خلع صحیح واقع ہو چکا ہے اور خلع کے بعد شوہر کو رجوع کا قطعاً کوئی حق حاصل نہیں' راقم)۔(۱)

(سید سابق ؒ) جمہور اہل علم جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں' کا مذہب یہ ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی کو خلع دے دیا تو وہ اپنے نفس کی مالک ہو گئی۔ اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہو گا اور مرد کو اس پر رجوع کا حق نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس نے زوجیت سے چھٹکارہ پانے کے لیے مال خرچ کیا ہے اور اگر مرد کو ابھی بھی رجوع کا حق ہے تو (اس کا مطلب یہ ہے کہ) عورت نے علیحدگی حاصل کرنے کے لیے جو اسے مال دیا ہے اس کا اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ (واضح رہے کہ) مرد عورت سے لیا ہوا مال واپس بھی کر دے اور وہ اسے قبول بھی کر لے تب بھی اسے عدت میں رجوع کا حق نہیں ہو گا کیونکہ نفس خلع سے ہی وہ اس سے بائن ہو چکی ہے۔(۲)

خلع کی عدت ایک حیض ہے

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ جب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان سے خلع لے لیا تو:

﴿ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ ﴾

''نبی کریم ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ ایک حیض عدت گزارے۔''(۳)

---

۱) [تفسیر ابن کثیر (۳۷۰/۱)]

۲) [فقه السنة (۳۰۳/۲)]

۳) [صحيح : صحيح ترمذى (۹٤٦) ابو داود (۲۲۲۹) كتاب الطلاق : باب فى الخلع ' ترمذى (۱۱۸٦) كتاب الطلاق اللعان : باب ما جاء فى الخلع]

(2) حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ

﴿أَنَّهَا اخْتَلَعَتْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ أَوْ أُمِرَتْ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ﴾

''انہوں نے عہدِ رسالت میں خلع لے لیا تو نبی کریم ﷺ نے انہیں ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا۔''(۱)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

﴿ عِدَّةُ الْمُخْتَلِعَةِ حَيْضَةٌ ﴾

''خلع یافتہ عورت کی عدت ایک حیض ہے۔''(۲)

(ابن قیمؒ) انہوں نے ایک حیض عدت کو ثابت کیا ہے۔(۳)

(سید سابقؒ) سنت سے ثابت ہے کہ خلع یافتہ عورت ایک حیض عدت گزارے گی۔(٤)

کیا عدتِ خلع میں دونوں رضامند ہوں تو نیا نکاح کر سکتے ہیں؟

امام ابن کثیرؒ نقل فرماتے ہیں کہ تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر دونوں رضامند ہوں تو عدت کے اندر اندر نیا نکاح کر سکتے ہیں۔ امام ابن عبد البرؒ نے ایک گروہ کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے کہ عدت کے اندر جس طرح کوئی دوسرا مرد اس سے نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح خلع دینے والا شوہر بھی نہیں کر سکتا لیکن یہ قول شاذ اور مردود ہے۔(٥)

(قرطبیؒ) نقل فرماتے ہیں کہ قاضی ابو محمدؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ خلع کی عدت میں مرد کو رجوع کا حق نہیں البتہ وہ عورت کی رضامندی، اس کے ولی کی اجازت اور نئے حق مہر کے ساتھ اس سے نکاح کر سکتا ہے۔(٦)

کیا خلع کی عدت میں عورت کو طلاق واقع ہو سکتی ہے؟

اس مسئلے میں علماء کے تین قول ہیں:

---

(۱) [صحیح : صحیح ترمذی (۹٤٥) ترمذی (۱۱۸٥) کتاب الطلاق اللعان : باب ما جاء فی الخلع ' ابن ماجة (۲۰٥۸) کتاب الطلاق : باب عدة المختلعة ' نسائی (۳٤۹۸)]

(۲) [صحیح موقوف : صحیح ابو داود (۱۹٥۱) کتاب الطلاق : باب فی الخلع ' ابو داود (۲۲۳۰)]

(۳) [أعلام الموقعین (۸۸/۲)]

(٤) [فقه السنة (۳۰٦/۲)]

(٥) [تفسیر ابن کثیر (۳۷۰/۱)]

(٦) [تفسیر قرطبی (۱۳۹/۳)]

① خلع کی عدت میں اگر شوہر عورت کو طلاق دیتا ہے تو واقع نہیں ہوگی کیونکہ وہ عورت اپنے نفس کی مالکہ ہے اور اس خاوند سے الگ ہو چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ، جابر بن زیدؒ، حسن بصریؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحٰقؒ اور امام ابو ثورؒ کا یہی قول ہے۔

② اگر خلع کے ساتھ ہی بغیر خاموش رہے طلاق دے دے تو واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ یہ امام مالکؒ کا قول ہے۔ اس کی مثل ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

③ عدت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام ابو حنیفہؒ، ان کے اصحاب، امام ثوریؒ، امام اوزاعیؒ، سعید بن مسیبؒ، امام شریحؒ، امام طاؤسؒ، امام زہریؒ، امام حاکمؒ، امام حکمؒ اور امام حمادؒ کا یہی قول ہے۔(۱)

(راجح) پہلا قول ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔(واللہ اعلم)

(ابن قدامہؒ) خلع یافتہ عورت کو دورانِ عدت کسی حال میں بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔(۲)

(سید سابقؒ) خلع یافتہ عورت کو طلاق نہیں ہوتی خواہ ہم خلع کو طلاق کہہ لیں یا فسخ۔ یہ دونوں چیزیں ہی عورت کو اس کے خاوند سے اجنبی کر دیتی ہیں۔ جب وہ اس سے اجنبی ہو گئی تو اسے طلاق لاحق نہیں ہوگی۔(۳)

خلع کے لیے طلاق کی شرائط

خلع چونکہ طلاق نہیں ہے اس لیے اس میں طلاق کی شرائط نہیں لگائی جائیں گی مثلاً یہ کہ عورت حائضہ نہ ہو یا ایسے طہر میں ہو جس میں مرد نے اس سے ہم بستری نہ کی ہو وغیرہ وغیرہ۔

(ابن قدامہؒ) حیض میں یا ایسے طہر میں جس میں خاوند نے اپنی بیوی سے ہم بستری کی ہو خلع لینے میں کوئی گناہ نہیں۔(۴)

(سید سابقؒ) خلع طہر اور حیض دونوں حالتوں میں جائز ہے۔ اس کا وقوع کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مطلق رکھا ہے اور کسی ایک وقت کو چھوڑ کر اسے دوسرے وقت کے ساتھ مقید

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر (۳۷۰/۱) تفسیر قرطبی (۱۴۰/۳)]
(۲) [المغنی لابن قدامة (۲۷۸/۱۰)]
(۳) [فقه السنة (۳۰۶/۲)]
(۴) [المغنی لابن قدامة (۲۶۹/۱۰)]

نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ﴾ [البقرة : ٢٢٩]

''ان دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے اس چیز میں جو عورت فدیہ دے۔''

رسول اللہ ﷺ نے بھی حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی بیوی کے خلع کے متعلق مطلق حکم دیا تھا۔ آپ ﷺ نے ایسا کچھ دریافت نہیں کیا کہ بیوی کی کیا حالت ہے۔(۱)

(ابن قدامہؒ) دورانِ حیض یا ایسے طہر میں کہ جس میں شوہر نے عورت سے ہم بستری کی ہو خلع لینے میں کوئی حرج نہیں۔(۲)

کیا خلع کے لیے عورت کو والدین سے اجازت لینے کی ضرورت ہے؟

(شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدیؒ) اگر عورت عقل مند اور سمجھدار ہو تو والدین سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں اور اگر ناسمجھ یا کم عمر یا کم فہم و فراست کی حامل ہو تو والدین یا اپنے بھائی وغیرہ سے اجازت لے لینی چاہیے۔(۳)

خلع کے لیے حاکم یا قاضی کی ضرورت نہیں

صحیح بخاری میں ہے کہ

﴿وَأَجَازَ عُمَرُ الْخُلْعَ دُونَ السُّلْطَانِ ﴾

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بادشاہ یا قاضی کے حکم کے بغیر خلع جائز قرار دیا۔''(٤)

(ابن قدامہؒ) خلع کے لیے حاکم کی ضرورت نہیں۔

(ائمہ اربعہ) اسی کے قائل ہیں۔ امام زہریؒ، امام شریحؒ اور امام اسحٰقؒ بھی یہی مؤقف رکھتے ہیں۔(٥)

---

(۱) [فقه السنة (٣٠٣/٢)]

(۲) [المغنى لابن قدامة (٢٦٩/١٠)]

(۳) [فتاوى المرأة المسلمة (٧٨٧/٢)]

(٤) [بخاری (قبل الحديث ٥٢٧٣) كتاب النكاح : باب الخلع]

(٥) [المغنى لابن قدامة (٢٦٧/١٠)]

باب الایلاء — ایلاء کا بیان

ایلاء کا معنی ومفہوم

لفظِ ''ایلا'' باب آلَی یُوْلِی (إفعال) سے مصدر ہے۔اس کا معنی ''قسم کھانا'' ہے۔یہ لفظ اَلِیّه (یاء کی تشدید کے ساتھ) سے مشتق ہے۔اس کی جمع الایا بروزنِ خطایا آتی ہے۔(۱)

اصطلاحی طور پر ایلاء یہ ہے شوہر قسم اٹھائے کہ وہ اپنی اہلیہ سے (محض تادیب کی غرض سے) چار ماہ یا اس سے کم مدت تک ہم بستر نہیں ہو گا۔یہ ایلاء جائز ہے اور اگر چار ماہ سے زیادہ مدت تک قسم اٹھائے تو یہ جائز نہیں جیسا کہ اس کا مفصل بیان آئندہ سطور میں آرہا ہے۔

دورِ جاہلیت کا ایلاء

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

﴿ كَانَ إِيْلَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ فَوَقَّتَ اللّٰهُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ، فَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَلَيْسَ بِإِيْلَاءٍ ﴾

''جاہلیت کا ایلاء دو سال تک ہوتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے اس کی مدت چار ماہ مقرر فرمادی ہے۔اب اگر چار ماہ سے کم مدت ہو تو وہ ایلاء شمار نہیں ہو گا (مراد حرام ایلاء ہے کیونکہ وہ چار ماہ سے زیادہ مدت کا ہی ہوتا ہے جبکہ جائز ایلاء چار ماہ یا اس سے کم مدت کا ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ اس کے دلائل پیش کیے جائیں گے)۔'' (۲)

ایلاء کا جواز

کسی معقول سبب کی بنا پر سرزنش اور تادیب کی غرض سے چار ماہ سے کم مدت تک بیوی سے علیحدہ رہنے کی قسم اٹھانا جائز ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

---

(۱) [لسان المیزان (۱۱۷/۱) الصحاح (۲۲۷/۶)]

(۲) [حسن : بیهقی (۳۸۱/۷) شیخ عبد اللہ بسامؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[توضیح الأحکام شرح بلوغ المرام (۵۳۲/۵)] مزید یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ امام شوکانیؒ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ 'اس روایت کو سعید بن منصور' عبد بن حمید' طبرانی اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔]

﴿ لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَآؤُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

[البقرة : ٢٢٦]

”جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کر لیں ان کے لیے چار مہینے کی مدت ہے پھر اگر وہ لوٹ آئیں (یعنی اگر وقت کا تعین نہیں کیا تھا تو قسم کا کفارہ ادا کر کے دوبارہ تعلقات قائم کر لیں) تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔“

اور حدیث میں ہے کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

﴿أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ عَلَى بَعْضِ أَهْلِهِ شَهْرًا فَلَمَّا مَضَى تِسْعَةٌ وَعِشْرُونَ يَوْمًا غَدَا عَلَيْهِنَّ أَوْ رَاحَ فَقِيلَ لَهُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ حَلَفْتَ أَنْ لَا تَدْخُلَ عَلَيْهِنَّ شَهْرًا قَالَ إِنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعَةً وَعِشْرِينَ يَوْمًا﴾

”نبی کریم ﷺ نے (ایک واقعہ کی وجہ سے) قسم کھائی کہ اپنی ازواج کے ہاں ایک ماہ تک نہیں جائیں گے۔ پھر جب انتیس (29) دن گزر گئے تو آپ ﷺ ان کے پاس صبح کے وقت گئے یا شام کے وقت۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ایک ماہ تک نہیں آئیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مہینہ انتیس (29) دن کا بھی ہوتا ہے۔“ (١)

(شیخ عبداللہ بسامؒ) جائز ایلاء یہ ہے کہ شوہر چار ماہ (یا اس سے) کم مدت تک اپنی بیوی سے ہم بستر نہ ہونے کی قسم اٹھائے۔ (٢)

محض بیوی کو ضرر رسانی کے لیے ایلاء جائز نہیں

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ ﴾ [الطلاق : ٦]

”اور انہیں (یعنی اپنی بیویوں کو) تکلیف نہ پہنچاؤ۔“

(2) ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ

---

(١) [بخاری (٥٢٠٢) کتاب النکاح : باب هجرة النبی نساءه فی غیر بیوتهن' مسلم (١٠٨٥) کتاب الصیام : باب الشهر یکون تسعا وعشرین]

(٢) [توضیح الأحکام شرح بلوغ المرام (٥/٣٣٥)]

﴿ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا﴾ [البقرة: ۲۳۱]
”تم انہیں نقصان پہنچانے کے لیے مت روکے رکھو۔“

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
﴿لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ﴾
”نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ نقصان پہنچاؤ۔“ (۱)

اگر شوہر مدتِ ایلاء کے دوران بیوی سے ہم بستر ہونا چاہے؟

تو قسم کا کفارہ ادا کر کے عورت سے تعلقات قائم کر لے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ
﴿مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَلْيَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ﴾
”جو شخص کسی قسم پر حلف اٹھائے۔ پھر اس کے علاوہ کسی اور کام کو اس سے بہتر سمجھے تو وہی کرے جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے۔“ (۲)

(سعودی مجلس افتاء) انہوں نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ (۳)

(۳) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۲۰/۲۰۹)]

☐ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قسم کا کفارہ یوں بیان فرمایا ہے:
﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ﴾ [المائدة: ۸۹]
”اس (قسم توڑنے) کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا کھانا دینا ہے جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا ہے اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں۔ یہ

---

(۱) [صحيح: صحيح ابن ماجة (۱۸۹۵) كتاب الأحكام: باب من بنى فى حقه ما يضر بجاره ' الصحيحة (۲۵۰) ابن ماجة (۲۳٤۱) بيهقى (۱۰/۱۳۳) أحمد (۵/۳۲٦)]
(۲) [مسلم (۱٦۵۰) كتاب الأيمان: باب ندب من حلف يمينا فرأى غيرها خيرا منها أن يأتى الذى هو خير ويكفر عن يمينه ' ترمذى (۱۵۳۰) كتاب النذور والأيمان: باب ما جاء فى الكفارة قبل الحنث ' موطا (۱۰۳٤) كتاب النذور والأيمان: باب ما تجب فيه الكفارة من الأيمان ' احمد (۸۷٤۲) ابن حبان (٤۳٤۹) شرح السنة للبغوى (۲٤۳۸) بيهقى (۹/۲۳۲)]

تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھالو اور اپنی قسموں کا خیال رکھو۔"

اگر شوہر بیوی سے ایلاء کرتے وقت انشاء اللہ کہہ دے

(ابن قاسمؒ) اگر شوہر اللہ کی قسم اٹھائے کہ وہ اپنی بیوی سے ہم بستری نہیں کرے گا اور ساتھ انشاء اللہ بھی کہہ دے تو وہ ایلاء کرنے والا ہی ہے اور اگر وہ (مدتِ ایلاء کے دوران) بیوی سے ہم بستر ہو جائے گا تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہو گا (جیسا کہ متعدد صحیح احادیث میں قسم کے متعلق یہ بات موجود ہے)۔

(ابن ماجشونؒ) "مبسوط" میں فرماتے ہیں کہ ایسا شخص ایلاء کرنے والا ہی نہیں۔

(قرطبیؒ) فرماتے ہیں کہ یہی (ابن ماجشونؒ کی) بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ انشاء اللہ کہہ دینا قسم کو ختم کر دیتا ہے اور قسم اٹھانے والے کو اس طرح کر دیتا ہے جیسے اس نے قسم اٹھائی ہی نہیں۔ یہی فقہاء کا مذہب ہے کیونکہ ایسا شخص انشاء اللہ کہہ کر یہ واضح کر دیتا ہے کہ وہ ایسا کرنے کا پختہ ارادہ نہیں رکھتا۔(۱)

(ابن العربیؒ) انہوں نے بھی ابن ماجشونؒ کے مذہب کو ہی صحیح قرار دیا ہے۔(۲)

اگر شوہر نے چار ماہ سے کم مدت تک علیحدہ رہنے کی قسم اٹھائی ہو

اگر شوہر نے چار ماہ سے کم مدت تک اپنی بیوی سے علیحدہ رہنے کی قسم اٹھائی ہو تو وہ اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جائے اور مقررہ مدت پوری کرے اور عورت بھی اس پر صبر کرے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ تک اپنی بیویوں سے دور رہنے کی قسم اٹھائی تھی اور پھر اس مدت کے پورا ہونے تک ان سے علیحدہ رہے تھے اور آپ ﷺ کی بیویوں نے بھی اس پر صبر و ثبات کا ہی مظاہرہ کیا تھا۔

اگر شوہر نے ہمیشہ یا چار ماہ سے زیادہ عرصہ بیوی سے دور رہنے کی قسم اٹھائی ہو

اگر شوہر نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یا چار ماہ سے زیادہ مدت تک کے لیے اپنی بیوی سے علیحدہ رہنے کی قسم اٹھائی ہو تو چار ماہ گزرنے کے بعد اسے اختیار دیا جائے گا کہ یا تو وہ عورت سے رجوع کر لے اور یا پھر اسے طلاق دے دے۔ یاد رہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد بیوی کو از خود طلاق واقع نہیں ہو گی بلکہ شوہر کے طلاق دینے سے ہی واقع ہو گی۔

---

(۱) [تفسیر قرطبی (۱۰۱/۳)]

(۲) [تفسیر أحکام القرآن لابن العربی (۲۱۳/۱)]

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ...... وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾

[البقرة : ٢٢٦-٢٢٧]

"جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کر لیں ان کے لیے چار مہینے کی مدت ہے پھر اگر وہ لوٹ آئیں (یعنی اگر وقت کا تعین نہیں کیا تھا تو قسم کا کفارہ ادا کر کے دوبارہ تعلقات قائم کر لیں) تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق کا ہی ارادہ کر لیں (معلوم ہوا کہ از خود طلاق نہیں ہو گی) تو اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔"

(2) صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ

﴿ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا كَانَ يَقُولُ فِي الْإِيلَاءِ الَّذِي سَمَّى اللَّهُ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدَ الْأَجَلِ إِلَّا أَنْ يُمْسِكَ بِالْمَعْرُوفِ أَوْ يَعْزِمَ بِالطَّلَاقِ كَمَا أَمَرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ يُوقَفُ حَتَّى يُطَلِّقَ وَلَا يَقَعُ عَلَيْهِ الطَّلَاقُ حَتَّى يُطَلِّقَ وَيُذْكَرُ ذَلِكَ عَنْ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَعَائِشَةَ وَاثْنَي عَشَرَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ ﴾

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس ایلاء کے بارے میں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے' فرماتے تھے کہ مدت پوری ہونے کے بعد کسی کے لیے جائز نہیں' سوائے اس کے کہ معروف طریقے کے مطابق (اپنی بیوی کو) اپنے پاس ہی روک لے یا پھر طلاق دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' جب چار ماہ گزر جائیں تو ایلاء کرنے والے کو حاکم وقت کے پاس لا کھڑا کیا جائے اور اس وقت تک اسے چھوڑا نہ جائے جب تک وہ طلاق نہ دے دے اور طلاق دیئے بغیر اس پر طلاق واقع نہیں ہو گی۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابو درداء' حضرت عائشہ اور بارہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔(۱)

(3) حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿ أَدْرَكْتُ بِضْعَةَ عَشَرَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ كُلُّهُمْ يَقِفُونَ الْمُولِي ﴾

"میں نے رسول اللہ ﷺ کے دس سے زائد صحابہ کو دیکھا کہ وہ ایلاء کرنے والے کو روک کر پوچھتے

---

(۱) [بخاری (۵۲۹۱) کتاب الطلاق : باب حکم المفقود فی أهله وماله']

تھے (کہ وہ رجوع کرے یا طلاق دے)۔" (۱)

(4) ابن ابی ملیکہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا:

﴿ یُوْقَفُ الْمُوْلِیْ ﴾ "ایلاء کرنے والے کو کھڑا کیا جائے گا۔" (۲)

(5) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ثابت بن عبید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیان کرتے ہیں کہ

﴿ اَلْإِيْلَاءُ لَا يَكُوْنُ طَلَاقًا حَتّٰى يُوْقَفَ ﴾

"ایلاء اس وقت تک طلاق نہیں ہوتا جب تک کہ اس شخص کو ٹھہرایا نہ جائے (یعنی یہ دریافت نہ کیا جائے کہ تم اس سے رجوع کرو گے یا طلاق دو گے)۔" (۳)

(ابن کثیرؒ) اگر شوہر نے چار ماہ سے زائد مدت کے لیے قسم کھائی ہو تو چار ماہ کے بعد عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ مطالبہ کرے کہ یا تو وہ میل ملاپ کر لے یا طلاق دے دے اور حاکم شوہر کو ان دو باتوں میں سے ایک کے کرنے پر مجبور کرے گا تاکہ عورت کو ضرر نہ پہنچے۔ (٤)

(شیخ عبداللہ بسامؒ) اگر آدمی اپنی بیوی سے چار ماہ تک ایلاء کرے تو عورت پر اس مدت میں صبر کرنا لازم ہے اور اس کے لیے شوہر سے ہم بستری کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔ پھر جب چار ماہ گزر جائیں تو عورت اس سے ہم بستری کا مطالبہ کر سکتی ہے' اگر تو وہ ایسا کر لے تو ٹھیک ورنہ بیوی کے مطالبے پر حاکم اسے مجبور کرے گا کہ یا تو وہ اس سے ہم بستری کے ساتھ رجوع کرے یا پھر اسے طلاق دے دے۔ (٥)

ان صریح دلائل سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد شوہر کو رجوع کرنے یا پھر طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا' وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد از خود طلاق واقع نہیں ہو گی بلکہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا جائے گا۔

---

(۱) [صحیح : إرواء الغليل (۲۰۸٦) ترتيب المسند للشافعي (۲/۲ ٤) دارقطني (٦١/٤)] اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ [التعليق على سبل السلام للشيخ صبحى حلاق (٦/٢٤٣)]

(۲) [حسن : إرواء الغليل (١٧١/٧)]

(۳) [صحيح : إرواء الغليل (تحت الحديث ۲۰۸٥/) ' (١٧٢/٧) بيهقى (٣٧٦/٧)]

(٤) [تفسير ابن كثير (٣٦١/١)]

(٥) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٥٢٨/٥)]

(جمہور، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابو حنیفہؒ) مجرد مدتِ ایلاء گزرنے سے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۱)

(راجح) آیتِ ایلاء اور گزشتہ آثار سے جمہور کا مؤقف ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔(واللہ اعلم)

(ابن قیمؒ) انہوں نے اسی کو ترجیح دی ہے اور اسے ترجیح دینے کی دس وجوہ بھی بیان کی ہیں۔(۲)

(قرطبیؒ) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ ﴾ ''اور اگر وہ طلاق کا عزم کر لیں۔'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد از خود طلاق واقع نہیں ہوگی جیسا کہ امام مالکؒ کا قول ہے۔(۳)

(ابن العربیؒ) یہی مؤقف رکھتے ہیں۔(٤)

(نواب صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

(شیخ البانیؒ) یہی قول ظاہر ہے۔(٦)

(شیخ عبداللہ بسامؒ) حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ طلاق یا فسخ نکاح رجوع سے پہلے محض چار ماہ گزر جانے سے ہی واقع نہیں ہوگا بلکہ یقیناً (چار ماہ کے بعد بھی) نکاح باقی رہے گا اور طلاق اس وقت تک واقع نہیں ہوگی جب تک شوہر طلاق نہ دے دے خواہ حاکم نے ہی اسے اس پر مجبور کیا ہو کیونکہ اسے مجبور کرنا برحق ہے۔(۷)

(شیخ سلیم ہلالی) اسی کے قائل ہیں۔(۸)

---

(۱) [نیل الأوطار (٣٥٤/٤) الأم (٢٥٦/٥) الكافی لابن عبدالبر (ص/٢٧٩) المغنی (٣٠/١١) تفسیر اللباب فی علوم الكتاب (١٠٠/٤)]

(۲) [زاد المعاد (١٢٩/٤_١٣١)]

(۳) [تفسیر قرطبی (١٠٧/٣)]

(٤) [تفسیر أحكام القرآن لابن العربی (٢١٥/١)]

(٥) [نیل المرام من تفسیر آیات الأحكام (ص/٨٠)]

(٦) [التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة (٢٨١/٢)]

(۷) [توضیح الأحكام شرح بلوغ المرام (٥٣٠/٥)]

(۸) [موسوعة المناهی الشرعیة (٧٩/٣)]

مدتِ ایلاء

اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک ایلاء صرف چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت کی قسم کو کہتے ہیں' اس سے کم مدت میں ایلاء نہیں۔ امام ابن سیرین' امام ابن ابی لیلیٰ' امام قتادہ' امام حسن اور امام نخعی رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ ایلاء چار ماہ سے کم مدت میں بھی ہو جاتا ہے کیونکہ مقصود عورت کی سرزنش کرنا ہے اور وہ اس میں بھی موجود ہے۔ یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ایک ماہ ایلاء کرنا منقول ہے اور اگر چار ماہ سے کم ایلاء نہ ہوتا تو آپ ﷺ سے ایسا واقع نہ ہوتا۔(۱)

(شیخ عبداللہ بسامؒ) حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جائز ایلاء کی مدت چار ماہ ہے اور جو اس سے زیادہ ہو گی اس کی اجازت نہیں دی گئی۔(۲)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ

ایلاء میں اپنے شوہروں کی نافرمان عورتوں کے لیے تادیب کا پہلو ہے' جسے بقدرِ ضرورت ہی جائز قرار دیا ہے کہ اور وہ چار ماہ کی مدت ہے' جو ایلاء اس مدت سے زیادہ ہو گا وہ ظلم و زیادتی ہے۔(۳)

آزاد اور غلام کی مدتِ ایلاء

راجح بات یہی ہے کہ آزاد اور غلام دونوں کی مدتِ ایلاء چار ماہ ہے جیسا کہ قرآنی آیت ﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ...... ﴾ کا عموم اس پر شاہد ہے۔

(شافعیؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(مالکؒ، ابو حنیفہؒ) غلام کی مدتِ ایلاء دو ماہ ہے (یاد رہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف لونڈی کی مدتِ ایلاء دو ماہ ہے جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک صرف غلام مرد کی مدتِ ایلاء دو ماہ ہے)۔(٤)

اگر شوہر چار ماہ سے زیادہ دیر تک ہم بستر نہ ہو اور عورت بھی مطالبہ نہ کرے

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے قسم اٹھائی کہ وہ چار ماہ سے زیادہ مدت تک اپنی بیوی سے ہم بستری

---

(۱) [نيل الأوطار (٣٥٤/٤) الروضة الندية (١٣٤/٢)]

(۲) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٥٣٠/٥)]

(۳) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٥٣٣/٥)]

(٤) [تفسير اللباب فى علوم الكتاب (١٠١/٤) الروضة الندية (١٣٤/٢) المسوى (١٤١/٢)]

نہیں کرے گا' پھر چار ماہ پورے ہو گئے مگر بیوی نے نہ تو اس سے مطالبہ کیا اور نہ ہی معاملے کو حاکم کی طرف لے کر گئی تو ایسی صورت میں امام مالکؒ، ان کے اصحاب اور اکثر اہل مدینہ کی رائے یہ ہے کہ شوہر پر کچھ بھی لازم نہیں اور ہمارے کچھ دیگر اہل علم کی رائے یہ بھی ہے کہ (اس صورت میں) چار ماہ کی مدت گزرنے کے ساتھ ہی عورت کو ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی اور ان میں سے بعض کی رائے یہ بھی ہے کہ چار ماہ گزرنے پر عورت کو طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

صحیح مؤقف وہ ہے جو امام مالکؒ اور ان کے اصحاب نے اپنایا ہے' اس لیے کہ طلاق اس وقت تک لازم نہیں ہوتی جب تک بیوی کی طرف سے ہم بستری کے مطالبے کی وجہ سے حاکم شوہر کو یہ حکم نہیں دیتا کہ یا تو وہ ہم بستری کر کے عورت سے رجوع کر لے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے اور یا پھر اسے طلاق دے دے اور وہ اسے اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک وہ رجوع نہ کر لے یا طلاق نہ دے دے۔(۱)

کیا غصے کی حالت میں ایلاء ہو جاتا ہے

راجح مسلک یہی ہے کہ ہر حال میں ایلاء منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ غصہ کے ہونے یا نہ ہونے کی شریعت نے کوئی شرط نہیں لگائی۔ علاوہ ازیں یہ ایک لحاظ سے قسم ہی ہے اور قسم بالاتفاق ہر حال میں اٹھائی جا سکتی ہے۔

(ابن مسعودؓ) غصہ ہو یا نہ ہو ہر حال میں ایلاء منعقد ہو جاتا ہے۔

(شافعیؒ، مالکؒ، احمدؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابن عباس رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ) ایلاء صرف غصے کی حالت میں ہوتا ہے (امام لیث' امام شعبیؒ' امام حسن اور امام عطاء رحمہم اللہ اجمعین بھی یہی مؤقف رکھتے ہیں)۔(۲)

☐ واضح رہے کہ عورت سے خواہ ہم بستری کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو دونوں حالتوں میں ایلاء ہو جاتا ہے۔

(مالکؒ، ابو حنیفہؒ، اوزاعیؒ، نخعیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۳)

ایلاء کے ذریعے واقع ہونے والی طلاق کون سی ہو گی؟

(جمہور، مالکؒ، شافعیؒ) یہ طلاق رجعی ہے کیونکہ اس کے بائن ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

---

(۱) [تفسیر قرطبی (۱۰۲/۳)]

(۲) [تفسیر اللباب فی علوم الکتاب (۱۰۱/٤) تفسیر قرطبی (۷۰/۳) تفسیر طبری (٤٥٩/٤)]

(۳) [أیضا]

(ابو حنیفہؒ) ایلاء کی وجہ سے واقع ہونے والی طلاق بائن ہے کیونکہ اگر وہ رجعی ہو تو (اس کا مطلب یہ ہے کہ) خاوند بیوی کو رجوع پر مجبور کر سکتا ہے کیونکہ یہ تو اس کا حق ہے اس طرح عورت کو نہ تو کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے ضرر ختم ہوتا ہے۔(۱)

(راجح) پہلا مؤقف راجح ہے کیونکہ دین ہماری فہم کا نام نہیں بلکہ کتاب و سنت کا نام ہے اور جب کتاب و سنت میں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں کہ ایلاء کے بعد واقع ہونے والی طلاق بائن ہے تو ہم یہ کیسے حکم لگا سکتے ہیں کہ یہ طلاق بائن ہے۔ اس لیے یہ طلاق رجعی ہی ہے جس میں شوہر کو رجوع کا بھی حق حاصل ہے۔

(ابن تیمیہؒ) ایلاء کی مدت گزرنے کے بعد اگر شوہر طلاق دے دے یا حاکم طلاق دلوا دے تو صرف ایک رجعی طلاق ہی واقع ہو گی' اسی پر قرآن دلالت کرتا ہے۔(۲)

ایلاء کے بعد طلاق یافتہ عورت کی عدت

(سید سابقؒ) جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ ایلاء والی عورت (یعنی جسے ایلاء کے بعد طلاق دی گئی ہو) بھی دیگر مطلقات کی طرح عدت گزارے گی' کیونکہ وہ بھی مطلقہ ہی ہے (اس کے لیے اسلام نے کوئی خاص عدت مقرر نہیں کی)۔(۳)

---

(۱) [كما في فقه السنة (۲۳۲/۲)]

(۲) [الأخبار العلمية من الاختيارات الفقهية (ص / ۳۹۵)]

(۳) [فقه السنة (۲۳۲/۲)]

باب الظهار — ظہار کا بیان

ظہار کا معنی ومفہوم

لفظ "ظِهَار" باب ظَاهَرَ يُظَاهِرُ (مفاعلة وفعال) سے مصدر ہے۔اس کا معنی "مدد کرنا" ہے۔(۱)

قاموس میں ہے' ظہار یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی سے کہے ((أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ)) "تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مانند ہے۔"(۲)

بلاشبہ تمام اعضاء میں سے پشت کو ہی صرف اس لیے خاص کیا گیا ہے کیونکہ اغلباً یہی جائے سواری ہے اور اسی وجہ سے سواری کو" ظهر" بھی کہتے ہیں اور بیوی کو اس کے ساتھ مشابہت اس لیے دی گئی ہے کیونکہ وہ مرد کی سواری ہے (مراد جماع وہم بستری ہے)۔(۳)

(شوکانیؒ) ظہار یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے کہے "تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مانند ہے" یا کہے "میں نے تجھ سے ظہار کیا" یا اس معنی کے کوئی اور الفاظ استعمال کرے۔(٤)

فی الحقیقت ظہار پشت کو پشت کے ساتھ تشبیہ دینا ہے یعنی حلال پشت کو حرام پشت کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار کے حکم کا موجب ہے۔یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اجماع کیا ہے کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا "تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے" وہ ظہار کرنے والا ہے۔

ظہار کے الفاظ

ظہار کے الفاظ دو طرح کے ہو سکتے ہیں:

① صریح: مثلاً کہے: ((أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ)) "تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مانند ہے۔" یا کہے: ((فَرْجُكِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ)) "تیری شرمگاہ مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔" یا کہے: ((بَطْنُكِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ)) وغیرہ وغیرہ۔ایسے تمام الفاظ کے ساتھ بالاتفاق ظہار ہو جائے گا۔البتہ اس مسئلے میں

---

(۱) [المنجد (ص/٥٣٠)]

(۲) [القاموس المحيط (ص/٣٩٢)]

(۳) [تحفة الأحوذي (٤٦٢/٤) فتح الباري (٥٤٢/١٠)]

(٤) [الدرر البهية : كتاب الطلاق : باب الظهار]

فقہاء نے اختلاف کیا ہے کہ اگر ماں کے علاوہ دیگر محرمات مثلاً بیٹی' بہن' پھوپھی اور خالہ وغیرہ کے ساتھ تشبیہ دے تو کیا ظہار ہو جائے گا؟

(ابو حنیفہؒ، اوزاعیؒ) دیگر محارم کو بھی ماں پر قیاس کیا جائے گا (یعنی ان کے ساتھ تشبیہ دینے سے بھی ظہار ہو جائے گا۔ ایک روایت کے مطابق امام شافعیؒ کا بھی یہی مؤقف ہے)۔

(جمہور) ظہار صرف ماں کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ قرآن میں "أمھات" کا ہی ذکر ہے۔(۱)

اس آیت کے الفاظ یوں ہیں:

﴿الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَائِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ﴾ [المجادلة:۲]

"تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یعنی انہیں ماں کہہ بیٹھتے ہیں) وہ دراصل ان کی مائیں نہیں بن جاتیں' ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے' یقیناً یہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔"

(راجح) جمہور کا مؤقف راجح ہے۔

(شوکانیؒ) انہوں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔(۲)

② کنایہ: مثلاً انسان اپنی بیوی سے کہے: ((أَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ أُمِّي)) "تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے۔" اس میں دونوں احتمال ہیں یعنی معزز ہونے میں بھی ماں کی طرح ہو سکتی ہے اور حرام ہونے میں بھی۔ اس کا حکم نیت کے ساتھ ملحق ہے اگر یہ یا اس جیسے الفاظ کہنے والوں کی نیت ظہار کی ہو گی تو ظہار ہو جائے گا بصورت دیگر نہیں ہو گا۔(۳)

ظہار کا حکم

ظہار کرنا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے جھوٹ اور منکر قرار دیا ہے اور یہ دونوں کام ہی حرام ہیں۔

---

(۱) [نیل الأوطار (۳۵٦/٤) فتح الباری (٥٤٢/١٠) تفسیر اللباب فی علوم الکتاب (٥١٩/١٨) تفسیر قرطبی (١٧٧/١٧-١٧٨)]

(۲) [السیل الجرار (٤١٥/٢)]

(۳) [السیل الجرار (٤١٧/٢)]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا﴾ [المحادلة:٢]

''یقیناً ظہار کرنے والے ایک غلط بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔''

(سید سابقؒ) علماء نے اس (ظہار) کی حرمت پر اجماع کیا ہے۔(١)

(شیخ عبداللہ بسامؒ) کتاب وسنت اور اجماع کے ساتھ ظہار حرام ہے۔(٢)

(ابن منذرؒ) ظہار کی حرمت پر علماء نے اجماع کیا ہے۔(٣)

(شیخ عبدالعظیم بدوی، تلمیذِ البانیؒ) ظہار حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بُری اور جھوٹی بات قرار دیا ہے۔(٤)

(شیخ سلیم ہلالی) ظہار حرام ہے۔(٥)

(شیخ صالح بن فوزان) اسی کے قائل ہیں۔(٦)

آیتِ ظہار کا شانِ نزول

آیتِ ظہار کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت خولہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے ظہار کر لیا تھا' دورِ جاہلیت میں چونکہ ظہار کو طلاق ہی تصور کیا جاتا تھا اس لیے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سخت پریشان ہوئیں' اس وقت اس کی بابت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لیے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے بھی کچھ توقف فرمایا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و تکرار کرتی رہیں۔ جس پر یہ آیاتِ ظہار نازل ہوئیں' جن میں مسئلہ ظہار اور اس کا حکم و کفارہ بیان کیا گیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس کس طرح لوگوں کی باتیں سننے والا ہے کہ یہ عورت گھر کے ایک کونے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا (یعنی بحث و تکرار) کرتی اور اپنے خاوند کی شکایت

---

(١) [فقه السنة (٣٠٩/٢)]

(٢) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٥٣٤/٥)]

(٣) [أيضا]

(٤) [الوجيز في فقه السنة والكتاب العزيز (ص / ٣٢٠)]

(٥) [موسوعة المناهي الشرعية (٨٣/٣)]

(٦) [الملخص الفقهي (٣٢٢/٢)]

کرتی رہی‘ مگر میں اس کی باتیں نہیں سنتی تھی۔ لیکن اللہ نے آسمانوں پر سے اس کی بات سن لی۔(۱)

ایک تفصیلی روایت میں موجود ہے‘ حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں کہ اللہ کی قسم! میرے اور میرے خاوند اوس بن صامت کے بارے میں اس سورۂ مجادلہ کی ابتدائی چار آیتیں اتری ہیں۔ میں ان کے گھر میں تھی‘ یہ بوڑھے اور بڑی عمر کے تھے اور کچھ اخلاق کے بھی اچھے نہ تھے۔ ایک دن باتوں ہی باتوں میں میں نے ان کی کسی بات سے اختلاف کیا اور انہیں کچھ جواب دیا جس پر وہ بڑے غضب ناک ہوئے اور فرمانے لگے‘ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے‘ پھر گھر سے چلے گئے اور قومی مجلس میں کچھ دیر بیٹھے رہے‘ پھر واپس آئے اور مجھ سے خاص بات چیت کرنی چاہی‘ میں نے کہا اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں خویلہ کی جان ہے! تمہارے اس قول کے بعد اب یہ بات ناممکن ہے یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول کا ہمارے بارے میں فیصلہ نہ ہو جائے۔ لیکن وہ نہ مانے اور زبردستی کرنے لگے‘ مگر چونکہ کمزور اور ضعیف تھے‘ میں ان پر غالب آ گئی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے‘ میں اپنی پڑوسن کے ہاں گئی اور اس سے کپڑا مانگ کر اوڑھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی۔ اس واقعہ کو بیان کیا اور بھی اپنی مصیبتیں اور تکلیفیں بیان کرنی شروع کر دیں۔ آپ ﷺ یہی فرماتے جاتے تھے کہ خویلہ! اپنے خاوند کے بارے میں اللہ سے ڈرو‘ وہ بہت بوڑھے ہیں‘ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ آپ ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہو گئی‘ جب وحی اتر چکی تو آپ ﷺ نے فرمایا‘ اے خویلہ! تیرے اور تیرے خاوند کے بارے میں قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوئی ہیں‘ پھر آپ ﷺ نے "قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ" سے "عَذَابٌ أَلِيْمٌ" تک پڑھ سنایا۔

اور فرمایا جاؤ اپنے میاں سے کہو کہ ایک غلام آزاد کریں۔ میں نے کہا‘ اے اللہ کے رسول! ان کے پاس غلام کہاں؟ وہ تو بہت مسکین شخص ہیں‘ آپ ﷺ نے فرمایا‘ اچھا تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ لیں۔ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ تو بڑی عمر کے بوڑھے‘ ناتواں‘ کمزور ہیں۔ وہ دو ماہ کے روزے رکھنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا‘ پھر ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق (تقریباً چار من) کھجور دے دیں۔ میں نے کہا‘ اے اللہ کے رسول! اس مسکین کے پاس یہ بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا‘ اچھا آدھا وسق کھجوریں میں انہیں اپنے پاس سے دے دوں گا۔ میں نے کہا‘ یہ بہتر ہے اور آدھا وسق میں دے دوں

(۱) [حسن: صحیح ابو داود‘ ابو داود (۲۲۱٤) کتاب الطلاق: باب فی الظهار‘ صحیح ابن ماجه‘ ابن ماجه (۱۸۸) مقدمة: باب فیما أنکرت الجهمیة‘ مزید دیکھئے: تفسیر أحسن البیان (ص ۱۵٤۳)]

گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا' یہ تم نے بہت اچھا کیا' جاؤ یہ ادا کر دو اور اپنے شوہر کے ساتھ جو تمہارے چچا کے لڑکے ہیں' محبت' پیار' خیرخواہی اور فرمانبرداری سے گزارہ کرو۔(۱)

ظہار کس کی طرف سے ہوتا ہے؟

(سید سابق ؒ) ظہار صرف ایسے شوہر کی طرف سے ہوتا ہے جو عاقل' بالغ اور مسلمان ہو اور اپنی ایسی بیوی کے ساتھ ظہار کرے جس کے ساتھ اس کی شادی کا انعقاد صحیح اور نافذ ہو۔(۲)

ظہار کا کفارہ

- ایک غلام آزاد کرے۔
- اس کی طاقت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔
- اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ (60) مساکین کو کھانا کھلائے۔

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ' فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [المجادلة :۳۔۴]

"جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کر لیں تو ان کے ذمہ آپس میں ایک دوسرے کو چھونے (یعنی ہم بستری) سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے' اس کے ذریعہ تم نصیحت کیے جاتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ ہاں جو شخص (غلام آزاد کرنے کی طاقت) نہ پائے اس کے ذمہ دو ماہ کے مسلسل روزے ہیں' اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جس شخص کو یہ طاقت بھی نہ ہو اس پر ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ اس لیے کہ تم اللہ کی اور رسول کی حکم برداری کرو' یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور کفار ہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

---

(۱) [احمد (۶/۴۱۰۔۴۱۱) ابو داود (۲۲۱۴) مزید دیکھئے : تفسیر ابن کثیر (۳۴۲/۵)]

(۲) [فقه السنة (۲/۳۱۰)]

(2) حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿أَنَّ سَلْمَانَ بْنَ صَخْرٍ الْأَنْصَارِيَّ أَحَدَ بَنِي بَيَاضَةَ جَعَلَ امْرَأَتَهُ عَلَيْهِ كَظَهْرِ أُمِّهِ حَتَّى يَمْضِيَ رَمَضَانُ فَلَمَّا مَضَى نِصْفٌ مِنْ رَمَضَانَ وَقَعَ عَلَيْهَا لَيْلًا فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ لَا أَجِدُهَا قَالَ فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا أَسْتَطِيعُ قَالَ أَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا أَجِدُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِفَرْوَةَ بْنِ عَمْرٍو أَعْطِهِ ذَلِكَ الْعَرَقَ وَهُوَ مِكْتَلٌ يَأْخُذُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا أَوْ سِتَّةَ عَشَرَ صَاعًا إِطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا﴾

"حضرت سلمان بن صخر رضی اللہ عنہ جسے سلمان بن صخر بیاضی بھی کہا جاتا ہے' نے بیوی کو خود پر حرام قرار دیتے ہوئے یعنی اس سے ظہار کرتے ہوئے اس کی پیٹھ کو رمضان المبارک کے ختم ہونے تک اپنی والدہ کی مانند قرار دیا۔ جب نصف رمضان گزر گیا تو رات کے وقت بیوی سے ہم بستری کر لی' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وہ ایک غلام آزاد کرے اس نے (معذرت کے انداز میں) کہا' مجھ میں غلام آزاد کرنے کی طاقت نہیں ہے' آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تو مسلسل دو ماہ روزے رکھ' اس نے کہا اس کی بھی مجھ میں طاقت نہیں' پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا۔ اس نے عرض کیا' مجھ میں اس کی بھی طاقت نہیں' (اس پر) رسول اللہ ﷺ نے فروہ بن عمرو سے کہا' اسے وہ ٹوکرا دے دو جس میں پندرہ یا سولہ صاع کھجور ہوتی ہے تاکہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے۔"(۱)

(ترمذیؒ) مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ظہار کے کفارے میں اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔

(شیخ سلیم ہلالی) ظہار کرنے والے پر اپنی بیوی کو چھونے سے پہلے کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔(۲)

(شیخ ابن بازؒ) انہوں نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔(۳)

☐ یاد رہے کہ یہ کفارہ صرف مرد پر فرض ہے عورت پر نہیں۔

---

(۱) [حسن : هداية الرواة (۳۲۳۳) ' (۳۱۵/۳) صحيح ترمذى ' ترمذى (۱۲۰۰) كتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء في كفارة الظهار ' صحيح ابو داود (۱۹۳۳) كتاب الطلاق : باب في الظهار ' ابو داود (۲۲۱۳) نسائى (۳٤٥۷) كتاب الطلاق : باب الظهار]

(۲) [موسوعة المناهي الشرعية (۸۳/۳)]

(۳) [فتاوى اسلامية (۳۰۰/۳)]

کفارے میں ترتیب کا حکم

کفارہ دیتے ہوئے مذکورہ ترتیب کو ملحوظ رکھنا واجب ہے جیسا کہ یہ بات قرآن کی اس آیت سے ہی واضح ہے کہ ﴿ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ .... فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ ﴾ "یعنی اگر غلام آزاد کرنے کی طاقت نہیں تب دو ماہ کے روزے رکھے گا ایسا نہیں ہے کہ اس کی طاقت کے باوجود روزے رکھ لے یا مساکین کو کھانا کھلا دے۔" (۱)

کیا کفارے میں غلام کا مومن ہونا ضروری ہے؟

(ابو حنیفہؒ) کافر غلام بھی کفایت کر جائے گا کیونکہ قرآن میں مطلقاً ﴿ رقبة ﴾ "کوئی گردن" کا حکم ہے۔

(شافعیؒ) غلام کا مومن ہونا ضروری ہے رقبہ کو قتل کے کفارے ﴿ رقبة مومنة ﴾ کے ساتھ مقید کیا جائے گا۔(۲)

(راجح) غلام کا مومن ہونا ضروری نہیں۔ اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے کیونکہ یہاں بحث اُصولی ہے۔ یعنی کفارۂ ظہار میں مطلقاً غلام آزاد کرنے کا حکم ہے اور کفارۂ قتل میں مومن غلام آزاد کرنے کا حکم ہے۔ اب جو لوگ مطلق غلام کو مومن غلام کے ساتھ مقید کرتے ہیں ان کے نزدیک حکم ایک ہونے کے ساتھ سبب ایک ہونا مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے لیے شرط نہیں جیسا کہ امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں۔ لیکن راجح بات یہ ہے کہ اس کے لیے دونوں حکموں کا سبب ایک ہونا بھی شرط ہے لہٰذا چونکہ یہاں غلام آزاد کرنے کا سبب ظہار ہے اور وہاں غلام آزاد کرنے کا سبب قتل ہے تو افتراق السبب کی وجہ سے مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ کوئی بھی غلام آزاد کر دیا جائے' کفایت کر جائے گا۔(۳)

(نواب صدیق حسن خانؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

---

(۱) [تفسیر قرطبی (۱۸۵/۱۷)]

(۲) [مزید دیکھئے: بدائع الصنائع (۲۳۵/۳) الأم (۲۸۰/۵) المغنی (۸۱/۱۱) نیل الأوطار (۳۵۷/٤)]

(۳) [الوجیز (ص/۲۸٦) لطائف الإشارات (ص/۳۲۔۳۳) إرشاد الفحول (ص/١٤٥۔١٤٦)]

(٤) [نیل المرام (ص/ ۳٦۲)]

روزوں کا تسلسل برقرار رہے

جیسا کہ قرآن میں ہے کہ

﴿ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ﴾

”پے در پے بلا ناغہ دو ماہ کے روزے رکھے۔“

یعنی اگر درمیان میں بغیر کسی شرعی عذر (بیماری یا سفر وغیرہ) کے روزہ چھوڑ دیا تو نئے سرے سے پورے دو ماہ کے روزے دوبارہ رکھنے پڑیں گے۔

(شافعیؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابو حنیفہؒ) بیماری کی وجہ سے بھی اگر روزہ چھوڑا تو نئے سرے سے روزے رکھے گا۔(۱)

(راجح) پہلا مؤقف راجح ہے۔

کفارے کی ادائیگی سے پہلے ہم بستری

ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ قرآن میں ہے:

﴿ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَاسَّا ﴾

”ایک دوسرے کو چھونے (یعنی ہم بستری) سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا لازم ہے۔“

اسی طرح روزوں کے متعلق فرمایا:

﴿ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَاسَّا ﴾

”ایک دوسرے کو چھونے (یعنی جماع) سے پہلے لگاتار دو ماہ کے روزے رکھنا لازم ہے۔“

البتہ مساکین کو کھلانے سے پہلے یہ قید نہیں لہٰذا اگر روزوں کی تکمیل سے پہلے ہم بستری کر لی تو نئے سرے سے مکمل روزے رکھے گا اور اگر ساٹھ مساکین کو مکمل کرنے سے پہلے ہم بستری کر لی تو دوبارہ پہلے مسکین سے کھلانا شروع نہیں کرے گا۔

(شوکانیؒ) کفارہ ادا کرنے سے پہلے شوہر پر ہم بستری حرام ہے اور اس پر اجماع ہے۔اس پر کفارہ بھی واجب ہے اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے ہم بستری کرنے سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔(۲)

---

(۱) [تفسیر قرطبی (۱۸٤/۱۷)]

(۲) [نیل الأوطار (۳۵۹/٤)]

(سید سابقؒ) کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی کو چھونا (یعنی ہم بستر ہونا) حرام ہے۔(۱)

(شیخ عبداللہ بسامؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(ابن العربیؒ) کفارہ ادا کرنے سے پہلے ہم بستری کرنا حلال نہیں۔(۳)

(شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدیؒ) شوہر پر لازم ہے کہ اس وقت تک اپنی اس بیوی سے ہم بستری ترک کر دے جس سے ظہار کیا ہے' جب تک کفارہ نہ ادا کر دے۔(٤)

ہر مسکین کو کتنا کھانا کھلایا جائے؟

(ابن عبدالبرؒ) افضل یہ ہے کہ (ہر مسکین کو) دو مد کھانا کھلایا جائے۔(٥)

(ابو حنیفہؒ) ہر مسکین کو ایک صاع (تقریباً اڑھائی کلو) کھجور' یا مکئی' یا جو' یا منقیٰ کھلانا یا نصف صاع گندم کھلانا واجب ہے۔

(شافعیؒ) ہر مسکین کے لیے ایک مد دینا واجب ہے۔(٦)

(راجح) قرآن کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسکین کو اتنا کھانا کھلا دیا جائے جس سے وہ شکم سیر ہو جائے۔(واللہ اعلم)

☐ تمام مساکین کو اکٹھا کھانا کھلانا بھی ضروری نہیں بلکہ وقفے وقفے سے بھی کھلایا جا سکتا ہے۔

(مالکؒ، شافعیؒ) ساٹھ مساکین سے کم کو کھانا کھلا دینا کفایت نہیں کرے گا۔

(ابو حنیفہؒ) اگر ایک ہی مسکین کو روزانہ نصف صاع کھلا دے حتی کہ عدد مکمل کر دے تو کفایت کر جائے گا۔

(احمدؒ) اگر ظہار کرنے والے شخص کو صرف ایک مسکین ملے اور وہ اسے ساٹھ دنوں کی تعداد کے برابر کھانا کھلا دے تو درست ہے۔(۷)

---

(۱) [فقه السنة (۳۱۰/۲)]
(۲) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٥٣٦/٥)]
(۳) [تفسير أحكام القرآن لابن العربي (١٤١/٤)]
(٤) [تيسير الكريم الرحمن (١١٧٦/٢)]
(٥) [الاستذكار لابن عبدالبر (١٠٤/١٠)]
(٦) [نيل الأوطار (٣٥٨/٤) الأم (٢٨٤/٥) المغني (٩٤/١١)]
(۷) [الحاوى للماوردى (٥١٣/١٠) المبسوط (١٧/٧) الإنصاف فى معرفة الراجح من الخلاف (٢٣٠/٩) تفسير اللباب فى علوم الكتاب (٥٢٨/١٨)]

اگر کفارۂ ظہار کے روزے رکھتے ہوئے عید الاضحیٰ آجائے

(سعودی مجلس افتاء) کسی نے دریافت کیا کہ ایک آدمی ہے' اس پر بطورِ کفارۂ ظہار دو ماہ کے مسلسل روزے لازم ہیں اور دورانِ کفارہ (یعنی روزے رکھتے ہوئے) عید الاضحیٰ اور ایام تشریق کے تین دن آجاتے ہیں (کہ جن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے) تو کیا وہ روزے رکھتا جائے اور کفارہ پورا کرے یا ان ایام کے روزے چھوڑ دے (کیونکہ دوسری طرف یہ روزے مسلسل رکھنا بھی ضروری ہے)؟

مجلس افتاء نے جواب دیا کہ

ایسے ایام میں روزے چھوڑنے سے (کفارے کے روزوں کا) تسلسل نہیں ٹوٹتا کہ جن میں روزہ چھوڑنا واجب ہے مثلاً عید کا دن اور ایامِ تشریق وغیرہ۔ کیونکہ ان میں شرعی طور پر روزہ چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔ لہٰذا جب واجبی طور پر روزہ چھوڑنے والے دن ختم ہو جائیں تو وہ کفارے کے اتنے روزے رکھے جتنے (ان ایام سے) پہلے باقی رہ گئے تھے حتی کہ دو ماہ کے ساٹھ دن مکمل کرلے۔(۱)

کفارۂ ظہار کی ادائیگی کے لیے حاکم کی طرف سے اعانت

اگر ظہار کرنے والا فقیر و محتاج ہو اور روزوں کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو حکمران کے لیے جائز ہے کہ وہ بیت المال سے اس کی اعانت کردے اور ظہار کرنے والے کے لیے درست ہے کہ وہ اعانت کے مال کو اپنے اوپر اور اپنے اہل و عیال پر صرف کرے۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمہ بن صخر بیاضی رضی اللہ عنہ کو ان کے بھوک و افلاس کی وجہ سے انہیں صدقے کی کھجوریں دینے کا حکم دیا اور انہیں کہا ﴿ فَأَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا وَكُلْ أَنْتَ وَعِيَالُكَ بَقِيَّتَهَا ﴾ ''ساٹھ مساکین کو کھلا دو اور اس سے جو باقی بچ جائیں خود بھی کھاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی کھلاؤ۔''(۲)

اگر ظہار مقررہ مدت تک ہو تو کیا پھر بھی کفارہ واجب ہے؟

ظہار کی مدت مقرر ہو یا نہ ہو ہر صورت میں کفارہ واجب ہے کیونکہ کتاب و سنت میں مطلقا کفارۂ ظہار کا حکم دیا گیا ہے اور ایسی کوئی تقسیم کہیں موجود نہیں۔

---

(۱) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۳۱۷/۲۰)]

(۲) [حسن : صحيح ابو داود (۱۹۳۳) كتاب الطلاق : باب في الظهار' ابو داود (۲۲۱۳) ترمذی (۳۲۹۹) كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة المجادلة' دارمی (۱۶۳/۲)]

(سید سابقؒ) مقرر وقت کا ظہار بھی (حکم میں) مطلق ظہار کی طرح ہی ہے۔(۱)

کفارے کی ادائیگی سے پہلے ہم بستری کرنے والے پر کتنے کفارے لازم ہیں؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ قَدْ ظَاهَرَ مِنْ امْرَأَتِهِ فَوَقَعَ عَلَيْهَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي قَدْ ظَاهَرْتُ مِنْ زَوْجَتِي فَوَقَعْتُ عَلَيْهَا قَبْلَ أَنْ أُكَفِّرَ فَقَالَ وَمَا حَمَلَكَ عَلَى ذَلِكَ يَرْحَمُكَ اللَّهُ قَالَ رَأَيْتُ خَلْخَالَهَا فِي ضَوْءِ الْقَمَرِ قَالَ فَلَا تَقْرَبْهَا حَتَّى تَفْعَلَ مَا أَمَرَكَ اللَّهُ بِهِ﴾

''ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' اس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا اور وہ (کفارے کی ادائیگی سے پہلے ہی) اس سے ہم بستری کر بیٹھا تھا' اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! بلاشبہ میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا' پھر میں کفارہ ادا کرنے سے پہلے ہی اس سے ہم بستری کر بیٹھا ہوں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا' اللہ تم پر رحم کرے تجھے اس پر کس چیز نے ابھارا تھا؟ اس نے عرض کیا' میں نے چاند کی روشنی میں اس (اپنی بیوی) کی پازیب کو دیکھا تھا (تو میں صبر نہ کر سکا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اب اس وقت تک اس کے پاس نہ جانا جب تک اللہ کے حکم پر عمل نہ کر لو (یعنی کفارہ نہ ادا کر لو)۔''(۲)

معلوم ہوا کہ کفارے کی ادائیگی سے پہلے عورت سے مباشرت جائز نہیں اور اس پر اتفاق ہے لیکن اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی کفارے کی ادائیگی سے پہلے مباشرت کرے تو ایک ہی کفارہ ادا کرے گا یا دُگنا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس پر دو کفارے ادا کرنا لازم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تین کفارے ادا کرے گا۔ بعض کے نزدیک ہم بستری سے کفارہ ہی ساقط ہو جائے گا اور مطلقاً ایک ہی کفارے کو واجب کہتے ہیں۔

(جمہور، ائمہ اربعہ) ایسے شخص پر صرف ایک کفارہ ہی واجب ہے۔(۳)

(راجح) جمہور کا قول راجح ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو دو یا تین

---

(۱) [فقه السنة (۳۱۰/۲)]

(۲) [صحيح : صحيح ابو داود (۱۹٤۳) كتاب الطلاق : باب في الظهار ' ابو داود (۲۲۲۳) ترمذی (۱۱۹۹) كتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء في المظاهر يواقع قبل أن يكفر ' ابن ماجه (۲۰٦۵) كتاب الطلاق : باب المظاهر يجامع قبل أن يكفر ' نسائی (۳٤۵۷) كتاب الطلاق : باب الظهار ' بيهقی (۳۸٦/۷)]

(۳) [مزید دیکھئے: نيل الأوطار (۳۵۹/٤) تحفة الأحوذی (٤۲۷/٤) مرقاة المفاتيح (٤۵۰/٦) الفقه الإسلامی وأدلته (۶۰۵/۷-٦۰۷)]

کفاروں کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی یہ کہا کہ اب کفارہ ساقط ہو گیا ہے بلکہ حکم دیا کہ کفارے کی ادائیگی سے پہلے عورت کے قریب مت جانا۔ علاوہ ازیں ایک روایت میں واضح طور پر بھی یہ موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسے ظہار کرنے والے شخص کے متعلق فرمایا جو کفارے کی ادائیگی سے پہلے ہم بستری کر لیتا ہے:

﴿ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ ﴾ ''وہ ایک ہی کفارہ ادا کرے گا۔'' (۱)

(سید سابقؒ) کفارہ ادا کرنے سے پہلے اگر شوہر اپنی بیوی سے ہم بستر ہو جاتا ہے تو کفارہ ساقط نہیں ہو گا اور نہ ہی دُگنا ہو گا بلکہ جتنا ہے اتنا ہی رہے گا یعنی ایک کفارہ۔ (۲)

اگر ایک ہی کلمے میں زیادہ بیویوں سے ظہار کرے تو کتنے کفارے لازم ہیں؟

مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی دو یا تین (سب) بیویوں سے ایک ہی مرتبہ کہے کہ تم سب مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو تو کیا ایک ہی کفارہ لازم ہو گا یا جتنی بیویوں سے ظہار کیا ہے۔ اس کے متعلق ہشام بن عروہؒ اپنے والد عروہ بن زبیرؒ سے بیان کرتے ہیں کہ

﴿أَنَّهُ قَالَ فِي رَجُلٍ تَظَاهَرَ مِنْ أَرْبَعَةِ نِسْوَةٍ لَهُ بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ إِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ ﴾

''انہوں نے ایسے آدمی کے متعلق فرمایا جس نے اپنی چار بیویوں سے ایک ہی کلمے میں ظہار کیا ہے کہ ایسے شخص پر صرف ایک ہی کفارہ لازم ہے۔'' (۳)

(مالکؒ) فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک حکم اسی پر ہے۔ (٤)

(ابن العربیؒ) اگر کوئی شخص ایک ہی کلمے میں چار بیویوں سے ظہار کرے تو اس پر ایک کفارہ لازم ہو گا۔ (۵)

---

(۱) [صحیح : صحیح ابن ماجة (۱٦۷۹) کتاب الطلاق : باب المظاهر یجامع قبل أن یکفر ' ابن ماجة (۲۰٦٤) ترمذی (۱۱۹۸) کتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء فی المظاهر یواقع قبل أن یکفر ' ابو داود (۲۲۱۳) کتاب الطلاق : باب الظهار ' دارمی (۱٦۳/۲) کتاب الطلاق : باب فی الظهار ' احمد (۳۷/٤) ابن خزیمة (۲۳۷۸) ' (۷۳/٤)]

(۲) [فقه السنة (۳۱۱/۲)]

(۳) [صحیح مقطوع : موطا (۱۷۰۱) کتاب الطلاق : باب ظهار الحر]

(٤) [موطا ' أیضا]

(۵) [تفسیر أحكام القرآن لابن العربی (۱٤۰/٤)]

❑ واضح رہے کہ گزشتہ تمام مسائل میں غلام اور آزاد کے درمیان کوئی فرق نہیں کیونکہ شریعت نے ان میں کوئی فرق نہیں کیا۔

(ابن بطالؒ) انہوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔(۱)

اگر بیوی شوہر کو حرام کرے یا اپنے کسی محرم سے تشبیہ دے

(شیخ ابن بازؒ) کسی نے دریافت کیا کہ جب عورت اپنے خاوند سے یوں کہے کہ اگر تو نے یہ کام کیا تو تو مجھ پر ایسے ہی حرام ہے جیسے میرا باپ' یا اس پر لعنت کرے یا اس سے اللہ کی پناہ چاہے...... یا اس کے برعکس صورت ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

شیخ نے جواب دیا کہ

اگر عورت اپنے خاوند کو حرام قرار دے یا اسے اپنے کسی محرم سے تشبیہ دے تو اس کا حکم قسم کا حکم ہے' ظہار کا نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کی نص کی رو سے ظہار صرف مرد ہی اپنی عورتوں سے کر سکتے ہیں اور عورت پر قسم کا کفارہ لازم ہے جو دس مسکینوں کا کھانا ہے۔ ہر مسکین کو اس شہر کی غذا سے نصف صاع دینا ہوگا جس کی مقدار ڈیڑھ کیلو ہے یا وہ عورت دس مسکینوں کو صبح یا شام کا کھانا کھلا دے یا انہیں ایسی پوشاک دے جو کم از کم نماز ادا کرنے کے لیے کافی ہو تو کفارہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

"اللہ تمہاری بلا ارادہ قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ لیکن جو قسمیں تم پختہ کر لو (پھر پورا نہ کرو) ان پر مؤاخذہ کرے گا۔ تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو۔ یا ان کو کپڑے دینا' یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسمیں کھا لو (اور اسے پورا نہ کرو) اور تمہیں چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔" [المائدۃ : ۸۹]

اور اگر عورت اس چیز کو حرام کرتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حلال کیا ہے تو اس کا حکم قسم کا حکم ہے۔ اسی طرح اگر مرد اس چیز کو حرام کرتا ہے جو اللہ نے اس کی بیوی کے سوا اس کے لیے حلال کی ہے تو اس کا حکم بھی قسم کا حکم ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

---

(۱) [كما في نيل الأوطار (۳۵۷/٤)]

”اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے اسے حرام کیوں کرتے ہو؟ کیا (اس سے) اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔“

اور عورت اپنے خاوند پر لعنت کرے یا اس سے اللہ کی پناہ مانگے تو یہ بات اس عورت پر حرام ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اللہ کے حضور توبہ کرے اور اپنے خاوند سے معافی مانگے اور اس بات سے اس کا خاوند اس پر حرام نہیں ہو جاتا اور اس کلام کا اس پر کوئی کفارہ نہیں۔(۱)

نکاح کے بعد ہم بستری سے پہلے ظہار

(سعودی مجلس افتاء) کسی نے دریافت کیا کہ میرے بھائی نے اپنی بیوی کو شادی کے بعد ہم بستری سے قبل ہی (گھر میں جھگڑے کی وجہ سے) غصے میں آ کر یہ کہہ دیا کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہے' پھر ابھی تک وہ ہم بستر نہیں ہوئے' میں آپ سے اس بارے میں فتوے کا طلب گار ہوں؟

مجلس افتاء نے جواب دیا کہ

آپ کی ذکر کردہ بات کہ آپ کے بھائی نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لیا' صحیح ہے تو اگر یہ چیز عقدِ نکاح کے بعد واقع ہوئی ہے تو وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوا ہے اور اس پر کفارۂ ظہار (کی ادائیگی) لازم ہے جسے وہ اپنی بیوی کو چھونے سے پہلے ادا کرے گا خواہ اس نے ہم بستری سے پہلے بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہو یا ہم بستری کے بعد اور ظہار کا کفارہ یہ ہے' ایک مومن غلام آزاد کرنا' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا' تیس صاع گندم سے' ہر مسکین کو نصف صاع (یاد رہے کہ ایک صاع تقریباً اڑھائی کلوگرام کا ہوتا ہے)۔(۲)

---

(۱) [فتاوی ابن باز' مترجم (۱۷۶/۱)]

(۲) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۲۷۷/۲۰)]

باب اللعان
لعان کا بیان

لعان کا معنی ومفہوم

لغوی اعتبار سے ”لعان“ باب لَاعَنَ یُلَاعِنُ (مفاعلة ، فعال) سے مصدر ہے۔اس کا معنی ”ایک دوسرے پر لعنت کرنا“ ہے۔(۱)

حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ لعان لعن سے مشتق ہے کیونکہ لعنت کرنے والا مرد پانچویں شہادت میں کہتا ہے ”اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔“نام رکھنے کے لیے غضب کو چھوڑ کر لفظِ لعن کو اس لیے اختیار کیا گیا ہے کیونکہ یہ مرد کا قول ہے اور آیت میں اس سے ابتدا کی گئی ہے اور وہ مرد بھی اسی کے ساتھ ابتدا کرتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی جگانا اور دور کرنا ہے۔(۲)

لعان کی صورت یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگاتا ہے اور اس کے پاس گواہ موجود نہیں ہوتے یا شوہر کہتا ہے کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ میرا نہیں ہے' جبکہ اس کی بیوی اس سے انکار کرتی ہے تو پھر یہ شخص عدالت یا حاکم وقت کے سامنے چار مرتبہ اللہ کی قسم اٹھا کر گواہی دیتا ہے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں مرتبہ کہتا ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ پھر اس کے جواب میں بیوی چار مرتبہ قسم اٹھا کے شہادت دیتی ہے کہ اس کا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہتی ہے کہ اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔ تب وہ حدِ زنا سے بچ جاتی ہے۔اس کے بعد دونوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی ڈال دی جاتی ہے۔اس عمل کو لعان اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس میں دونوں جھوٹا ہونے کی صورت میں خود کو لعنت کا مستحق قرار دیتے ہیں۔

لعان کب کیا جاتا ہے؟اس کی مشروعیت اور طریقہ

- جب آدمی اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا حمل کا انکار کرے۔
- عورت اس کا اقرار نہ کرے اور نہ ہی شوہر اپنی تہمت سے رجوع کرے۔

---

(۱) [المنجد (ص/۶۹۵)]

(۲) [فتح الباری (۵۵۱/۱۰)]

❁ ایسی صورت میں میاں بیوی کے درمیان لعان کرانے کا حکم ہے۔

❁ لعان کا طریقہ درج ذیل پہلی آیت میں مذکور ہے اور اس کی مشروعیت کے دلائل اس کے بعد تفصیلاً ذکر کر دیے گئے ہیں۔

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ' وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ' وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ' وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴾ [النور: ٦-٩]

”جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کا کوئی گواہ بجز ان کی ذات کے نہ ہو تو ان میں سے کسی ایک کی شہادت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کے کہے کہ وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور اس عورت سے سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً اس کا مرد جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو۔“

(2) حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

﴿ أَنَّ عُوَيْمِرًا الْعَجْلَانِيَّ جَاءَ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ لَهُ يَا عَاصِمُ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ سَلْ لِي يَا عَاصِمُ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَسَأَلَ عَاصِمٌ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَكَرِهَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا حَتَّى كَبُرَ عَلَى عَاصِمٍ مَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا رَجَعَ عَاصِمٌ إِلَى أَهْلِهِ جَاءَ عُوَيْمِرٌ فَقَالَ يَا عَاصِمُ مَاذَا قَالَ لَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ عَاصِمٌ لَمْ تَأْتِنِي بِخَيْرٍ قَدْ كَرِهَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَسْأَلَةَ الَّتِي سَأَلْتُهُ عَنْهَا قَالَ عُوَيْمِرٌ وَاللَّهِ لَا أَنْتَهِي حَتَّى أَسْأَلَهُ عَنْهَا فَأَقْبَلَ عُوَيْمِرٌ حَتَّى أَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَسْطَ النَّاسِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ فِيكَ وَفِي صَاحِبَتِكَ فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا قَالَ سَهْلٌ فَتَلَاعَنَا وَأَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا فَرَغَا قَالَ عُوَيْمِرٌ

كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَكَانَتْ تِلْكَ سُنَّةَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ ﴾

''حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ حضرت عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا اے عاصم! تمہارا کیا خیال ہے 'اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر کو دیکھے تو کیا وہ اسے قتل کر سکتا ہے؟ پھر تم قصاص میں اسے (شوہر کو) بھی قتل کر دو گے یا پھر وہ کیا کرے گا؟ عاصم! رسول اللہ ﷺ سے میرے لیے یہ مسئلہ پوچھ دیجیے۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جب یہ مسئلہ پوچھا تو آپ ﷺ نے ان سوالات کو ناپسند فرمایا اور اس سلسلے میں آپ ﷺ کے کلمات عاصم رضی اللہ عنہ پر گراں گزرے اور جب وہ واپس اپنے گھر آگئے تو عویمر رضی اللہ عنہ نے آکر ان سے پوچھا کہ بتائیے آپ سے رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا؟ اس پر عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا تم نے مجھ کو آفت میں ڈالا ہے۔ جو سوال تم نے پوچھا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کو ناگوار گزرا ہے۔ عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا' اللہ کی قسم! میں یہ مسئلہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیے بغیر ہرگز باز نہیں آؤں گا۔ چنانچہ وہ روانہ ہوئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ ﷺ لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ عویمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر کو پالیتا ہے تو آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا وہ اسے قتل کر دے؟ لیکن اس صورت میں آپ اسے قتل کر دیں گے یا پھر اسے کیا کرنا چاہیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیوی کے بارے میں وحی نازل کی ہے' اس لیے تم جاؤ اور اپنی بیوی کو بھی ساتھ لاؤ۔ سہل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر دونوں (میاں بیوی) نے لعان کیا۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھا۔ جب دونوں لعان سے فارغ ہوئے تو حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! اگر اس کے بعد بھی میں اسے اپنے پاس رکھوں تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) میں جھوٹا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کے حکم سے پہلے ہی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ ابن شہاب نے بیان کیا کہ پھر لعان کرنے والے کے لیے یہی طریقہ جاری ہو گیا (کہ لعان کے بعد وہ بھی مل کر نہیں رہ سکتے بلکہ ہمیشہ کے لیے جدا ہو جاتے ہیں)۔'' (۱)

---

(۱) [بخاری (۵۲۵۹) کتاب الطلاق : باب من أجاز طلاق الثلاث ' مسلم (۱۴۹۲) کتاب اللعان ' ابو داود (۲۲۴۵) کتاب الطلاق : باب فی اللعان ' ابن ماجه (۲۰۶۶) کتاب الطلاق : باب اللعان ' نسائی فی السنن الکبری (۵۶۶۰/۳) دارمی (۲۲۲۹) عبد الرزاق (۱۲۴۴۵) ابن حبان (۴۲۸۵) ابن الجارود (۷۵۶) طبرانی کبیر (۵۶۷۴) موطا (۵۶۶/۲) أحمد (۳۳۶/۵)]

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿أَنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِشَرِيكِ ابْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْبَيِّنَةَ أَوْ حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا رَأَى أَحَدُنَا عَلَى امْرَأَتِهِ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ الْبَيِّنَةَ وَإِلَّا حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ فَقَالَ هِلَالٌ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنِّي لَصَادِقٌ فَلَيُنْزِلَنَّ اللَّهُ مَا يُبَرِّئُ ظَهْرِي مِنَ الْحَدِّ فَنَزَلَ جِبْرِيلُ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ "وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ فَقَرَأَ حَتَّى بَلَغَ إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ "فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَجَاءَ هِلَالٌ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ فَلَمَّا كَانَتْ عِنْدَ الْخَامِسَةِ وَقَّفُوهَا وَقَالُوا إِنَّهَا مُوجِبَةٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَتَلَكَّأَتْ وَنَكَصَتْ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهَا تَرْجِعُ ثُمَّ قَالَتْ لَا أَفْضَحُ قَوْمِي سَائِرَ الْيَوْمِ فَمَضَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَبْصِرُوهَا فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِشَرِيكِ ابْنِ سَحْمَاءَ فَجَاءَتْ بِهِ كَذَلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْلَا مَا مَضَى مِنْ كِتَابِ اللَّهِ لَكَانَ لِي وَلَهَا شَأْنٌ﴾

”حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ تہمت لگائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی۔ انہوں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک غیر کو مبتلا دیکھتا ہے تو کیا ایسی حالت میں وہ گواہ تلاش کرنے جائے گا؟ لیکن آپ ﷺ یہی فرماتے رہے کہ گواہ لاؤ' ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی۔ اس پر ہلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے! میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ خود ہی کوئی ایسی آیت نازل فرمائے گا جس کے ذریعے میرے اوپر سے حد دور ہو جائے گی۔ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ آیت نازل ہوئی ”جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں..... یہاں تک..... اگر وہ سچوں میں سے ہے۔“ جب نزولِ وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا تو آپ ﷺ نے آدمی بھیج کر حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کو بلوایا' وہ آئے اور آیت کے مطابق چار مرتبہ قسم کھائی۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے تو کیا وہ توبہ کرنے پر تیار نہیں ہے؟ اس کے بعد ان کی بیوی کھڑی ہوئی اور اس نے بھی قسمیں کھائیں' جب وہ پانچویں قسم پر پہنچی (اور کہنے لگی کہ اگر میں جھوٹی ہوں تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو) تو لوگوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ (اگر تم جھوٹی ہو تو)

اس سے تم پر اللہ کا عذاب ضرور نازل ہو گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اس پر وہ ہچکچائی ہم نے سمجھا کہ وہ اپنا بیان واپس لے لے گی۔ لیکن یہ کہتے ہوئے کہ زندگی بھر کے لیے میں اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی' اس نے پانچویں بار بھی قسم کھالی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا' دیکھنا اگر بچہ خوب سیاہ آنکھوں والا' بھاری سرین اور بھری بھری پنڈلیوں والا پیدا ہوا تو پھر وہ شریک بن سحماء ہی کا ہو گا۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ اسی شکل وصورت کا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اگر کتاب اللہ کا حکم نہ آچکا ہوتا تو میں اسے رجم کی سزا سنا دیتا۔" (۱)

(شوکانیؒ) رقمطراز ہیں کہ لعان کی مشروعیت پر اجماع ہے۔ (۲)

(سید سابقؒ) جب مرد اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے' وہ اسے تسلیم نہ کرے اور مرد بھی اپنے الزام سے رجوع نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے لیے لعان کو مشروع قرار دیا ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ لعان کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے پاس اس پر گواہی دینے کے لیے چار گواہ موجود نہ ہوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ (اپنی بیوی کے) حمل کا انکار کر دے (اور کہے اس حمل کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں)۔ (۳)

مشروعیتِ لعان کی حکمت

شیخ ابو بکر جابر الجزائری نے لعان کی درج ذیل حکمتیں نقل فرمائی ہیں:

- اس میں زوجین کی عزت کا تحفظ اور مسلمان کی تکریم ہے (کیونکہ شرعاً لوگ باتیں نہیں بنا سکتے)۔
- خاوند سے حدِ قذف ساقط ہو جاتی ہے اور عورت سے حدِ زنا۔
- حمل اگر واقعتاً دوسرے (غیر خاوند) کا ہے تو اس کے انکار کی قانونی گنجائش نکل آتی ہے۔ (٤)

---

(۱) [بخاری (٤٧٤٧) کتاب التفسیر : باب قوله : ویدرأ عنها العذاب ' أبو داود (٢٢٥٤) کتاب الطلاق : باب فی اللعان ' ترمذی (٣١٧٩) کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة التوبة ' ابن ماجة (٢٠٦٧) کتاب الطلاق : باب اللعان ' إرواء الغلیل (٢٠٩٨)]

(۲) [نیل الأوطار (٣٦٦/٤)]

(۳) [فقه السنة (٣١٣/٢)]

(٤) [منهاج المسلم ' مترجم (ص / ٦٥٢)]

اگر زوجین میں سے کوئی ایک لعان سے انکار کرے

اہل علم کا کہنا ہے کہ لعان سے یا تو مرد انکار کرے گا یا پھر عورت۔ اگر مرد انکار کرے گا تو وہ حدِ قذف کا مستحق ہو گا۔ کیونکہ قرآن میں ہے کہ

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاء إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ﴾ [النور: ٦]

"اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں اور ان کے پاس اپنے نفس کے سوا گواہ نہیں ہوتے تو ان میں سے ایک کا شہادت دینا ہے اللہ کے نام کی چار شہادتیں' بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔"

جب اس نے شہادت نہیں دی تو وہ اس الزام میں اجنبی کی طرح ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گزر چکا ہے کہ "گواہ لاؤ ورنہ تمہیں حد لگائی جائے گی۔"

(احمدؒ، شافعیؒ، مالکؒ) اسی کے قائل ہیں۔

(ابو حنیفہؒ) اس پر حد نہیں' اسے اس وقت تک قید کیا جائے گا جب تک وہ لعان نہ کر لے یا خود کو جھٹلا نہ دے' اگر اس نے خود کو جھٹلا دیا تو پھر اس پر حدِ قذف لازم آئے گی (بصورتِ دیگر نہیں)۔

اگر بیوی لعان سے انکار کرے تو اس کے متعلق اہل علم کی درج ذیل آراء ہیں:

(مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) اس پر حدِ زنا قائم کی جائے گی۔

(ابو حنیفہؒ) اس پر حد نہیں لگائی جائے گی بلکہ اسے اس وقت تک قید کیا جائے گا جب تک وہ زنا کا اقرار نہ کر لے۔ اگر اس نے مرد کو سچا کہہ دیا تو اس پر حد قائم کی جائے گی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے "کسی مسلمان کا خون تین میں سے ایک بات کے بغیر حلال نہیں' ایک شادی کے بعد زنا' دوسری ایمان کے بعد کفر اور تیسری کسی کو ناحق قتل کرنے کے باعث۔"

(ابن رشدؒ) انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی رائے کو ترجیح دی ہے۔

(سید سابقؒ) رقمطراز ہیں کہ ابو المعالی نے اپنی کتاب "البرہان" میں اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کی قوت کا اعتراف کیا ہے جبکہ وہ خود شافعی ہیں۔(۱)

---

(۱) [فقہ السنۃ (۳۱۶/۲) بدایۃ المجتہد (۲۰۸/۲)]

لعان کرنے والوں کو نصیحت

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے لعان کرنے والے میاں بیوی سے تین مرتبہ کہا:

﴿اللَّهُ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ؟﴾

"اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے تو کیا تم میں سے وہ رجوع کرے گا؟۔" (۱)

(2) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ

﴿أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ رَجُلًا حِينَ أَمَرَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ أَنْ يَتَلَاعَنَا أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عَلَى فِيهِ عِنْدَ الْخَامِسَةِ يَقُولُ "إِنَّهَا مُوجِبَةٌ"﴾

"نبی کریم ﷺ نے جب لعان کرنے والوں کو لعان کرنے کا حکم دیا تو ایک شخص کو یہ حکم دیا کہ وہ پانچویں قسم کے وقت قسم کھانے والے کے منہ پر ہاتھ رکھ دے اور آپ ﷺ نے فرمایا' یہ پانچویں قسم ہلاکت و بربادی کی موجب ہے۔" (۲)

(نوویؒ) حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حاکم لعان کرنے والے دونوں (میاں بیوی) کو نصیحت کرے اور انہیں جھوٹی قسم کے وبال سے ڈرائے اور انہیں یہ بھی بتائے کہ دنیاوی عذاب یعنی حد پر صبر کرنا اُخروی عذاب سے زیادہ ہلکا ہے۔ (۳)

(شیخ عبداللہ بسامؒ) حاکم کو چاہیے کہ قسمیں اٹھاتے وقت زوجین میں سے ہر ایک کو وعظ کرے شاید اگر وہ جھوٹا ہو تو اپنی بات سے رجوع کر لے اور اسی طرح لعان مکمل ہونے کے بعد بھی ان دونوں کو توبہ کی تلقین کی جائے تاکہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لے۔ (٤)

(سید سابقؒ) لعان کے وقت حاکم پر ضروری ہے کہ وہ عورت کو سمجھائے اور نصیحت کرے۔ (٥)

---

(۱) [بخاری (٥٣١١ ' ٥٣١٢) کتاب الطلاق : باب صداق الملاعنة ' مسلم (١٤٩٣) کتاب اللعان ' ابو داود (٢٢٥٧) کتاب الطلاق : باب فی اللعان ' ترمذی (١٢٠٢) کتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء فی اللعان ' نسائی (١٧٧/٦) مؤطا (٥٦٧/٢) دارمی (٢٢٢٩) ابن الجارود (٧٥٢) ابن حبان (٤٢٨٦) أبو یعلی (٥٦٥١) حمیدی (٦٧١) عبد الرزاق (١٢٤٥٤) بغوی (٢٣٦٩)]

(۲) [صحیح : صحیح ابو داود (١٩٧٥) کتاب الطلاق : باب فی اللعان ' ابو داود (٢٢٥٥)]

(۳) [شرح مسلم للنووی (٣٩٠/٥)]

(٤) [توضیح الأحکام شرح بلوغ المرام (٥٤٣/٥)]

(٥) [فقه السنة (٣١٤/٢)]

لعان کے وقت حاکم کا انکشافِ حقیقت کی دعا کرنا

رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت عویمر رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کے درمیان لعان کرایا تو یہ دعا کی:

﴿اللّٰهُمَّ بَيِّنْ﴾

''اے اللہ! معاملہ واضح کر دے۔''

چنانچہ پھر عویمر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے جو بچہ جنا وہ اسی شخص سے مشابہ تھا جس کے متعلق اس کے شوہر نے کہا تھا کہ انہوں نے اپنی بیوی کے پاس اسے پایا تھا۔(۱)

لعان کے بعد دونوں میں ہمیشہ کے لیے جدائی ہو جائے گی

(1) حضرت سعید بن جبیرؒ بیان کرتے ہیں کہ

﴿ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنْ حَدِيثِ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فَقَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ حِسَابُكُمَا عَلَى اللّٰهِ أَحَدُكُمَا كَاذِبٌ ''لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا'' قَالَ مَالِي قَالَ لَا مَالَ لَكَ إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ أَبْعَدُ لَكَ ﴾

''میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے لعان کرنے والوں کا حکم پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تمہارا حساب تو اللہ تعالیٰ کے ہی ذمہ ہے 'تم میں سے ایک جھوٹا ہے۔ اب تمہیں تمہاری بیوی پر کوئی اختیار نہیں۔ اس صحابی نے عرض کیا کہ میرا مال واپس کرا دیجئے (جو میں نے بطورِ مہر دیا تھا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب وہ تمہارا مال نہیں ہے۔ اگر تم اس کے معاملہ میں سچے ہو تو تمہارا یہ مال اس کے بدلہ میں ختم ہو چکا ہے کہ تم نے اس کی شرمگاہ کو حلال کیا تھا اور اگر تم نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی تھی تو پھر وہ تم سے بعید تر ہے۔''(۲)

(2) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ

﴿ فَمَضَتِ السُّنَّةُ بَعْدُ فِي الْمُتَلَاعِنَيْنِ ''أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ لَا يَجْتَمِعَانِ أَبَدًا'' ﴾

''اس لعان کے بعد دو لعان کرنے والوں کے متعلق یہ طریقہ جاری ہو گیا کہ ان کے درمیان جدائی

---

(۱) [بخاری (۵۳۱٦) کتاب الطلاق : باب قول الامام : اللهم بين]

(۲) [بخاری (۵۳۱۲) کتاب الطلاق : باب قول الامام للمتلاعنين إن أحدكما كاذب ' مسلم (۱٤۹۳) کتاب اللعان ' ابو داود (۲۲۵۷) کتاب الطلاق : باب في اللعان ' نسائی (۱۷۷/٦) حمیدی (٦۷۱)]

ڈال دی جاتی تو پھر کبھی وہ اکٹھے نہ ہو سکتے۔''(۱)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

﴿ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَرَّقَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ قَذَفَهَا وَأَحْلَفَهُمَا ﴾

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کرا دی تھی جنہوں نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی تھی اور دونوں سے قسم لی تھی۔''(۲)

(4) ایک دوسری روایت میں ہے کہ

﴿لَاعَنَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا ﴾

''قبیلہ انصار کے ایک صاحب اور ان کی بیوی کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرایا تھا اور دونوں کے درمیان جدائی کرا دی تھی۔''(۳)

(5) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

﴿ الْمُتَلَاعِنَانِ يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا وَلَا يَجْتَمِعَانِ أَبَدًا ﴾

''دو لعان کرنے والوں کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی اور وہ کبھی اکٹھے نہیں ہو سکیں گے۔''(٤)

(6) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ عویمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے پہلے ہی تین طلاقیں دے دیں تھیں۔(٥)

انہوں نے اپنی بیوی کو لعان کے بعد تین طلاقیں اس لیے دیں کیونکہ انہیں علم نہیں تھا کہ لعان بذات خود ہمیشہ کی جدائی کا موجب ہے لہٰذا انہوں نے اپنی بیوی کو بذریعہ طلاق ہی خود کے لیے حرام کر دینا چاہا۔

(شیخ عبداللہ بسامؒ) جب میاں بیوی کے درمیان لعان مکمل ہو جاتا ہے تو ان کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی ڈال دی جاتی ہے' وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی خواہ وہ (اس کے لیے دوبارہ) شادی

---

(۱) [صحیح : صحیح ابو داود (۱۹٦۹) کتاب الطلاق : باب فی اللعان ' ابو داود (۲۲۵۰)]

(۲) [بخاری (۵۳۱۳) کتاب الطلاق : باب التفریق بین المتلاعنین]

(۳) [بخاری (۵۳۱٤) کتاب الطلاق : باب التفریق بین المتلاعنین]

(٤) [صحیح : إرواء الغلیل (تحت الحدیث ۲۱۰۳/ ۲۱) ' (۱۸۸/۷) بیہقی (٤۱۰/۷)]

(٥) [بخاری (۵۲۵۹) مسلم (۱٤۹۲)]

ہی کرنا چاہیں۔(۱)

لعان کے بعد مرد کو عورت سے مہر وصول کرنے کا کوئی حق نہیں

جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے میاں بیوی کے درمیان لعان کرادیا تو شوہر نے کہا:

﴿ مَالِي قَالَ قِيلَ لَا مَالَ لَكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَقَدْ دَخَلْتَ بِهَا وَإِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَهُوَ أَبْعَدُ مِنْكَ ﴾

"میرے مال کا کیا ہوگا (جو میں نے بطورِ مہر دیا تھا)؟ تو اس سے کہا گیا کہ وہ مال (جو تم نے عورت کو مہر میں دیا تھا) اب تمہارا نہیں رہا۔ اگر تم سچے ہو (اس تہمت لگانے میں تب بھی کیونکہ) تم اس عورت کے پاس تنہائی میں جا چکے ہو اور اگر تم جھوٹے ہو تب تو تم کو اور بھی مہر نہیں ملنا چاہیے۔" (۲)

کیا لعان کرنے والی عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے؟

(سعودی مجلس افتاء) جب زوجین کے درمیان لعان مکمل ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے تفریق کرادی جائے گی، پھر وہ عورت اس کے لیے (کبھی بھی) حلال نہیں ہوگی۔ البتہ اس عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ عدت ختم ہونے کے بعد اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کر لے۔(۳)

بچہ کس کے سپرد کیا جائے گا؟

بچہ (جس کا شوہر نے انکار کیا ہے) صرف ماں کے حوالے کر دیا جائے گا اور جس نے اسے اس بچے کی وجہ سے تہمت لگائی وہ تہمت کی حد کا مستحق ہوگا۔

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

﴿أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَاعَنَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَتِهِ فَانْتَفَى مِنْ وَلَدِهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْأَةِ﴾

---

(۱) [توضیح الأحكام شرح بلوغ المرام (۵/۴۳)]

(۲) [بخاری (۵۳۱۱) كتاب الطلاق ' باب صداق الملاعنة]

(۳) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۲۰/۳۲۶)]

"نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرا دیا تھا پھر اس آدمی نے اپنی بیوی کے لڑکے کا انکار کیا تو آپ ﷺ نے دونوں کے درمیان علیحدگی کرا دی اور لڑکا عورت کو دے دیا۔" (۱)

(2) عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعان کرنے والوں کے بچے کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ

﴿ أَنَّهُ يَرِثُ أُمَّهُ وَتَرِثُهُ أُمُّهُ وَمَنْ رَمَاهَا بِهِ جُلِدَ ثَمَانِينَ ﴾

"وہ اپنی ماں کا وارث ہو گا اور اس کی ماں اس کی وارث ہو گی اور جس نے اس بچے کی وجہ سے تہمت لگائی' اسے اسی (80) کوڑے لگائے جائیں گے۔" (۲)

اس کے علاوہ وہ تمام دلائل بھی اس کی تائید کرتے ہیں جو حدِ قذف کو واجب کرنے والے ہیں۔

(سید سابق ؒ) جب مرد اپنے بچے کا انکار کر دے تو اس کے اس انکار کی وجہ سے لعان مکمل ہو جائے گا' اس کا نسب اس کے باپ سے ختم ہو جائے گا اور اس سے اس کا خرچہ بھی ساقط ہو جائے گا۔ نیز ان دونوں کے درمیان وراثت بھی ختم ہو جائے گی' وہ اپنی ماں کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا' وہ اس کی وارث ہو گی اور وہ اس کا وارث ہو گا۔ (۳)

لعان میں مرد سے ابتدا

یہی طریقہ مشروع ہے جیسا کہ قرآن میں یہی ترتیب موجود ہے اور پھر ایک حدیث میں بھی ہے کہ

﴿ فَبَدَأَ بِالرَّجُلِ ﴾ "آپ ﷺ نے آدمی سے ابتدا کی۔" (٤)

(شوکانی ؒ) اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ لعان میں حاکم مرد سے ابتدا کرے گا۔ امام مہدی ؒ نے "البحر الزخار" میں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ شوہر کو (لعان میں) مقدم کرنا سنت ہے۔

(عبد الرحمٰن مبارکپوری ؒ) لعان میں مرد سے ابتدا ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی سے ابتدا کی ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض ؒ وغیرہ نے شوہر سے ابتدا کرنے پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے۔

---

(۱) [بخاری (٥٣١٥) کتاب الطلاق : باب یلحق الولد بالملاعنة ' ابو داود (٢٢٥٩) کتاب الطلاق : باب فی اللعان]

(۲) [أحمد (٢١٦/٢) الفتح الربانی (٢٨٠)]

(۳) [فقه السنة (٣١٨/٢)]

(٤) [أحمد (١٩/٢) بخاری (٥٣٠٧) کتاب الطلاق : باب یبدأ الرجل بالتلاعن]

(شافعیؒ) اس ترتیب کو واجب کہتے ہیں۔

(ابن العربیؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔

(ابو حنیفہؒ) ان کے نزدیک اگر عورت سے بھی لعان شروع کرایا جائے تب بھی درست ہے۔(۱)

(سید سابقؒ) علماء کا اتفاق ہے کہ لعان میں مرد کو عورت پر مقدم کیا جائے گا' وہ عورت سے قبل شہادت دے گا۔(۲)

کیا لعان طلاق ہے؟

اس مسئلے میں فقہا نے اگرچہ اختلاف کیا ہے لیکن راجح بات یہی ہے کہ لعان فسخ ہے طلاق نہیں کیونکہ اس کے بعد عورت مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے جبکہ طلاق میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس میں فوراً دونوں کے درمیان علیحدگی کرا دی جاتی ہے جبکہ طلاق میں ایسا نہیں کیا جاتا۔ اور اس میں لعان کے بعد مرد پر عورت کا نفقہ و خرچہ اور رہائش لازم نہیں رہتی جبکہ طلاق رجعی کے بعد یہ لازم ہوتا ہے۔

(البانیؒ) انہوں نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

﴿ الْمُتَلَاعِنَانِ إِذَا تَفَرَّقَا ' لَا يَجْتَمِعَانِ أَبَدًا ﴾

''لعان کرنے والے (میاں بیوی) جب جدا ہو جائیں تو وہ کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔''(۳)

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ذریعے یہ حجت پکڑنا درست ہے کہ لعان کی جدائی صرف فسخ نکاح ہی ہے' امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور ان کے علاوہ دیگر علماء کا یہی مذہب ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ (لعان کی جدائی) طلاقِ بائن ہے' مگر حدیث ان کا رد کرتی ہے۔ یہی رائے (کہ لعان فسخ ہے) امام مالکؒ، امام ثوریؒ، امام ابو عبیدؒ اور امام ابو یوسفؒ کی ہے اور یہی وہ حق ہے جس کا نظر سلیم تقاضا کرتی ہے۔(٤)

(ابن قیمؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

---

(۱) [نيل الأوطار (٣٦٧/٤)]

(۲) [تحفة الأحوذی (٤٣٧/٤) فقه السنة (٣١٦/٢)]

(۳) [**صحيح** : السلسلة الصحيحة (٢٤٦٥)]

(٤) [نظم الفرائد (٣٨/٢)]

(٥) [زاد المعاد (١٥١/٤)]

(امیر صنعانیؒ) انہوں نے اسی جانب میلان ظاہر کیا ہے۔(۱)

شوہر کو حد قذف

اگر شوہر تہمت کے بعد گواہ نہیں لاتا تو اس پر حد واجب ہو گی لیکن اگر لعان کر لیتا ہے تو حد ساقط ہو جائے گی جیسا کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنی بیوی پر تہمت لگائی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الْبَيِّنَةَ أَوْ حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ﴾

''گواہ لاؤ ورنہ حد لگے گی۔''

لیکن پھر جب آیاتِ لعان نازل ہوئیں اور اس نے لعان کر لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے حد ساقط کر دی۔(۲)

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔

(ابو حنیفہؒ) اگر شوہر اپنی بیوی کو تہمت لگائے تو اس پر صرف لعان ہی لازم ہے۔(۳)

(راجح) جمہور کا قول راجح ہے۔(٤)

کیا لعان کے بعد از خود علیحدگی ہو جائے گی؟

یا صرف حاکم کے جدائی ڈالنے پر ہی علیحدگی ہو گی؟

(احناف) اس وقت تک جدائی نہیں ہو گی جب تک کہ حاکم انہیں جدا نہ کر دے (جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جدائی کرائی)۔

(مالکؒ) جب دونوں لعان سے فارغ ہوں گے تو از خود علیحدگی ہو جائے گی خواہ حاکم تفریق نہ بھی کرائے کیونکہ وہ عورت اب شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو چکی ہے لہٰذا اگر وہ اکٹھے رہنا بھی چاہیں تو نہیں رہ سکتے۔

(شافعیؒ) جب شوہر شہادت مکمل کر لے تو اسی وقت عورت مرد پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔(٥)

(راجح) امام مالکؒ کا قول راجح معلوم ہوتا ہے۔(واللہ اعلم)

---

(۱) [سبل السلام (۲٤۱/۳)]

(۲) [بخاری (٤٧٤٧) ابو داود (۲۲٥٦) أحمد (۲۳۸/۱)]

(۳) [الحاوی للحاوردی (۱۱/۱۱) المبسوط (۳۹/۷) نیل الأوطار (۳۷۱/٤)]

(٤) [اللباب في علوم الكتاب " تفسیر القرآن " (۳۰۳/۱٤)]

(٥) [تفسیر اللباب فی علوم الكتاب (۳۰٦/۱٤)]

مسجد میں لعان

مسجد میں لعان کرانا درست ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے:

﴿ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ ﴾ "ان دونوں نے مسجد میں لعان کیا۔" (۱)

لعان کا حکم صرف شادی شدہ عورتوں کے لیے ہے

کیونکہ غیر شادی شدہ کا اس میں کوئی دخل ہی نہیں۔(۲)

بچوں کا رنگ مختلف ہونے کی وجہ سے بیوی پر تہمت لگانا جائز نہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ وَإِنِّي أَنْكَرْتُهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا أَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ قَالَ إِنَّ فِيهَا لَوُرْقًا قَالَ فَأَنَّى تُرَى ذَلِكَ جَاءَهَا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ عِرْقٌ نَزَعَهَا قَالَ وَلَعَلَّ هَذَا عِرْقٌ نَزَعَهُ وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُ فِي الِانْتِفَاءِ مِنْهُ ﴾

"ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی کے ہاں کالا لڑکا پیدا ہوا ہے جسے میں اپنا نہیں سمجھتا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا کہ ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ ان کے رنگ کیسے ہیں؟ اس نے کہا' سرخ ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا' ان میں کوئی خاکی بھی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں ان میں خاکی بھی ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے پوچھا کہ پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ اس رنگ کا کہاں سے آ گیا؟ اس نے کہا' اے اللہ کے رسول! کسی رگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہو گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ممکن ہے اس بچے کا رنگ بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہو؟ اور آپ ﷺ نے اس کو بچے کا انکار کرنے کی اجازت نہیں دی۔" (۳)

---

(۱) [بخاری (۵۳۰۹) کتاب الطلاق : باب التلاعن فی المسجد]

(۲) [تفسیر اللباب فی علوم الکتاب (۳۰۴/۱۴)]

(۳) [بخاری (۷۳۱٤) کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة : باب من شبه أصلا معلوما بأصل مبین ' مسلم (۱۵۰۰) کتاب اللعان : باب ' ابو داود (۲۲٦۰) کتاب الطلاق : باب اذا شك فی الولد ' ترمذی (۲۱۲۸) کتاب الولاء والهبة : باب ما جاء فی الرجل ينتفی من ولده ' ابن ماجه (۲۰۰۲) کتاب النکاح : باب الرجل یشك فی ولده ' حمیدی (۱۰۸٤) ابن حبان (٤۱۰٦)]

اگر کبھی لعان کے بعد زوجین میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچی توبہ کر لے

تو اللہ تعالیٰ یقیناً اس کی توبہ قبول فرمائیں گے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ' يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا 'إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُوْلَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ [الفرقان : ٦٨۔٧٠]

''(اللہ کے بندے وہ ہیں) جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہو وہ بجز حق کے قتل نہیں کرتے 'نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اپنے اوپر سخت وبال لائے گا۔ اسے قیامت کے دن دوہرا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلت وخواری کے ساتھ ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں 'ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے 'اللہ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔''

❑ لعان کے مسائل سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ احکامِ شرعیہ ظاہری طور پر ہی جاری ہوتے ہیں کیونکہ اگر یہ بات نہ ہو تو یقیناً زوجین میں سے ایک تو جھوٹا ہی ہے۔ مگر محض شرعی حکم کے ظاہر کو مدنظر رکھتے ہوئے ان دونوں سے لعان کی تکمیل کے ساتھ ہی حد کو ساقط کر دیا گیا۔(١)

---

(١) [توضیح الأحکام شرح بلوغ المرام (٥٤٥/٥)]

باب العدة عدت کا بیان

عدت کا معنی ومفہوم

عدۃ کی جمع "عِدَد" مستعمل ہے۔ یہ لغت میں "شمار کرنے" کو کہتے ہیں جو کہ عدد سے ماخوذ ہے۔ چونکہ یہ حیضوں یا مہینوں کے عدد پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے اسے عدت کہتے ہیں۔(۱)

حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ عدت ایسی مدت ہے جسے عورت شادی کی وجہ سے اپنے شوہر کی وفات پر' یا اس کے چھوڑ دینے پر' ولادت (وضع حمل) کے ساتھ یا (تین) حیضوں کے ساتھ یا (تین) مہینوں کے ساتھ گزارتی ہے۔(۲)

عدت کا حکم

(ابن قدامہؒ) کتاب وسنت اور اجماع کے ساتھ عدت عورت پر واجب ہے۔(۳)

(شیخ وہبہ زحیلیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(شیخ صالح بن فوزان) زوجین کے درمیان تفریق دو طرح سے ہوتی ہے۔ایک زندگی میں اور دوسری وفات کے ذریعے اور دونوں طرح کی تفریق میں عورت پر عدت گزارنا واجب ہے اور وہ عدت شرعاً مقرر کی جاچکی ہے۔(٥)

(شیخ ابو بکر جابر الجزائری) خاوند سے ہر طرح کی جدائی کے بعد' خواہ اس کی زندگی میں ہوئی یا اس کی موت کی وجہ سے' عورت پر عدت گزارنا فرض ہے۔(٦)

---

(۱) [الفقه الإسلامي وأدلته (٧١٦٥/٩)]

(۲) [فتح الباري (٥٨٩/١٠)]

(۳) [المغني لابن قدامة (٤٤٨/٧)]

(٤) [الفقه الإسلامي وأدلته (٦١٦٧/٩)]

(٥) [بحوث فقهية في قضايا عصرية (ص / ٢٣٧)]

(٦) [منهاج المسلم مترجم (ص / ٦٥٤)]

مطلقہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ [الطلاق : ٤]

''حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔''

(2) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿أَنَّهُ كَانَتْ عِنْدَهُ أُمُّ كُلْثُومٍ بِنْتُ عُقْبَةَ فَقَالَتْ لَهُ وَهِيَ حَامِلٌ طَيِّبْ نَفْسِي بِتَطْلِيقَةٍ فَطَلَّقَهَا تَطْلِيقَةً ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ فَرَجَعَ وَقَدْ وَضَعَتْ فَقَالَ مَا لَهَا خَدَعَتْنِي خَدَعَهَا اللَّهُ ثُمَّ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ سَبَقَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ اخْطُبْهَا إِلَى نَفْسِهَا﴾

''اُم کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا ان کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے زبیر رضی اللہ عنہ سے دورانِ حمل کہا کہ مجھے طلاق دے کر پاک کر دو' چنانچہ انہوں نے اسے ایک طلاق دے دی' پھر وہ نماز کے لیے نکل گئے اور جب واپس لوٹے تو وہ حمل وضع کر چکی تھیں۔ (یہ دیکھ کر) انہوں نے کہا' اس کا کیا حکم ہے جس نے مجھے دھوکہ دیا اللہ اسے بھی دھوکہ دے۔ پھر وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا' کتاب اپنی مدت تک پہنچ چکی ہے (یعنی فرض عدّت گزر چکی ہے اور طلاق بائن ہو چکی ہے لہٰذا اب تم اس کے ساتھ نئے نکاح کے لیے) اس کی طرف پیغامِ نکاح بھیجو۔''(۱)

مطلقہ حائضہ کی عدت تین حیض ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ﴾ [البقرة : ٢٢٨]

''مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔''

آیت میں موجود لفظِ قروء سے مراد حیض ہے جیسا کہ حدیث میں یہ لفظ حیض کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مستحاضہ عورت کے متعلق نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ

---

(۱) [صحيح : صحيح ابن ماجة (١٦٤٦) كتاب الطلاق : باب المطلقة الحامل إذا وضعت ذا بطنها بانت ' ابن ماجة (٢٠٢٦) إرواء الغليل (٢١١٧)]

﴿ أَنْ تَدَعَ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا ﴾ ”وہ اپنے حیض کے دنوں میں نماز چھوڑ دے۔“ (۱)

فی الحقیقت لفظِ قروء طہر اور حیض دونوں کے درمیان مشترک ہے لیکن یہاں صحیح دلائل کی وجہ سے ایک معنی (یعنی حیض) متعین ہو چکا ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث اس پر شاہد ہے اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بریرہ کے لیے فرمایا:

﴿ أَنْ تَعْتَدَّ بِثَلَاثِ حِيَضٍ ﴾ ”وہ تین حیض عدت گزارے۔“ (۲)

(ابن قیمؒ) لفظِ قروء شارع علیہ السلام کے کلام میں صرف حیض کے لیے ہی استعمال ہوا ہے۔ (۳)

البتہ فقہا نے اس میں اختلاف کیا ہے:

(احناف) قروء سے مراد حیض ہے۔

(شافعیؒ، مالکؒ) قروء سے مراد طہر ہے۔ (٤)

بچی اور عمر رسیدہ عورت کی عدت تین ماہ ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ ﴾ [الطلاق : ٤]

”تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں (عمر رسیدہ ہونے کے باعث) حیض سے ناامید ہو گئی ہوں، اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنہیں (عمر کم ہونے کی وجہ سے) حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو۔“

□ جس عورت کو کسی مرض کی وجہ سے حیض نہ آرہا ہو تو اس کی عدت کے متعلق اختلاف تو ہے لیکن راجح

---

(۱) [صحیح : إرواء الغلیل (۲۱۱۸) ابو داود (۲۹۷، ۲۸۱، ۲۸۵) کتاب الطهارة : باب في المرأة تستحاض ومن قال تدع الصلاة فی عدة، أبو عوانة (۳۲۲/۱) ترمذی (۱۲٦) کتاب الطهارة : باب ما جاء أن المستحاضة تتوضأ لکل صلاة، ابن ماجة (٦۲۵) کتاب الطهارة وسننها : باب ما جاء فی المستحاضة التی قد عدت أیام أقرائها]

(۲) [صحیح : صحیح ابن ماجة (۱٦۹۰) کتاب الطلاق : باب خیار الأمة إذا أعتقت، إرواء الغلیل (۲۱۲۰) صحیح ابو داود (۱۹۳۷) ابن ماجة (۲۰۷۷)]

(۳) [زاد المعاد (٦۰۹/۵)]

(٤) [المبسوط (۱۳/٦) المغنی (۱۹۹/۱۱) الأم (۲۰۹/۵) نیل الأوطار (۳۹۲/٤)]

بات یہی ہے کہ وہ تین ماہ عدت گزارے کیونکہ وہ ایسی عورتوں میں شامل ہے جنہیں حیض نہیں آرہا جیسا کہ قرآن میں ہے کہ

﴿ وَالّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ﴾ "اور جنہیں حیض نہیں آرہا (ان کی عدت تین ماہ ہے)۔"

خلع یافتہ عورت کی عدت ایک حیض ہے

جیسا کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان سے خلع لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ ایک حیض عدت گزاریں۔(۱)

اس مسئلے کی مزید تفصیل کے لیے گزشتہ باب "خلع کا بیان" ملاحظہ کیجئے۔

بیوہ کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ﴾

[البقرة : ٢٣٤]

"تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں' وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن عدت میں رکھیں۔"

واضح رہے کہ یہ اس وقت ہے جب بیوہ عورت حاملہ نہ ہو۔

اگر بیوہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ [الطلاق : ٤]

"حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔"

(2) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

﴿ قُتِلَ زَوْجُ سُبَیْعَةَ الْأَسْلَمِیَّةِ وَهِیَ حُبْلَى فَوَضَعَتْ بَعْدَ مَوْتِهِ بِأَرْبَعِینَ لَیْلَةً فَخُطِبَتْ فَأَنْكَحَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ﴾

(۱) [صحیح : صحیح ترمذی (٩٤٦) ابو داود (٢٢٢٩)]

"سبیعہ اسلمیہ کے شوہر (سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ) شہید کر دیئے گئے تو وہ اس وقت حاملہ تھیں' شوہر کی وفات کے چالیس (40) روز بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا پھر ان کے پاس نکاح کا پیغام پہنچا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح کرا دیا۔" (۱)

(3) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایسی عورت کے متعلق دریافت کیا گیا جس کا شوہر انتقال کر جائے اور وہ حاملہ ہو تو انہوں نے کہا:

﴿ أَتَجْعَلُونَ عَلَيْهَا التَّغْلِيظَ وَلَا تَجْعَلُونَ لَهَا الرُّخْصَةَ لَنَزَلَتْ سُورَةُ النِّسَاءِ الْقُصْرَى بَعْدَ الطُّولَى ﴾

"تم لوگ اس (یعنی حاملہ) پر سختی کے متعلق کیوں سوچتے ہو اور اسے رخصت نہیں دیتے (یعنی اسے لمبی عدت کا حکم دیتے ہو) حالانکہ چھوٹی سورۂ نساء (یعنی سورۂ طلاق) لمبی سورۂ نساء کے بعد نازل ہوئی ہے (یعنی یہ حکم بعد میں آیا ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے لہٰذا اسی پر عمل کرو)۔" (۲)

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ ایسی عورت جس کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔

(علی رضی اللہ عنہ) ایسی عورت کی عدت "أَبْعَدُ الْأَجَلَيْن" ہے (یعنی دونوں میں سے بعد والی' اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ایسی عورت کو چار ماہ دس دن سے پہلے وضع حمل ہو جائے تو وہ چار ماہ دس دن پورے کرے گی اور اگر چار ماہ دس دن ہو جائیں لیکن وضع حمل نہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہو گی۔ یہ مؤقف اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ دونوں آیات پر عمل ہو جائے حالانکہ گزشتہ تمام دلائل اس مؤقف کے خلاف ہیں لہٰذا جمہور کا مؤقف ہی راجح ہے اور اسی پر عمل کیا جائے گا)۔ (۳)

(ابن قیم رحمہ اللہ) سلف کے درمیان پہلے تو متوفی عنہا زوجہا (کی عدت) کے متعلق اختلاف تھا' لیکن بعد میں

---

(۱) [بخاری (۴۹۰۹) کتاب التفسیر: باب: واولات الأحمال أجلهن أن یضعن حملهن' مسلم (۱۴۸۵) کتاب الطلاق: باب انقضاء عدة المتوفی عنها زوجها وغیرها بوضع' ترمذی (۱۱۹۴) کتاب الطلاق واللعان: باب ما جاء فی الحامل المتوفی عنها زوجها تضع' مؤطا (۵۹۰/۲) نسائی (۱۹۱/۶) أحمد (۴۳۲/۶)]

(۲) [بخاری (۴۵۳۲) کتاب التفسیر: باب قوله: والذین یتوفون منکم ویذرون أزواجا]

(۳) [نیل الأوطار (۳۸۸/۴)]

اتفاق ہو گیا کہ اس کی عدت وضع حمل ہی ہے۔(۱)

(ابن حزمؒ) اسی کے قائل ہیں حتی کہ انہوں نے کہا ہے کہ اگر وفات کے فوراً بعد وضع حمل ہو جائے تو عورت اگر چاہے تو اسی وقت نکاح کر سکتی ہے۔(۲)

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) فرماتے ہیں کہ یہی بات برحق ہے۔(۳)

(ترمذیؒ) انہوں نے جمہور کے قول کو ہی زیادہ درست قرار دیا ہے۔(٤)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(٥)

شوہر کی وفات کے بعد بیوی پر وجوبِ عدت کے لیے ہم بستری ضروری نہیں

واضح رہے کہ یہ عدت وفات کی وجہ سے لازم ہوتی ہے قطع نظر اس سے کہ اس عورت سے ہم بستری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ صرف وفات سے ہی عدت واجب ہو جائے گی جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسی عورت کے متعلق "کہ جس کا خاوند اس سے ہم بستری سے پہلے ہی فوت ہو جائے" یہی فیصلہ کیا تھا:

﴿ لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ "وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ" وَلَهَا الْمِيرَاثُ ﴾

"اس عورت کو اس کے خاندان کی عورتوں کے مثل مہر ملے گا' اس میں نہ کمی ہو گی نہ زیادتی اور اس عورت پر عدت گزارنا بھی واجب ہے۔"

یہ سن کر (اس مجلس میں موجود) حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہماری ایک عورت "بروع بنت واشق" کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فیصلہ فرمایا تھا جو کہ آپ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔(٦)

---

(۱) [أعلام الموقعين (٨٦/٢)]

(۲) [المحلی بالآثار (٤١/١٠)]

(۳) [تحفة الأحوذي (٤٢٠/٤)]

(٤) [ترمذی (بعدالحديث/ ١١٩٣) كتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء في الحامل المتوفى عنها زوجها تضع]

(٥) [الروضة الندية (١٤٥/٢)]

(٦) [صحيح : صحيح ابو داود (١٨٥٨) أحمد (٤٨٠/٣) ابو داود (٢١١٦) كتاب النكاح : باب من تزوج ولم يسم صداقا ' ترمذی (١١٤٥) كتاب النكاح : باب الرجل يتزوج المرأة فيموت عنها قبل أن يفرض لها ' نسائی (١٢١/٦) كتاب النكاح : باب التزوج بغير صداق ' ابن ماجة (١٨٩١) كتاب النكاح : باب الرجل يتزوج ولا يفرض لها فيموت ' ابن الجارود (٧١٨) عبدالرزاق (١٠٨٩٨) ابن حبان (٤١٠٠) حاكم (١٨٠/٢) بيهقي (٢٤٥/٧) امام حاکمؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔ نیز امام ابن حبانؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

ہم بستری کے بغیر طلاق کی صورت میں عورت پر کوئی عدت نہیں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا﴾ [الأحزاب : ٤٩]

''اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں چھونے (یعنی مباشرت) سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہارا کوئی حق عدت نہیں جسے تم شمار کرو۔''

(ابن کثیرؒ) اس مسئلے میں اہل علم کے درمیان اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جب عورت کو (نکاح کے بعد) ہم بستری سے پہلے ہی طلاق دے دی جائے تو اس پر کوئی عدت نہیں' وہ جا کر فوری طور پر جس سے چاہے شادی کر سکتی ہے۔(۱)

(سید سابقؒ) جس عورت کے ساتھ اس کے شوہر نے ہم بستری نہ کی ہو اور وہ اسے طلاق دے دے تو ایسی عورت پر کوئی عدت نہیں۔(۲)

(شیخ صالح بن فوزان) جسے ہم بستری سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس پر کوئی عدت نہیں۔(۳)

(سعودی مجلس افتاء) انہوں نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔(٤)

مطلقہ رجعیہ عدت کہاں گزارے؟

جس عورت کو رجعی (یعنی پہلی یا دوسری) طلاق واقع ہوئی ہو اس پر لازم ہے کہ شوہر کے گھر میں ہی عدت پوری کرے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَاتُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا﴾ [الطلاق : ١]

''اے نبی! (اپنی امت سے کہہ دو) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت (کے دنوں کے

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر (٤٧٩/٥)]

(۲) [فقه السنة (٣١٩/٢)]

(۳) [بحوث فقهية في قضايا عصرية (ص / ٢٣٩)]

(٤) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٣٩٩/٢٠)]

آغاز) میں انہیں طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو' اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو' نہ تم انہیں ان کے گھروں سے نکالو (یعنی رجعی طلاق کے فوراً بعد انہیں اپنے گھروں سے مت نکالو بلکہ عدت تک گھر میں ہی رہنے دو) اور نہ وہ خود نکلیں (یعنی عورتیں عدت کے دوران خود بھی گھروں سے مت نکل جائیں) ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کھلی برائی کر بیٹھیں' یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں' جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھ جائے اس نے یقیناً اپنے اوپر ظلم کیا' تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔"

(ابن کثیرؒ) عدت کے وقت مطلقہ عورت کی رہائش شوہر کے ذمہ ہی ہے' وہ اسے (اپنے گھر سے) مت نکالے اور نہ ہی خود اس کے لیے نکلنا جائز ہے کیونکہ وہ اپنے خاوند کے حق میں رکی ہوئی ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ

عدت کا زمانہ مطلقہ عورت کو خاوند کے گھر میں گزارنے کا حکم اس مصلحت کے تحت ہے کہ ممکن ہے اس مدت میں اس کے خاوند کے خیالات بدل جائیں' طلاق دینے پر نادم ہو' دل میں رجوع کا خیال پیدا ہو جائے اور پھر رجوع کے بعد دونوں میاں بیوی امن وامان سے گزارا کرنے لگیں' نیا کام پیدا کرنے سے مراد بھی رجوع ہی ہے۔(۱)

(شیخ عبدالعظیم بدوی، تلمیذِ البانیؒ) طلاقِ رجعی کے بعد عورت پر واجب ہے کہ عدت پوری ہونے تک اپنے شوہر کے گھر میں ہی رہے' اس کے لیے اس سے نکلنا جائز نہیں اور نہ ہی اس کے شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے اس گھر سے نکالے۔(۲)

(سعودی مجلس افتاء) رجعی طلاق یافتہ عورت اگر اپنے طلاق دینے والے (شوہر) کے گھر سے اس کے نکالنے کے بغیر (بلا ضرورت) نکلے گی تو گناہگار ہو گی۔ ہاں اگر کوئی ایسی (سخت) ضرورت وحاجت پیش آجائے جو اس کے لیے (شوہر کے گھر سے) خروج کو جائز بنا دے (تو پھر اس پر نکلنے میں کوئی گناہ نہیں)۔(۳)

مطلقہ بائنہ عدت کہاں گزارے؟

جس عورت کو طلاقِ بائن واقع ہو چکی ہو وہ شوہر کے گھر نہیں بلکہ اپنے میکے جا کر عدت گزارے۔ البتہ بوقتِ ضرورت وہ کہیں اور بھی عدت گزار سکتی ہے۔ جیسا کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر (٤٣٥/٥)]

(۲) [الوجیز فی فقه السنة والکتاب العزیز (ص / ۳۳۱)]

(۳) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء (۲۲٤/۲۰)]

مروی روایت میں ہے کہ

﴿أَنَّ أَبَا عَمْرِو بْنَ حَفْصٍ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَهُوَ غَائِبٌ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا وَكِيلُهُ بِشَعِيرٍ فَسَخِطَتْهُ فَقَالَ وَاللَّهِ مَا لَكِ عَلَيْنَا مِنْ شَيْءٍ فَجَاءَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ لَيْسَ لَكِ عَلَيْهِ نَفَقَةٌ فَأَمَرَهَا أَنْ تَعْتَدَّ فِي بَيْتِ أُمِّ شَرِيكٍ ثُمَّ قَالَ تِلْكِ امْرَأَةٌ يَغْشَاهَا أَصْحَابِي اعْتَدِّي عِنْدَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ فَإِنَّهُ رَجُلٌ أَعْمَى تَضَعِينَ ثِيَابَكِ﴾

''ابو عمرو بن حفص نے ان کو طلاق بتہ (یعنی تیسری بائنہ طلاق) دی جبکہ وہ یمن میں تھے تو ابو عمرو کے وکیل (یعنی نمائندے) نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی جانب ''جو'' بھیجے (اس نے انہیں معمولی سمجھا) اور اس پر ناراض ہو گئی۔ اس نے کہا' اللہ کی قسم! تیرا ہم پر کوئی حق نہیں ہے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی' اس نے آپ ﷺ کے پاس اس کا ذکر کیا' آپ ﷺ نے فرمایا' تیرا خرچ (اس کے ذمہ) نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اُم شریک کے گھر میں عدت پوری کرے' لیکن آپ ﷺ نے واضح کیا کہ وہ ایسی خاتون ہے جس کے پاس میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آنا جانا ہے۔ تجھے ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کے پاس عدت گزارنی چاہیے۔ وہ نابینا انسان ہے تو وہاں کپڑے (حجاب) بھی اتار سکتی ہے۔''(۱)

(شیخ عبدالعظیم بدوی' تلمیذِ البانیؒ) جس عورت کو تیسری طلاق واقع ہو چکی ہو اس کے لیے (شوہر کے ذمہ) نہ تو رہائش واجب ہے اور نہ ہی خرچہ اور اس پر لازم ہے کہ اپنے میکے جا کر عدت گزارے' اس کے لیے اس گھر سے نکلنا جائز نہیں الا کہ کوئی (سخت) ضرورت ہو۔(۲)

بیوہ عدت کہاں گزارے؟

بیوہ پر لازم ہے کہ اپنے شوہر کے گھر میں ہی اپنی عدت پوری کرے۔ جیسا کہ حضرت فریعہ بن مالک رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

﴿فَإِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبُدٍ لَهُ أَبَقُوا حَتَّى إِذَا كَانُوا بِطَرَفِ الْقَدُومِ لَحِقَهُمْ فَقَتَلُوهُ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي فَإِنِّي لَمْ يَتْرُكْنِي فِي مَسْكَنٍ يَمْلِكُهُ وَلَا

---

(۱) [مسلم (۱۴۸۰) کتاب الطلاق : باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها ' ابو داود (۲۲۸۴) کتاب الطلاق : باب فی نفقة المبتوتة]

(۲) [الوجیز فی فقه السنة والکتاب العزیز (ص / ۳۳۱)]

نَفَقَةٍ قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ نَعَمْ قَالَتْ فَخَرَجْتُ حَتّٰى إِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ دَعَانِي أَوْ أَمَرَ بِي فَدُعِيتُ لَهُ فَقَالَ كَيْفَ قُلْتِ فَرَدَدْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ الَّتِي ذَكَرْتُ مِنْ شَأْنِ زَوْجِي قَالَتْ فَقَالَ "امْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ" قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا قَالَتْ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَسَأَلَنِي عَنْ ذٰلِكَ فَأَخْبَرْتُهُ فَاتَّبَعَهُ وَقَضٰى بِهِ ﴾

"اس کا شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں نکلا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ فریعہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے میکے لوٹ جانے کے متعلق دریافت کیا کیونکہ میرے شوہر نے اپنی ملکیت میں کوئی گھر نہیں چھوڑا اور نہ ہی نفقہ چھوڑا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا' ہاں (تم اپنے میکے جا سکتی ہو) جب میں حجرے میں پہنچی تو آپ ﷺ نے مجھے آواز دی اور فرمایا' تم اپنے پہلے مکان میں ہی رہو جب تک کہ تمہاری عدت پوری نہ ہو جائے۔ فریعہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ پھر میں نے عدت کی مدت چار ماہ اور دس دن اس سابقہ مکان میں پوری کی۔ مزید فرماتی ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے تو انہوں نے کسی کو بھیج کر یہ مسئلہ مجھ سے دریافت کیا' میں نے اسے بتا دیا تو انہوں نے بھی اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔"(۱)

یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے وہ اسی گھر میں عدت پوری کرے گی جہاں وہ شوہر کے ساتھ مقیم تھی۔

(امیر صنعانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(ابن قیمؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۳)

(ترمذیؒ) صحابہ میں سے اکثر اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے...... اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔(۴)

(احمدؒ، شافعیؒ، ابو حنیفہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۵)

---

(۱) [صحیح : صحیح ابو داود (۲۰۱۶) کتاب الطلاق : باب فی المتوفی عنها تنتقل ' ابو داود (۲۳۰۰) ترمذی (۱۲۰٤) کتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء أين تعتد المتوفی عنها زوجها ' نسائی (۱۹۹/٦) موطا (۵۹۱/۲) حاکم (۲۰۸/۲) امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۲) [سبل السلام (۱۰۰۵/۳)]

(۳) [زاد المعاد (۳۰۹/٤)]

(٤) [ترمذی (بعد الحدیث / ۱۲۰٤) کتاب الطلاق واللعان]

(۵) [نیل الأوطار (٤۰۰/٤) سبل السلام (۱۰۰۵/۳)]

(ابن عبد البرؒ) حجاز، شام، مصر اور عراق وغیرہ میں فقہائے امصار کی ایک جماعت نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔(۱)

اس مسئلے کی تصدیق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، قاسم بن محمدؒ، عروہ بن زبیرؒ اور ابن شہابؒ سے بھی مختلف صحیح آثار و روایات مروی ہیں۔(۲)

تاہم بعض صحابہ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے اس کی مطلقاً اجازت بھی مروی ہے اور بعض صحابہ مثلاً حضرت عمران رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ سے کسی عذر کی بنا پر نکلنے کی اجازت مروی ہے لیکن یہ آثار و روایات گزشتہ صحیح مرفوع روایت کے مقابلے میں قابل احتجاج نہیں۔(۳)

جس عورت کا شوہر لاپتہ ہو جائے اس کی عدت

اس مسئلے میں اگرچہ کوئی صحیح مرفوع روایت نہ ہونے کی وجہ سے بے حد اختلاف کیا گیا ہے لیکن راجح مسلک یہ ہے کہ لاپتہ ہونے کے وقت سے چار سال گزر جانے کے بعد اس کی وفات کا حکم لگایا جائے گا۔ پھر اس کی عورت چار ماہ دس دن متوفی عنہا زوجہا کی عدت گزارے گی، اس کے بعد دوسرا نکاح کر سکے گی۔

(1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

﴿أَيُّمَا امْرَأَةٍ فَقَدَتْ زَوْجَهَا فَلَمْ تَدْرِ أَيْنَ هُوَ فَإِنَّهَا تَنْتَظِرُ أَرْبَعَ سِنِينَ ثُمَّ تَعْتَدُّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ثُمَّ تَحِلُّ﴾

"جس عورت کا شوہر لاپتہ ہو جائے اور اسے علم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے تو وہ چار سال تک انتظار کرے، پھر چار ماہ اور دس دن عدت گزارے اور پھر (کسی دوسرے مرد سے نکاح کے لیے) حلال ہو جائے۔"(٤)

---

(۱) [الاستذکار (۱۸/۱۸۵)]

(۲) [مؤطا (۲/۵۹۱) بیہقی (۷/٤۵۳) عبدالرزاق (۷/۳۳)]، [مؤطا (۲/۵۹۱) عبدالرزاق (۷/۳۲) المحلی (۱۰/۲۸٦)]، [عبدالرزاق (٦/۳۱٦) بیہقی (۷/٤۱۷) المحلی (۱۰/۲۵۹)]، [مؤطا (۲/۵۹۲) عبدالرزاق (۷/۳۱) بیہقی (۷/٤۳۵)]، [ذکرہ ابن عبدالبر فی الاستذکار (۱۸/۱۸۱)]

(۳) [تحفۃ الأحوذی (٤/٤٤۲) نیل الأوطار (٤/٤۰۱) ابن أبی شیبۃ (٤/۱۵۵) عبدالرزاق (۱۲۰٦٤)]

(٤) [سنن سعید بن منصور (۱/٤۰۰) مؤطا : کتاب الطلاق : باب عدۃ التی تفقد زوجها، بیہقی فی السنن الکبری (۷/٤٤۵) عبدالرزاق (۷/۸۸)]

(2) سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دونوں خلفاء نے لاپتہ شوہر کے بارے میں یہ فیصلہ دیا کہ اس کی بیوی چار سال انتظار کرے اور پھر اس کے چار ماہ دس دن بعد یعنی متوفی عنہا زوجہا کی عدت گزار کر شادی کرے۔(۱)

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لاپتہ شوہر کی بیوی چار سال تک انتظار کرے۔(۲)

(4) سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے کہ جب آدمی دورانِ جنگ لاپتہ ہو جائے تو اس کی بیوی ایک سال انتظار کرے اور جب جنگ کے علاوہ کہیں اور لاپتہ ہو جائے تو چار سال انتظار کرے۔(۳)

(ابن حجرؒ) انہوں نے علماء کی اکثریت کا یہی موقف نقل کیا ہے۔(٤)

جس روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لاپتہ شوہر کی بیوی اس وقت تک اس کی بیوی ہی رہے گی جب تک کہ گمشدہ کے متعلق کوئی واضح اطلاع نہ موصول ہو جائے۔" وہ ضعیف و من گھڑت ہے۔(٥)

(مالکؒ، شافعیؒ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتوے پر عمل کے قائل ہیں۔ ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

(ابو حنیفہؒ) لاپتہ شوہر کی بیوی اس کی زوجیت سے نہیں نکلے گی۔ تاوقتیکہ اس کی اطلاعِ وفات کی صحت یا ثبوتِ طلاق یا خاوند کے مرتد ہو جانے کا ثبوت نہ مل جائے۔ اور احناف کے نزدیک موت سے مراد طبعی موت کی مقدار ہے جس میں پھر انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مدت ساٹھ (60) سال ہے، بعض کے خیال میں ستر (70) سال، اسی طرح نوے (90) سال، ایک سو بیس (120) سال اور ایک سو پچاس (150) سال سے دو سو (200) برس تک کا قول بھی بیان کیا جاتا ہے۔(٦)

---

(۱) [عبدالرزاق (۸۵/۷)]

(۲) [سعید بن منصور (۱۷۵٦) بیهقی (٤٤٥/۷)]

(۳) [عبدالرزاق (۸۹/۷)]

(٤) [فتح الباری (٤۳۱/۹)]

(٥) [دارقطنی (۳۱۲/۳) العلل لابن أبی حاتم (٤۳۲/۱) التعلیق علی سبل السلام للشیخ صبیحی حلاق (۳۱۷/٦)]

(٦) [المهذب (۱٤٦/۲) کشاف القناع (٤۸۷/٥) الشرح الصغیر (٦۹۳/۲) غایة المنتهی (۲۱۲/۳) المغنی (٤۸۸/۷) الدر المختار (۱٦۰/۳) مغنی المحتاج (۳۹۷/۳) الروضة الندیة (۱۱٦/۲)]

علاوہ ازیں ایک قول یہ بھی ہے کہ لاپتہ شخص نے اگر بیوی کے لیے اخراجات وضروری سامان چھوڑا ہے تو اسے حاضر ہی سمجھا جائے گا ورنہ حاکم وقت یا عدالت (عورت کے مطالبے پر) نکاح فسخ کرا دے گی۔

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۱)

لیکن محققین نے پہلے قول (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتوے) کو ہی ترجیح دی ہے۔

(ابن تیمیہؒ) لاپتہ مرد کی بیوی کے متعلق درست بات وہی ہے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کا مؤقف ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ عورت چار سال انتظار کرے پھر (شوہر کی وفات فرض کر کے) عدتِ وفات پوری کرے' اس کے بعد وہ نیا نکاح کرنے کا جواز رکھتی ہے۔(۲)

☐ اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ اگر لاپتہ شوہر کی عدت پوری کرنے کے بعد جب عورت نیا نکاح کر لے اور پھر پہلا شوہر لوٹ آئے تو پہلا شوہر اس کا زیادہ مستحق ہو گا یا دوسرا؟

بعض اہل علم نے تو اس مسئلے میں لقطہ (یعنی گری پڑی چیز) پر قیاس کیا ہے یعنی اگر بعد میں پہلا شوہر واپس آ جاتا ہے تو عورت کا مستحق وہی ہے' البتہ اگر وہ خود دستبردار ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ شیخ ابن عثیمینؒ نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے' فرماتے ہیں:

اگر کسی عورت کا خاوند گم ہو گیا اور اس کی تلاش کی مدت گزر گئی' پھر اس کی موت کا فیصلہ ہو گیا اور عورت نے عدت گزار کر کسی اور آدمی سے شادی کر لی' اس کے بعد پھر گم شدہ خاوند بھی آ گیا' تو اس صورت میں پہلے خاوند کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اس دوسرے نکاح کو اپنی حالت پر برقرار رہنے دے یا بیوی واپس لے لے۔ اگر یہ دوسرا نکاح باقی رہتا ہے تو معاملہ واضح ہے اور نکاح بھی درست ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا (بلکہ) اپنی بیوی واپس لینا چاہتا ہے تو وہ واپس آ جائے گی مگر وہ اس سے مجامعت نہیں کر سکتا' تاوقتیکہ وہ دوسرے خاوند کی عدت نہ گزارے۔ پہلے خاوند کو نیا نکاح کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی' کیونکہ پہلا نکاح کسی بھی وجہ سے باطل نہیں ہوا کہ جس کی بنا پر نیا نکاح کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ جہاں تک عورت سے دوسرے خاوند کے بچے کا تعلق ہے تو وہ قانونی بچہ ہے' اجازت شدہ نکاحِ شرعی کا نتیجہ ہے' لہٰذا اپنے باپ کی طرف منسوب ہو گا۔(۳)

---

(۱) [السيل الجرار (۲/۲۵۷)]

(۲) [الأخبار العلمية من الاختيارات الفقهية (ص / ٤٠٤)]

(۳) [فتاوی برائے خواتین (ص / ۱۹۷)]

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں اسی مؤقف کے حامل حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سعید بن مسیبؒ سے چند آثار بھی نقل کیے ہیں۔(۱)

حافظ ابن حجرؒ کا کہنا ہے کہ اگر پہلا شوہر لوٹ آئے تو اسے اختیار دیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنا مہر عورت سے وصول کر کے اس سے الگ ہو جائے اور یا پھر دوسرے شوہر کا مہر ادا کر کے عورت حاصل کر لے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی فتویٰ نقل فرمایا ہے اور اس کی سند کو حسن کہا ہے۔(۲)

اس سلسلے میں امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ جب عورت کسی دوسرے آدمی سے نکاح کر چکے خواہ خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو' تو پہلے شوہر کو عورت پر کچھ حق نہیں رہتا۔(۳)

ہمارے علم کے مطابق پہلی رائے زیادہ قوی ہے۔(واللہ اعلم)

دورانِ عدت مطلقہ عورت کا گھر سے نکلنا

بوقتِ ضرورت گھر سے نکلنا جائز ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿طُلِّقَتْ خَالَتِي فَأَرَادَتْ أَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا فَزَجَرَهَا رَجُلٌ أَنْ تَخْرُجَ فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ بَلَى فَجُدِّي نَخْلَكِ فَإِنَّكِ عَسَى أَنْ تَصَدَّقِي أَوْ تَفْعَلِي مَعْرُوفًا﴾

"میری خالہ کو طلاق دے دی گئی۔ انہوں نے دورانِ عدت ہی اپنے کھجور کے درخت سے پھل اتارنے کی غرض سے باہر جانا چاہا تو ایک آدمی نے انہیں ڈانٹا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا' ہاں تم اپنے کھجور کے درخت کا پھل توڑ سکتی ہو' عین ممکن ہے کہ تم صدقہ کر دیا اس ذریعہ سے کوئی دوسرا عمل خیر تمہارے ہاتھ سے انجام پا جائے۔"(٤)

دورانِ عدت عورت نکاح نہیں کر سکتی

(1) ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

---

(١) [بخاری (قبل الحدیث / ٥٢٩١) کتاب الطلاق : باب حکم المفقود فی أهله وماله]

(٢) [فتح الباری (٤٣١/٩)]

(٣) [موطا (١٧٧٤) کتاب الطلاق : باب عدة التی تفقد زوجها]

(٤) [مسلم (١٤٨٣) کتاب الطلاق : باب جواز خروج المعتدة البائن والمتوفی عنها زوجها' احمد (٣٢١/٣) ابو داود (٢٢٩٧) کتاب الطلاق : باب فی المبتوتة تخرج بالنهار نسائی (٢٠٩/٦) ابن ماجة (٢٠٣٤) کتاب الطلاق : باب هل تخرج المرأة فی عدتها]

﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾ [البقرة : ٢٣٢]

''اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں۔ یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جنہیں تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین وایمان ہو' اس میں تمہاری بہترین صفائی اور پاکیزگی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

(2) ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ

﴿ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴾ [البقرة : ٢٣٤]

''تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں' وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن عدت میں رکھیں۔ پھر جب مدت ختم کر لیں تو جو اچھائی کے ساتھ وہ اپنے لیے کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے خبردار ہے۔''

مذکورہ بالا دونوں آیات میں مطلقہ اور بیوہ کے متعلق یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو وہ نیا نکاح کر سکتی ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دورانِ عدت وہ ایسا نہیں کر سکتیں۔

(ابن عربیؒ) اللہ تعالیٰ نے عدت میں نکاح حرام کیا ہے اور بیوی پر انتظار واجب قرار دیا ہے۔(١)

(ابن کثیرؒ) نقل فرماتے ہیں کہ علماء نے اس مسئلے پر اجماع کیا ہے کہ عدت کی مدت کے دوران عقدِ نکاح درست نہیں۔(٢)

(شیخ عبدالرحمٰن سعدیؒ) عدت پوری ہونے سے پہلے عقدِ نکاح جائز نہیں۔(٣)

---

(١) [تفسیر أحکام القرآن لابن العربی (ص / ٢٤٥)]

(٢) [بحوث فقهية فی قضايا عصرية (ص / ٢٣٩)]

(٣) [تيسير الكريم الرحمن (١/ ١٢١)]

لونڈی کی عدت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

﴿...... وَ تَعْتَدُّ الْأَمَةُ حَيْضَتَيْنِ﴾

"اور لونڈی دو حیض عدت گزارے گی۔" (۱)

قیدی یا خریدی ہوئی لونڈی کا استبراء

براءتِ رحم کے لیے لونڈی کا وضع حمل یا ایک حیض تک انتظار کرنا "استبراء" کہلاتا ہے۔ یہ ایسی لونڈی پر لازم ہوتا ہے جو قیدی ہو یا جسے خریدا گیا ہو۔

(1) جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اَوطاس (حنین کے قریب ایک وادی کا نام ہے) کی قیدی عورتوں کے متعلق فرمایا:

﴿لَا تُوطَأُ حَامِلٌ حَتَّى تَضَعَ وَلَا غَيْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتَّى تَحِيضَ حَيْضَةً﴾

"حاملہ عورت سے وضع حمل تک ہم بستری نہ کی جائے اور غیر حاملہ سے ایک ماہواری گزرنے تک ہم بستری نہ کی جائے۔" (۲)

(2) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں میں سے حاملہ عورت کے ساتھ ہم بستری کا ارادہ رکھنے والے شخص پر ایسی لعنت کرنا چاہی جو اس کے ساتھ قبر میں بھی داخل ہو گی۔" (۳)

(3) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿نَهَى أَنْ تُوطَأَ السَّبَايَا حَتَّى يَضَعْنَ مَا فِي بُطُونِهِنَّ﴾

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدی عورتوں سے اس وقت تک ہم بستری کرنے سے منع فرمایا ہے جب تک وہ اپنے

---

(۱) [صحیح: إرواء الغلیل (۲۰۶۷) دارقطنی (۲۴۲/۲) بیهقی (۴۲۵/۷)]

(۲) [صحیح: صحیح ابو داود (۱۸۸۹) کتاب النکاح: باب فی وطء السبایا، ابو داود (۲۱۵۷) أحمد (۲۸/۳) حاکم (۱۹۵/۲) امام حاکمؒ نے اس حدیث کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔]

(۳) [مسلم (۱۴۴۱) کتاب النکاح: باب تحریم وطء الحامل المسبیة، ابو داود (۲۱۵۶) کتاب النکاح: باب فی وطء السبایا، أحمد (۱۹۵/۵)]

حمل نہ وضع کر دیں۔‘‘(۱)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ (قیدی) حاملہ لونڈیوں سے وضع حمل سے پہلے اور غیر حاملہ سے ایک حیض گزرنے سے پہلے ہم بستری حرام ہے۔

(شافعیہ، حنفیہ، ثوریؒ، نخعیؒ، مالکؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

غالباً اس حرمت کا سبب وہ ہے جو حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں مذکور ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ﴾

’’اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنا پانی (نطفہ) کسی اور کی کھیتی (یعنی حمل) کو پلائے۔‘‘(۳)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے روز فرمایا:

﴿لَا تَسْقِ مَاءَكَ زَرْعَ غَيْرِكَ﴾ ’’اپنا پانی (یعنی نطفہ) اپنے علاوہ کسی اور کے کھیت کو مت پلاؤ۔‘‘(٤)

معلوم ہوا کہ اس قسم کی لونڈیوں سے ہم بستری اس لیے منع ہے کہ (براءتِ رحم حاصل ہو جائے یعنی) کسی اور کے حمل میں اپنا نطفہ نہ ملا دیا جائے۔ لہٰذا اگر بعد میں حمل ظاہر ہوگا تو وضع حمل کے بعد ہی ہم بستری درست ہوگی اور اگر حمل ظاہر نہیں ہوگا تو ایک حیض گزرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ عورت حاملہ نہیں ہے اور پھر اس سے ہم بستری درست ہوگی۔

یاد رہے کہ یہ علت جس طرح قیدی عورتوں میں ہے اسی طرح خریدی ہوئی، بطور ہدیہ حاصل شدہ، یا اس کی مثل کسی اور ذریعے سے حاصل کی ہوئی لونڈیوں کو بھی شامل ہے۔ اس لیے ان سے بھی مذکورہ صورت میں ہم بستری نہیں کی جائے گی جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

---

(۱) [صحیح : صحیح ترمذی (۱۲٦٩) کتاب السیر : باب ما جآء فی کراهیة وطء الحبالی من السبایا، ترمذی (۱٥٦٤) أحمد (٤/١٦٧)]

(۲) [تحفة الأحوذی (٥/١٧١) الأم (٥/٩٦) المبسوط (١٢/١٥٢)]

(۳) [حسن : صحیح ابو داود (۱۸۹۰) کتاب النکاح : باب وطء السبایا، ابو داود (٢١٥٨، ٢١٥٩) أحمد (٤/١٠٨) ترمذی (۱۱۳۱) کتاب النکاح : باب ما جاء فی الرجل یشتری الجاریة وهی حامل، دارمی (٢/٢٣٠) ابن حبان (٤٨٥٠) بیهقی (٩/٦٢)]

(٤) [حاکم (٢/٥٦) امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

﴿إِذَا وُهِبَتِ الْوَلِيدَةُ الَّتِي تُوطَأُ أَوْ بِيعَتْ أَوْ عَتَقَتْ فَلْيُسْتَبْرَأْ رَحِمُهَا بِحَيْضَةٍ وَلَا تُسْتَبْرَأُ الْعَذْرَاءُ﴾

”جب ایسی لونڈی جس سے وطی کی جاتی ہو‘ ہبہ کی جائے یا فروخت کی جائے یا آزاد کر دی جائے تو ایک حیض تک اس کے رحم کی براءت حاصل کرنی چاہیے اور کنواری کے لیے استبرائے رحم کی ضرورت نہیں۔“(۱)

جسے حیض نہیں آتا اس کی عدت حمل نہ ہونے کی واضح علامت ملنے تک ہے

کیونکہ حیض کے ذریعے ہی حمل نہ ہونے کا علم ہو سکتا ہے لہٰذا جب جوانی کی عمر میں حیض منقطع ہو جائے تو اسے کسی بیماری کی وجہ سے ہی منقطع تصور کیا جائے گا اور اگر عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے حیض ختم ہو چکا ہو تو اس کا حمل بھی ناممکن تصور کرتے ہوئے اس پر استبراء (یعنی براءتِ رحم کے لیے ایک حیض کی عدت گزارنے) کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

کنواری اور چھوٹی عمر کی لونڈی پر عدتِ استبراء ضروری نہیں

کنواری اور بچی پر عدتِ استبراء ضروری ہے کہ نہیں اس میں فقہانے اختلاف کیا ہے:

ایک جماعت کا خیال ہے کہ ان پر بھی استبرائے رحم کے لیے عدت واجب ہے جیسا کہ حدیث میں ﴿وَلَا غَيْرُ حَامِلٍ﴾ کے لفظ مطلقاً بیان کیے گئے ہیں جو ان دونوں کو بھی شامل ہیں۔

لیکن اہل علم کی ایک دوسری جماعت کا یہ مؤقف ہے کہ استبراء صرف اسی پر ضروری ہے جس کے رحم کی (حمل سے) برائت معلوم نہ ہو اور جس کی برائت (کم عمر یا کنواری ہونے کی وجہ سے پہلے ہی) معلوم ہو تو اس پر استبراء لازم نہیں جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

﴿وَلَا تُسْتَبْرَأُ الْعَذْرَاءُ﴾ ”کنواری کے لیے استبرائے رحم کی ضرورت نہیں۔“(۲)

نیز گزشتہ حضرت رویفع رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی کی مؤید ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن میں مال خمس سے ایک لونڈی (اپنے لیے) چن لی۔ پھر صبح (ہم بستری سے جنبی ہونے کی وجہ سے) غسل کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے کچھ نہ کہا۔(۳)

---

(۱) [بخاری تعلیقا (قبل الحدیث ۲۲۳۵) کتاب البیوع : باب هل یسافر بالجاریة قبل أن یستبرئها]

(۲) [بخاری (قبل الحدیث ۲۲۳۵)]

(۳) [بخاری (۴۳۵۰) کتاب المغازی : باب بعث علی بن أبی طالب وخالد بن ولید ' أحمد (۳۵۹/۵)]

اس قصہ کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چنی ہوئی لونڈی کنواری تھی اور کنواری پر استبراء ضروری نہیں کیونکہ اس کی برائتِ رحم پہلے ہی معلوم ہے۔

(ابن تیمیہ) اسی کے قائل ہیں۔(۱)

(ابن قیم) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۲)

لونڈیوں سے ہم بستری کے لیے ان کا مسلمان ہونا ضروری نہیں

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مباشرت حلال ہونے کے لیے صرف وضع حمل یا ایک حیض عدتِ استبراء کا ہی ذکر کیا ہے اگر اسلام بھی ضروری ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بیان کر دیتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا تو یقیناً وضاحت کو ضرورت کے وقت سے مؤخر کر دینا لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ لونڈیوں سے ہم بستری کے لیے اسلام شرط نہیں۔

لونڈی کی عدت پوری ہونے سے پہلے جماع کے علاوہ استمتاع جائز ہے

کیونکہ ممانعت صرف ہم بستری سے ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یوم جلولاء کو میرے حصے میں ایک ایسی لونڈی آئی گویا اس کی گردن چاندی کا لوٹا تھی۔ میں اپنے نفس پر قابو نہ پا سکا تو میں اسے بوس و کنار کرنے لگا اور لوگ دیکھ رہے تھے۔(۳)

عدت سے متعلق چند ضروری مسائل

شیخ ابو بکر جابر الجزائری ﷾ نے عدت کے بیان میں چند مختلف الوقوع اہم مسائل بیان کیے ہیں جن کا ذکر فائدے سے خالی نہیں لہٰذا انہیں ذیل کی سطور میں بیان کیا جا رہا ہے:

- طلاق رجعی کی صورت میں ایک ماہواری یا دو ماہواری کے بعد خاوند فوت ہو جائے تو عدتِ طلاق، عدتِ وفات کی طرف منتقل ہو جائے گی، چنانچہ وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور اس کا آغاز طلاق دینے والے خاوند کی وفات کے دن سے ہوگا، یہ اس لیے کہ رجعی طلاق والی عورت بیوی کے حکم میں ہوتی ہے (لہٰذا وفات کے بعد وہ بحیثیتِ بیوہ وفات کی عدت گزارے

---

(۱) [کما فی نیل الأوطار (٤٠٧/٤)]

(۲) [زاد المعاد (٧١١/٥-٧٤٥)]

(۳) [ابن أبي شيبة (٢٨٨/٤) تلخيص الحبير (٣/٤)]

گی) جبکہ طلاقِ بائن والی عورت کا معاملہ اس کے برعکس ہے' چنانچہ اس کی عدت عدتِ وفات کی طرف منتقل نہیں ہو گی' اس لیے کہ رجعی طلاق والی (اپنے خاوند کی) وارث ہوتی ہے' جبکہ طلاق بائن والی وارث نہیں ہوتی۔

- مطلقہ کو حیض یا دو حیض کے بعد اگر حیض آنا بند ہو جائے تو تین ماہ عدت شمار کرے گی۔
- چھوٹی نابالغہ مطلقہ یا بڑی عمر کی عورت جسے ماہواری نہیں آتی' اس کو ماہ یا دو ماہ کے بعد ماہواری آجائے تو اب وہ عدت تین (ماہ نہیں بلکہ تین) حیض شمار کرے گی' لیکن اگر تین ماہ گزرنے کے بعد ماہواری آئے تو پھر اس کی عدت ختم ہو چکی ہے۔
- مطلقہ عورت جو مہینوں یا ایامِ ماہواری سے عدت شمار کر رہی ہے' اگر اس اثناء میں اس کا حمل ظاہر ہو جائے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

کیا عورت کی طرح مرد پر بھی کوئی عدت لازم ہے؟

(سعودی مجلس افتاء) مرد عورت کی طرح (اس کی وفات پر) عدت نہیں گزارے گا' البتہ کچھ دیر دوسرے نکاح سے رُکا رہے۔ اسی طرح اگر کسی آدمی نے چار نکاح کیے ہوں اور وہ ان میں سے ایک بیوی کو رجعی طلاق دے دے تو اس کے لیے اس وقت تک کسی اور چوتھی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں جب تک وہ (جسے رجعی طلاق دی ہے) اپنی عدت نہ پوری کر لے۔ اس انتظار کا نام عدت نہیں رکھا جائے گا بلکہ یہ تو صرف عورت کے لیے ہی عدت ہے جس میں وہ بیوی کے حکم میں ہی ہوتی ہے' اسی وجہ سے شوہر کو شادی سے روکا گیا ہے حتی کہ وہ عورت اس مرد کی عدت پوری کر لے۔(۱)

کیا بوڑھی عورت یا بچی بھی شوہر کی وفات کی عدت پوری کرے گی؟

(سعودی مجلس افتاء) ایسی بوڑھی عورت جسے مردوں کی کوئی حاجت نہیں اور ایسی بچی جو ابھی بالغ نہیں ہوئی' ان دونوں پر شوہر کی وفات کی عدت گزارنا واجب ہے' اگر حاملہ ہو تو وضع حمل اور اگر حاملہ نہیں تو چار ماہ اور دس دن۔(۲)

---

(۱) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۳۹۸/۲۰)]

(۲) [ملخصا' فتاوی اسلامية (۳۰۹/۳)]

عدت گزارنے والی بیوہ پر سوگ واجب ہے

- سوگ کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی عورت بناؤ سنگھار اور زیب و زینت اختیار نہ کرے۔
- خوبصورت لباس اور زیورات نہ پہنے' خوشبو' سرمہ اور مہندی نہ لگائے۔
- کسی سخت ضرورت کے بغیر شوہر کے گھر سے باہر نہ نکلے۔

(1) حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ

﴿دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُوهَا أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ فَدَعَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِطِيبٍ فِيهِ صُفْرَةٌ خَلُوقٌ أَوْ غَيْرُهُ فَدَهَنَتْ مِنْهُ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا ثُمَّ قَالَتْ وَاللَّهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ "لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا"﴾

"میں نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس وقت گئی جب ان کے والد حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تھا۔ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خوشبو منگوائی جس میں خلوق خوشبو کی زردی یا کسی اور چیز کی ملاوٹ تھی' پھر وہ خوشبو ایک لونڈی نے ان کو لگائی اور اُم المومنین نے خود اپنے رخساروں پر اسے لگایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ کی قسم! مجھے خوشبو کے استعمال کی کوئی خواہش نہیں تھی لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی عورت کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ کسی کا سوگ منائے سوائے اپنے شوہر کے (کیونکہ اس کا سوگ) چار مہینے دس دن تک ہے۔" (۱)

(2) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

﴿أَنَّ امْرَأَةً تُوُفِّيَ زَوْجُهَا فَخَشُوا عَلَى عَيْنَيْهَا فَأَتَوْا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَاسْتَأْذَنُوهُ فِي الْكُحْلِ فَقَالَ لَا تَكَحَّلْ قَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ تَمْكُثُ فِي شَرِّ أَحْلَاسِهَا أَوْ شَرِّ بَيْتِهَا فَإِذَا كَانَ حَوْلٌ فَمَرَّ كَلْبٌ رَمَتْ بِبَعَرَةٍ "فَلَا حَتَّى تَمْضِيَ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ"﴾

"ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی آنکھ میں تکلیف ہوئی تو اس کے گھر والے

---

(۱) [بخاری (۵۳۳۴) کتاب الطلاق : باب تحد المتوفی عنها زوجها أربعة أشهر وعشرا ' مسلم (۹۳۸) ابو داود (۲۳۰۲) نسائي (۲۰۲/۶) ابن ماجة (۲۰۸۷) أحمد (۴۰۸/۶)]۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے سرمہ لگانے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا سرمہ مت لگاؤ (زمانہ جاہلیت میں) تمہیں بدترین کپڑے میں وقت گزارنا پڑتا تھا (راوی کو شک ہے کہ شاید یہ فرمایا) بدترین گھر میں وقت گزارنا پڑتا تھا۔ جب اس طرح ایک سال پورا ہو جاتا تو اس کے پاس سے کتا گزرتا اور وہ اس پر مینگنی پھینکتی (تب عدت سے باہر آتی) لہٰذا تم سرمہ نہ لگاؤ جب تک کہ چار ماہ دس دن نہ گزر جائیں۔" (۱)

(3) حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿كُنَّا نُنْهَى أَنْ نُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَلَا نَكْتَحِلَ وَلَا نَطَّيَّبَ وَلَا نَلْبَسَ ثَوْبًا مَصْبُوغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيضِهَا فِي نُبْذَةٍ مِنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ﴾

"ہمیں اس سے منع کیا گیا کہ کسی میت کا تین دن سے زیادہ سوگ منائیں سوائے شوہر کے کہ اس کے لیے چار مہینے دس دن کی عدت تھی۔ اس عرصہ میں ہم نہ سرمہ لگاتے' نہ خوشبو لگاتے اور نہ رنگدار کپڑا پہنتے تھے۔ البتہ وہ کپڑا اس سے الگ تھا جس کا دھاگہ بننے سے پہلے ہی رنگ دیا گیا ہو۔ ہمیں اس کی اجازت تھی کہ اگر کوئی حیض کے بعد غسل کرے تو اس وقت اظفار کا تھوڑا سا عود استعمال کر لے۔"

سنن ابی داود اور سنن نسائی کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے ﴿وَلَا تَخْتَضِبُ﴾ "مہندی بھی نہ لگائے۔" اور سنن نسائی میں یہ لفظ بھی ہیں ﴿وَلَا تَمْتَشِطُ﴾ "اور کنگھی بھی نہ کرے۔" (۲)

معلوم ہوا کہ عورت کے لیے حرام ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ کسی کا سوگ منائے خواہ اس کے والدین ہی کیوں نہ فوت ہو جائیں البتہ اپنے خاوند کا چار ماہ دس دن سوگ منانا اس پر لازم ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ غیر حاملہ کی بات ہے کیونکہ اگر حاملہ ہو گی تو وہ وضع حمل تک سوگ منائے گی۔

(سید سابق ؒ) عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے فوت ہونے والے خاوند پر دورانِ عدت سوگ کرے۔ اس

---

(۱) [بخاری (۵۳۳۸) کتاب الطلاق : باب الکحل للحادۃ' مسلم (۱۴۸۶) کتاب الطلاق : باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفاۃ وتحریمه فی غیر ذلك' موطا (۲/۵۹۶) کتاب الطلاق' ابو داود (۲۲۹۹) کتاب الطلاق : باب احداد المتوفی عنها زوجها' ترمذی (۱۱۹۵) کتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء فی عدۃ المتوفی عنها زوجها]

(۲) [بخاری (۵۳۴۱) کتاب الطلاق : باب القسط للحادۃ عندالطهر' مسلم (۹۳۸) ابو داود (۲۳۰۲) کتاب الطلاق : باب فیما تجتنبه المعتدۃ فی عدتها' نسائی (۳۵۳۶' ۳۵۳۴)]

پر فقہاء کے مابین اتفاق ہے۔(۱)

(شیخ ابن بازؒ) کسی نے دریافت کیا کہ 'جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اسے کن احکامات کا التزام کرنا چاہیے؟ تو شیخ نے جواب دیا کہ

حدیث کی رو سے سوگ منانے والی عورت پر چند امور کا التزام ضروری ہے:

① جس گھر میں عورت کا خاوند فوت ہوا عدت ختم ہونے تک وہ اسی گھر میں مقیم رہے گی' عدت کی مدت چار ماہ دس دن ہے۔ عورت کے حاملہ ہونے کی صورت میں اس کی عدت وضع حمل ہے۔ وضع حمل کے ساتھ ہی عورت کی عدت ختم ہو جائے گی۔

عورت دورانِ عدت ضرورت کے علاوہ گھر سے نہیں نکل سکتی' مثلاً بیماری کی وجہ سے ہسپتال جانا' بازار سے اشیائے خورد و نوش خریدنا وغیرہ' یہ بھی اسی صورت میں کہ کوئی اور شخص ایسے امور کی انجام دہی کے لیے اس کے پاس موجود نہ ہو' اسی طرح رہائشی مکان گر جائے تو دوسرے گھر منتقل ہو سکتی ہے' اگر اس کے پاس جی بہلانے کے لیے اور کوئی نہ ہو یا اسے اپنی جان کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں بھی دوسرے گھر میں جا کر رہنا جائز ہے۔

② عورت عدت کے ایام میں خوبصورت لباس زیب تن کرنے سے پرہیز کرے' وہ زرد یا سبز رنگ کا لباس نہ پہنے بلکہ اسے سادہ لباس استعمال کرنا چاہیے اگرچہ وہ سیاہ ہو یا سبز وغیرہ' مقصد یہ ہے کہ کپڑے خوبصورت نہیں ہونے چاہئیں' نبی کریم ﷺ کا یہی فرمان ہے۔

③ عورت عدت کے دوران سونے' چاندی' ہیروں اور موتیوں کے زیورات پہننے سے اجتناب کرے' ایسے زیورات ہار کی صورت میں ہوں' کنگن کی صورت میں یا انگوٹھی وغیرہ کی صورت میں ہوں (سب ممنوع ہیں)۔

④ خوشبو سے پرہیز کرنا' اس دوران عورت کسی طرح کی خوشبو استعمال نہیں کر سکتی وہ دھونی ہو یا خوشبو کی کوئی اور قسم' ہاں وہ ایامِ مخصوصہ سے فراغت کے بعد بعض خوشبودار اشیاء کی دھونی لے سکتی ہے۔

⑤ سرمہ لگانے سے اجتناب کرنا' عورت دورانِ عدت سرمہ بھی نہیں لگا سکتی' چہرے کے میک اپ کے لیے استعمال ہونے والا سامان' جو کہ مردوں کے لیے باعثِ فتنہ ہو' بھی سرمے کا حکم رکھتا ہے۔ لہٰذا میک

---

(۱) [فقه السنة (۳۲۷/۲)]

آپ کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے' البتہ عام استعمال والی اشیاء مثلاً پانی اور صابن وغیرہ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن وہ سرمہ جو آنکھوں کو خوبصورت بنا دیتا ہے اور دوسری ایسی چیزیں جو بعض خواتین اپنے چہرے کے حسن کے لیے استعمال کرتی ہیں' یہ سب ناجائز ہے۔

یہ پانچ اشیاء ہیں جن کا اہتمام کرنا ہر اس عورت پر واجب ہے جو خاوند کی وفات پر عدت کے دن گزار رہی ہو۔ باقی رہا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ وہ کسی سے گفتگو نہیں کر سکتی' ٹیلی فون پر کسی سے بات نہیں کر سکتی' ہفتے میں ایک سے زائد بار غسل نہیں کر سکتی' گھر میں ننگے پاؤں چل نہیں سکتی اور نہ چاند کی روشنی میں باہر نکل سکتی ہے تو یہ سب خرافات ہیں' اس طرح کی فضولیات کا اسلام میں کوئی وجود نہیں۔ وہ گھر میں ننگے پاؤں چل سکتی ہے اور جوتے پہن کر بھی گھر کے کام کاج کر سکتی ہے' خود اپنا اور مہمانوں کا کھانا وغیرہ تیار کر سکتی ہے۔ چھت یا گھر کے باغیچے میں جہاں چاہے چاند کی روشنی میں چل پھر سکتی ہے' جب چاہے غسل کر سکتی ہے' جس سے چاہے شریفانہ اور باوقار گفتگو کر سکتی ہے' اپنی محرم اور دوسری عورتوں سے مصافحہ کر سکتی ہے' ہاں غیر محرم مردوں سے مصافحہ نہیں کر سکتی۔ غیر محرم کی عدم موجودگی میں سر سے چادر وغیرہ اتار سکتی ہے۔ مہندی اور خوشبو کا استعمال نہیں کر سکتی' اسے زعفران سے بھی پرہیز کرنا چاہیے' اس کا استعمال نہ تو کپڑوں میں کرے اور نہ قہوہ میں' کیونکہ زعفران بھی ایک طرح کی خوشبو ہے۔ کسی شخص کو صراحتاً منگنی کا پیغام نہیں دے سکتی ہاں اشارے کنائے میں کوئی حرج نہیں۔(۱)

(شیخ ابن جبرین) عدت کے دوران عورت پر زیبائشی لباس زیب تن کرنا' زیورات پہننا' خضاب لگانا اور خوبصورتی کے لیے سرمہ لگانا ناجائز ہے۔ ان اشیاء سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ وہ خوشبو اور عطر وغیرہ استعمال نہیں کر سکتی' ضرورت کے علاوہ گھر سے باہر نہیں جا سکتی۔ اجنبی مردوں کے سامنے نہیں آ سکتی' ہاں وہ گھر کے اندر اور اس سے ملحقہ حصوں میں چل پھر سکتی ہے۔ گھر کی چھت پر چڑھ سکتی ہے۔ اگر اس سے ٹیلی فون وغیرہ پر گفتگو کرنے والا' مردوں یا عورتوں کے اس گروہ سے تعلق رکھتا ہے جو اپنے لیے مناسب رشتے کی خاطر اپنا تعارف کرانا چاہتے ہیں تو اسے گفتگو فوراً بند کر دینی چاہیے۔ وہ غیر محرم رشتہ داروں سے بھی باپردہ گفتگو کر سکتی ہے۔ عدت کے علاوہ عام حالات میں بھی وہ اس طرح بات چیت کر سکتی ہے۔(۲)

---

(۱) [فتاوی برائے خواتین (ص / ۲۳۰)]

(۲) [فتاوی برائے خواتین (ص / ۲۳۶)]

(شیخ صالح بن فوزان) عورت پر عدتِ وفات کے دوران سوگ کے لیے پانچ اشیاء حرام ہیں:

① ہر قسم کی خوشبو خواہ کپڑوں پر لگائی جائے یا جسم پر۔

② جسمانی زینت کی اشیاء مثلاً مہندی' سرمہ وغیرہ۔

③ زیب و زینت کے لیے تیار کیے گئے ملبوسات زیب تن کرنا۔

④ ہر قسم کا زیور پہننا حتی کہ انگوٹھی۔

⑤ اس گھر کے علاوہ کسی اور جگہ رات گزارنا جہاں شوہر کی وفات کے وقت یہ موجود تھی۔

مزید فرماتے ہیں کہ

اور جو کچھ عوام میں مشہور ہے کہ ایسی عورت چاند کے سامنے اپنا چہرہ ڈھانپ کر رکھے' گھر کی چھت پر نہ چڑھے' مردوں سے کلام نہ کرے' اپنے محرم رشتہ داروں سے بھی چہرہ چھپائے رکھے وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایسی اشیاء ہیں جن کی کوئی اصل ہی نہیں۔ (واللہ اعلم)(۱)

(سعودی مجلس افتاء) عورت پر اپنے فوت شدہ شوہر کا سوگ منانا فرض ہے۔(۲)

ایک دوسرے فتوے میں ہے کہ

اپنے شوہر کی وفات کی عدت گزارنے والی عورت پر زیب و زینت کے لیے تیار کردہ لباس زیب تن کرنا اور خوبصورتی اختیار کرنا حرام ہے' وہ ان کپڑوں کے سوا عام روزمرہ کے استعمال کا لباس پہنے جو زیب و زینت اور خوبصورت بننے کے لیے تیار نہ کیا گیا ہو اور نہ ہی اس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہو۔ اسی طرح عورت پر زیورات کے ساتھ آراستہ ہونا یا مہندی' سرمہ اور خوبصورت بننے کی اشیاء کے ساتھ مزین ہونا اور ہر قسم کی خوشبو کا استعمال خواہ بدن میں ہو یا لباس میں (عدت میں سب) حرام ہے۔ البتہ ایامِ ماہواری سے پاک ہوتے وقت یا ایامِ ماہواری کا غسل کرتے وقت خوشبو یا دھونی کا استعمال ممنوع نہیں اور نہ ہی دورانِ غسل و نظافت صابن اور شیمپو وغیرہ کا استعمال ممنوع ہے۔ اس کے لیے (دورانِ عدت) ٹیلی فون پر گفتگو کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ گفتگو فتنہ یا کسی شرعی ممانعت پر مبنی نہ ہو۔(۳)

(ابن تیمیہؒ) دورانِ سوگ عورت پر ہر وہ چیز کھانا جائز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے مثلاً پھل اور

---

(۱) [ملخصا' بحوث فقهية (ص / ۲۴۰-۲۴۱)]

(۲) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۳۹۷/۲۰)]

(۳) [ملخصا' فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۴۵۳/۲۰)]

گوشت وغیرہ اور اسی طرح ہر وہ چیز پینا بھی جائز ہے جسے پینے کی اشیاء میں جائز قرار دیا گیا ہے۔(۱)

(ابن قیمؒ) (عدتِ وفات کے دوران) عورت کو ناخن کاٹنے 'بغلوں کے بال اُکھیڑنے اور ان بالوں کو مونڈنے سے نہیں روکا جائے گا جن کا مونڈنا جائز ہے اور اسی طرح بیری وغیرہ کے پتوں (آج کل صابن وغیرہ) کے ساتھ غسل کرنے اور کنگھی کرنے سے بھی نہیں روکا جائے گا۔(۲)

□ یاد رہے کہ حدیث میں موجود لفظِ میت سے معلوم ہوا کہ مطلقہ پر سوگ نہیں ہے لٰہذا اگر طلاق رجعی ہو تو بالاتفاق یہی مسئلہ ہے اور اگر طلاق بائنہ (یعنی تیسری) ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

(جمہور، شافعیؒ، مالکؒ) مطلقہ بائنہ عورت پر سوگ نہیں ہے۔

(ابو حنیفہؒ) مطلقہ بائنہ پر سوگ منانا واجب ہے۔(۳)

(راجح) جمہور کا مؤقف راجح ہے کیونکہ مطلقہ پر سوگ کے وجوب کی کوئی دلیل موجود نہیں اور براءۃِ اصلیہ کا قاعدہ بھی اس کا مؤید ہے۔

□ گزشتہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیوہ سرمہ بھی ہرگز نہیں لگائے گی۔

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔

(ابن حزمؒ) وہ سرمہ نہیں لگائے گی خواہ اس کی آنکھ ضائع ہو جائے' نہ تو دن میں اور نہ ہی رات میں۔(٤)

تاہم بعض اہل علم نے اثمد سرمے کو بطور دوا استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔

(جمہور، مالکؒ، احمدؒ، ابو حنیفہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

ان کی دلیل حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت ہے جس میں ہے کہ کسی عورت نے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے کہا "رات کو (سرمہ) لگالو اور دن کو دھوڈالو۔" لیکن وہ روایت ضعیف ہے۔(٦)

لٰہذا ثابت ہوا کہ عورت کو ایامِ سوگ میں بہر صورت سرمہ لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

---

(۱) [مجموع الفتاوی لابن تیمیة (٢٧/٣٤ـ٢٨)]

(۲) [زاد المعاد (٥٠٧/٥)]

(۳) [الأم (٢٣٠/٥) المبسوط (٥٨/٦) نیل الأوطار (٣٩٥/٤)]

(٤) [المحلی (٢٧٦/١٠)]

(٥) [نیل الاوطار (٣٩٣/٤) سبل السلام (١٤٩٩/٢)]

(٦) [ضعیف ابو داود (٥٠٢) ضعیف نسائی (٢٣٠) ابو داود (٢٣٠٥) کتاب الطلاق : باب فیما تجتنبه المعتدة فی عدتها]

سوگ کے دوران گھڑی پہننے کا حکم

(سعودی مجلس افتاء) کسی نے دریافت کیا کہ 'کیا عورت کے لیے سوگ کے دوران گھڑی پہننا جائز ہے' جبکہ مقصد صرف وقت دیکھنا ہو نہ کہ تحسین و تجمیل؟ تو مجلس نے یہ جواب دیا کہ

ہاں ایسا کرنا جائز ہے' کیونکہ حکم کا دارومدار نیت پر ہے' لیکن گھڑی کا نہ باندھنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ یہ زیور سے ملتی جلتی ہے۔(۱)

سوگ منانے کے لیے سیاہ لباس پہننا

(شیخ ابن عثیمین) کسی نے دریافت کیا کہ 'کیا فوت شدہ شخص خاص طور پر خاوند کے لیے غم میں سیاہ لباس پہننا جائز ہے؟ تو شیخ نے جواب دیا کہ

مصائب کے وقت سیاہ لباس پہننا باطل اور بے اصل شعار ہے۔ مصیبت کے وقت انسان کو شریعت کے مطابق ہی سب کچھ کرنا چاہیے۔ مثلاً یہ دعا پڑھنی چاہیے:

﴿ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ' اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَ أَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا ﴾

جب وہ بحالتِ ایمان اور ثواب کی نیت سے ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر و ثواب اور نعم البدل عطا فرمائے گا' رہا کوئی مخصوص لباس مثلاً سیاہ وغیرہ تو یہ ایک بے اصل' باطل اور قابل مذمت چیز ہے۔(۲)

بغیر کسی شرعی عذر کے عدت اور سوگ کو مؤخر کرنا

(شیخ ابن عثیمین) کسی عورت نے دریافت کیا کہ میری عمر چالیس سال ہے' میں شادی شدہ ہوں اور پانچ بچوں کی ماں ہوں۔ میرا خاوند 12 مئی 1985ء کو فوت ہو گیا' لیکن میں خاوند اور اولاد سے متعلقہ بعض اُمور کی انجام دہی کی بنا پر عدت نہ گزار سکی۔ اس کی وفات کے ٹھیک چار ماہ بعد یعنی 12 ستمبر 1985ء کو میں نے عدت گزارنا شروع کر دی' لیکن ایک ماہ بعد پھر مجھے مجبوراً گھر سے نکلنا پڑا' کیا یہ ایک ماہ عدت میں شمار ہو گا؟ اور کیا خاوند کی وفات کے چار ماہ بعد عدت گزارنا صحیح ہے یا نہیں؟ اس امر سے آگاہ کرنا ضروری ہے کہ مجھے گھر کے بعض ضروری کاموں کی وجہ سے گھر سے باہر جانا پڑتا ہے' میرے گھر میں ایسا کوئی فرد نہیں ہے جس پر میں گھریلو معاملات کے بارے میں اعتماد کر سکوں۔

(۱) [فتاوی برائے خواتین (ص / ۲۳۱)]

(۲) [فتاوی برائے خواتین (ص / ۲۳۶)]

شیخ نے جواب دیا کہ

آپ کا یہ عمل ایک ممنوع (حرام) عمل ہے' کیونکہ خاوند کی وفات کے ساتھ ہی عورت پر عدت اور سوگ واجب ہو جاتا ہے' اسے مؤخر کرنا جائز نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ﴾

[البقرة : ٢٣٤]

"اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں' ان کی بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ اور دس دن روکے رکھیں۔"

آپ کا چار ماہ تک انتظار کر کے پھر عدت شروع کرنا' گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنی چاہیے اور کثرت سے نیک عمل بجا لانے چاہییں۔ شاید اس طرح اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرما دے۔ عدت کا وقت گزر جانے پر اس کی قضا نہیں دی جا سکتی۔(۱)

عدت پوری ہونے کے بعد غسل کا حکم

(سعودی مجلس افتاء) کسی نے دریافت کیا کہ عدت پوری کرنے کے بعد بیواؤں کے غسل کا اسلام میں کیا حکم ہے؟ تو مجلس نے جواب دیا کہ

عدتِ وفات کے ختم ہونے پر کوئی غسل بھی معین نہیں ہے (کیونکہ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں)۔(۲)

---

(۱) [فتاوی برائے خواتین (ص / ۲۳۷)]

(۲) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۴۳۹/۲۰)]

باب النفقة خرچے کا بیان

خاوند پر بیوی کا خرچہ واجب ہے

(1) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [الطلاق : ٧]

''کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اس میں سے (حسبِ توفیق) دے۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔''

(2) ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ

﴿ وَارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ ﴾ [النساء : ٥]

''انہیں اس مال سے کھلاؤ پلاؤ اور پہناؤ۔''

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾

''تم پر معروف طریقے سے ان عورتوں کو کھلانا پلانا اور انہیں لباس مہیا کرنا لازم ہے۔''(١)

(4) حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوْا إِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ ﴾

''خبردار! عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم انہیں لباس مہیا کرنے اور انہیں کھانا فراہم کرنے میں احسان کرو۔''(٢)

(5) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

---

(١) [مسلم (١٢١٨) كتاب الحج : باب حجة النبى]

(٢) [حسن : صحيح ابن ماجة (١٥٠١) إرواء الغليل (١٩٩٧) ترمذى (١١٦٣) كتاب الرضاع : باب ما جاء في حق المرأة على زوجها ' أحمد (٤٢٦/٣) ابو داود (٣٣٣٤) ابن ماجة (١٨٥١)]

﴿ قَالَتْ هِنْدٌ أُمُّ مُعَاوِيَةَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ أَنْ آخُذَ مِنْ مَالِهِ سِرًّا قَالَ خُذِي أَنْتِ وَبَنُوكِ مَا يَكْفِيكِ بِالْمَعْرُوفِ ﴾

''ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا ابو سفیان کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا' اے اللہ کے رسول ﷺ! ابو سفیان ایک کنجوس آدمی ہے۔ مجھے وہ اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو مگر یہ کہ میں خفیہ طور پر کچھ لے لیتی ہوں تو ایسا کرنے سے مجھ پر کوئی گناہ ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا' معروف طریقے سے تم اتنا مال لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہارے بچوں کو کافی ہو جائے۔'' (۱)

(6) اہل علم نے اتفاق کیا ہے کہ بیویوں کا خرچہ ان کے خاوندوں پر واجب ہے۔ (۲)

(ابن قیمؒ) ہند بنت عتبہ کی حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

- بیوی کے خرچہ کی مقدار متعین نہیں (کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا جو تجھے کافی ہو)۔
- بیوی کا خرچہ بھی اولاد کی جنس سے ہے یعنی دونوں معروف طریقے سے ادا کیے جائیں گے۔
- اولاد کے خرچے کا ذمہ دار اکیلا والد ہے۔
- اگر شوہر اور والد اپنے اوپر واجب خرچہ ادا نہ کرتے ہوں تو بیوی اور اولاد کے لیے معروف طریقے سے اس قدر ان کے مال سے لے لینا جائز ہے جتنا انہیں کفایت کر جائے۔
- اگر عورت اپنے شوہر کے مال سے حسب کفایت خرچہ لے سکتی ہو تو اس کے لیے فسخ نکاح کا کوئی جواز نہیں۔
- واجب حقوق میں سے جس کی مقدار اللہ اور اس کے رسول نے مقرر نہیں کی اس میں عرف کو ملحوظ رکھا جائے گا۔
- جو بھی اپنے اوپر (کسی کے) واجب حق کو روک لے اور اس کا ثبوت واضح ہو تو اس کے مستحق کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے لے لے جبکہ وہ اس پر قادر ہو جیسا کہ نبی ﷺ نے

---

(۱) [بخاری (۲۲۱۱) کتاب البیوع : باب من أجری أمر الأمصار علی ما یتعارفون بینهم ' مسلم (۱۷۱٤) کتاب الأقضیة : باب قضیة هند ' ابوداود (۲۵۳۲) نسائی (۲٤٦/۸) ابن ماجة (۲۲۹۳) کتاب التجارات: باب ما للمرأة من مال زوجها ' دارمی (۱۵۹/۲)]

(۲) [موسوعة الإجماع فی الفقه الإسلامی (۱۰۵۹/۲) المغنی (۳٤۸/۱۱) نیل الأوطار (٤۲۵/٤)]

ہند رضی اللہ عنہا کو اسی کا فتویٰ دیا۔(۱)

کتنا خرچہ واجب ہے؟

اگرچہ فقہانے اس میں اختلاف کیا ہے لیکن راجح بات یہی ہے کہ خرچہ کی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ خاوند پر معروف طریقے سے اتنا خرچہ دینا لازم ہے جتنا بیوی بچوں کے لیے کافی ہو جیسا کہ ہند رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ خُذِیْ مَا یَکْفِیْكِ وَوَلَدِكِ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ''تم معروف طریقے سے اتنا مال لے لو جتنا تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو۔'' اگر خرچہ کی مقدار متعین کر دی جائے تو یہ ظلم ہو گا اور وہ اس طرح کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ہر ایک کو ایک مقدار کے خرچ کی ضرورت ہو بلکہ یقیناً کسی کو زیادہ خوراک کی ضرورت ہے اور کسی کو کم' کسی کو زیادہ کپڑے کی ضرورت ہے اور کسی کو کم' کوئی دن میں دوبار کھاتا ہے اور کوئی تین بار اور کسی کا علاج سستی ادویہ سے ہو جاتا ہے اور کسی کا مہنگی ادویہ سے۔ لہٰذا جسے جتنی ضرورت ہو اور جتنا اسے کفایت کرے اسے اتنا خرچہ دینا واجب ہے۔

(ابن قدامہؒ) خرچہ کفایت کے ساتھ ہے (یعنی جتنے سے کفایت ہو جائے اتنا ہی فرض ہے)۔

(جمہور) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(شافعیؒ) مالدار پر ہر روز دو مد' متوسط پر ایک مد اور نصف مد اور تنگ دست پر ایک مد واجب ہے (ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ کا بھی یہی مؤقف ہے)۔(۳)

(شوکانیؒ) ہند کی حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔(٤)

(نوویؒ) انہوں نے بھی اسی کا اعتراف کیا ہے۔(٥)

خرچہ میں خاوند کے حالات کو بھی پیش نظر رکھا جائے گا

یعنی جس قدر اس میں طاقت ہے اسی قدر اس پر خرچہ واجب ہو گا جیسا کہ قرآن میں ہے کہ

﴿لِیُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهُ فَلْیُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا یُکَلِّفُ اللَّهُ

---

(۱) [أعلام الموقعین (٣٥٨/٤-٣٥٩)]

(۲) [المغنی (٣٤٩/١١) نیل الأوطار (٤٧٧/٤)]

(۳) [الأم (١٣٠/٥)]

(٤) [نیل الأوطار (٤٢٨/٤)]

(٥) [شرح مسلم (٢٤٩/٦)]

نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ﴾ [الطلاق : ۷]

”کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اس میں سے (حسب توفیق) دے۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ ﴾

”(عورت کا حق یہ ہے کہ) جب تو کھائے تو اسے بھی کھلائے اور جب تو پہنے تو اسے بھی پہنائے۔“(۱)

(ابن قدامہؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

اگر شوہر بلا وجہ بقدرِ ضرورت خرچہ نہ دے

ایسی صورت میں عورت شوہر کی اجازت کے بغیر بھی اس کے مال سے اتنا لے سکتی ہے جو اس کے لیے اور اس کے بچوں کے لیے کافی ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

”تم معروف طریقے سے اتنا مال لے لو جتنا تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو۔“

رجعی طلاق یافتہ کے لیے خرچہ واجب ہے

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ ﴾ [الطلاق : ۱]

”انہیں (جنہیں تم نے طلاق دی ہے) اپنے گھروں سے مت نکالو الا کہ وہ کسی فحاشی کے کام کا ارتکاب کریں۔“

(2) ایک اور آیت میں ہے کہ

﴿ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ [البقرة : ۲٤۱]

”مطلقہ عورتوں کے لیے معروف طریقے سے فائدہ ہے۔“

(3) حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا:

---

(۱) [حسن صحیح : صحیح ابو داود (۱۸۷۵) کتاب النکاح : باب فی حق المرأة علی زوجها ' ابو داود (۲۱٤۲) ابن ماجة (۱۸۵۰) کتاب النکاح : باب حق المرأة علی الزوج ' ابن حبان (٤۱۷۵)]

(۲) [المغنی (۳۵۲/۱۱)]

﴿ إِنَّمَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنَى لِلْمَرْأَةِ إِذَا كَانَ لِزَوْجِهَا عَلَيْهَا الرَّجْعَةُ ﴾
''بے شک خرچہ اور رہائش عورت کے لیے تب ہے جب اس کا خاوند اس پر رجوع کا حق رکھتا ہو۔''(۱)

(4) ایک روایت میں ہے کہ
''جب مرد کو اس پر رجوع کا حق نہیں ہوگا تو عورت کے لیے خرچہ اور رہائش بھی (اس پر لازم) نہیں ہوگی۔''(۲)

معلوم ہوا کہ رجعی طلاق یافتہ عورت کے لیے اس کے شوہر پر خرچہ اور رہائش واجب ہے۔

(شوکانیؒ) یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔(۳)

(شیخ صالح بن فوزان) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

مطلقہ بائنہ کے لیے خرچہ واجب نہیں الا کہ حاملہ ہو

(1) حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تیسری طلاق والی عورت کے متعلق فرمایا:

﴿ لَيْسَ لَهَا سُكْنَى وَلَا نَفَقَةٌ ﴾ ''اس کے لیے رہائش اور خرچہ نہیں۔''

ایک روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

﴿ طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا فَلَمْ يَجْعَلْ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ سُكْنَى وَلَا نَفَقَةً ﴾
''مجھے میرے شوہر نے تیسری طلاق دی تو رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے رہائش اور خرچہ دونوں کو مقرر نہ فرمایا۔''(٥)

---

(۱) [صحيح : التعليقات الرضية على الروضة الندية (۲/٤ ۲۱) الصحيحة (۱۷۱۱) أحمد (٦/۳۷۳) نسائی (٦/٤٤ ۱)]

(۲) [أحمد(٦/٤۱٦)]

(۳) [نيل الأوطار (٤/٦ ٠ ٤)]

(٤) [الملخص الفقهی (۲/۳۱۷)]

(٥) [أحمد (٦/٤۱۲) مسلم (۱٤۸٠) كتاب الطلاق : باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها ' ابو داود (۲۲۸٤) كتاب الطلاق : باب في نفقة المبتوتة ' نسائی (٦/٧٥) ترمذی (۱۱۳٥) كتاب النكاح : باب ما جاء أن لا يخطب الرجل على خطبة أخيه ' ابن ماجة (۲٠۳٥) كتاب الطلاق : باب المطلقة ثلاثا هل لها سكنى ونفقة ' ابن حبان (٤۲۹۱) ابن الجارود (٧٦۱)]

(2) ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

﴿ لَا نَفَقَةَ لَكِ إِلَّا أَنْ تَكُونِي حَامِلًا ﴾

"تیرے لیے خرچہ نہیں ہے الا کہ تو حاملہ ہوتی (تو تیرے لیے خرچہ ہوتا)۔"(۱)

(3) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مذکورہ روایات کا انکار کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم نہیں جانتے شاید کہ اسے یاد ہے یا یہ بھول گئی ہے۔" پھر جب یہ بات فاطمہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی تو انہوں نے کہا میرے اور تمہارے درمیان (فیصلہ کرنے والی) اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "عورتوں کو ان کی عدت میں طلاق دو۔" حتیٰ کہ فرمایا "تم نہیں جانتے شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نیا حکم لے آئے۔" [الطلاق:۱] تو تیسری طلاق کے بعد کون سا نیا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔"(۲)

اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے فہم کے مطابق انکار کیا لیکن چونکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا واضح حکم بیان کر رہی ہیں اس لیے ان کی اس بات کو حجت تسلیم کیا جائے گا کہ تیسری طلاق والی عورت کے لیے نہ تو رہائش ہے اور نہ ہی خرچہ۔

(احمدؒ، اسحاقؒ، ابو ثور) اسی کے قائل ہیں۔

(جمہور) اس کے لیے خرچہ نہیں ہے جبکہ رہائش ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ أَسْكِنُوهُنَّ ...... ﴾ "انہیں رہائش دو......۔" [الطلاق : ٤] (حالانکہ یہ آیت رجعی طلاق یافتہ کے لیے ہے جو مذکورہ مسئلے میں دلیل نہیں بن سکتی)۔

(ابو حنیفہؒ) تیسری طلاق والی عورت کے لیے رہائش اور خرچہ دونوں لازم ہیں کیونکہ وہ مطلقہ ہے اور مطلقہ کے لیے یہ دونوں چیزیں رجعی طلاق یافتہ عورت کی طرح ضروری ہیں۔ ان کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اقوال ہیں۔(۳)

(راجح) پہلا قول راجح ہے۔

---

(۱) [أحمد (٤١٤/٦) مسلم (١٤٨٠) كتاب الطلاق : باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها ' ابو داود (٢٢٩٠) كتاب الطلاق : باب فى نفقة المبتوتة ' نسائى (٦٢/٦)]

(۲) [مسلم (١٤٨٠ ' ١٤٨١) بخارى (٥٣٢١ ' ٥٣٢٢) ابو داود (٢٢٩٢ ' ٢٢٩٣)]

(۳) [المغنى (٤٠٣/١١) فتح البارى (٦٠٢/١٠) نيل الأوطار (٤٠٤/٤)]

(سعودی مجلس افتاء) دلائل اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ مطلقہ بائنہ کے لیے (شوہر کے ذمہ) نہ تو خرچہ واجب ہے اور نہ ہی رہائش۔ البتہ اگر وہ حاملہ ہو تو خرچہ واجب ہے۔(۱)

(شیخ سلیم ہلالی) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

جس کا شوہر فوت ہو جائے اس کا خرچہ بھی لازم نہیں الا کہ حاملہ ہو

حدیث نبوی ہے کہ

﴿ إِنَّمَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنَى لِلْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا مَا كَانَتْ لَهُ عَلَيْهَا رَجْعَةٌ فَإِذَا لَمْ تَكُنْ عَلَيْهَا رَجْعَةٌ فَلَا نَفَقَةَ وَلَا سُكْنَى ﴾

”بے شک عورت کے لیے اس کے شوہر پر خرچہ اور رہائش اس وقت تک لازم ہے جب تک وہ اس پر رجوع کا حق رکھتا ہے اور جب اسے اس پر رجوع کا حق نہ رہے تو خرچہ اور رہائش (مرد کے ذمے) لازم نہیں رہتا۔“(۳)

کسی اور دلیل سے بھی ثابت نہیں جس کا شوہر فوت ہوا ہو اسے خرچہ دینا لازم ہے۔ ہاں جب وہ حاملہ ہو گی تو اسے خرچہ دیا جائے گا جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ [الطلاق : ٦]

”اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے انہیں خرچہ دیتے رہو۔“

یہ آیت جس طرح متوفی عنہا زوجہا حاملہ کے لیے خرچہ کے وجوب کی دلیل ہے اسی طرح مطلقہ رجعیہ اور مطلقہ بائنہ حاملہ کے لیے بھی وجوبِ نفقہ کی دلیل ہے۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا (جو کہ تیسری طلاق والی تھیں) سے فرمایا' تیرے لیے خرچہ نہیں الا کہ تو حاملہ ہوتی (تو تجھے خرچہ دیا جاتا)۔(٤)

معلوم ہوا کہ ان دونوں قسم کی عورتوں کا خرچہ صرف اسی صورت میں مرد پر لازم ہو گا جب یہ حاملہ ہوں۔ ان کی رہائش بھی مرد پر واجب ہے یا نہیں اس میں فقہا نے اختلاف تو کیا ہے لیکن راجح بات یہ ہے کہ

---

(۱) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٢٢٧/٢٠)]

(۲) [موسوعة المناهى الشرعية (٨٧/٣)]

(۳) [أحمد (٤١٧/٦)]

(٤) [مسلم (١٤٨٠) كتاب الطلاق : باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها ' أحمد (٤١٤/٦)]

ایسی عورتوں کے لیے رہائش واجب نہیں کیونکہ اس کی کوئی دلیل ہمارے علم کے مطابق موجود نہیں نیز قرآن میں بھی صرف ﴿ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ ﴾ خرچہ کا ہی ذکر ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ میاں بیوی کی جدائی یا تو طلاق کے ذریعے ہو گی' یا وفات کے ذریعے' یا فسخ نکاح کے ذریعے۔ اگر طلاق کے ذریعے جدائی ہو تو یا طلاق رجعی ہو گی یا طلاق بائنہ۔ اگر طلاق رجعی ہو تو شوہر پر خرچہ اور رہائش دونوں لازم ہیں خواہ عورت حاملہ ہو یا نہ ہو۔ اور اگر طلاق بائنہ ہو تو شوہر پر نہ خرچہ لازم ہے اور نہ رہائش الا کہ عورت حاملہ ہو تو خرچہ لازم ہے۔ اگر وفات کے ذریعے جدائی ہو تو شوہر پر نہ خرچہ لازم ہے نہ رہائش البتہ اگر حاملہ ہو تو خرچہ لازم ہے۔ اگر فسخ کے ذریعے جدائی ہو تو یا تو لعان کے ذریعے جدائی ہو گی یا خلع کے ذریعے۔ اگر لعان کے ذریعے جدائی ہو تو مرد پر خرچہ اور رہائش لازم نہیں خواہ عورت حاملہ ہو یا نہ ہو کیونکہ مرد نے تو حمل کا بھی انکار کر دیا ہے اور اگر خلع کے ذریعے فسخ نکاح ہو تو خرچہ اور رہائش دونوں لازم نہیں الا کہ عورت حاملہ ہو تو مطلقہ بائنہ کی طرح عمومِ آیت کی وجہ سے صرف خرچہ ہی لازم آئے گا۔(۱)

مالدار باپ پر اپنے تنگ دست بیٹے کو خرچہ دینا لازم ہے

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ﴾ [الطلاق : ٦]

"اگر وہی عورتیں تمہارے کہنے پر دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دے دو۔"

اس آیت میں بچے کو دودھ پلانے کی اجرت اس کے والد پر مقرر کی گئی ہے۔

(2) حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ

﴿ خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ ﴾

"معروف طریقے سے (مرد کے مال سے) اتنا مال لے لو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کے لیے کافی ہو جائے۔"(۲)

---

۱) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المغنی (۱۱/۴۰۲)]

۲) [بخاری (۲۲۱۱) کتاب البیوع : باب من أجری أمر الأمصار علی ما یتعارفون ' مسلم (۱۷۱۴) کتاب الأقضية ' باب قصة هند]

کیا خرچہ نہ ہونے کی صورت میں حاکم میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈال سکتا ہے؟

بعض علماء اس کو ترجیح دیتے ہیں کہ حاکم ایسی صورت میں ان کے درمیان جدائی ڈال سکتا ہے کیونکہ یہ صورت عورت کو ضرر و نقصان پہنچانے سے خالی نہیں اور قرآن میں اس سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ ایک آیت میں ہے ﴿ وَلَا تُضَارُّوْهُنَّ ﴾ [الطلاق : ٦] ”اور انہیں تکلیف نہ پہنچاؤ۔“ اسی طرح یہ صورت معروف طریقے سے اکٹھے گزر بسر کرنے کے بھی منافی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [النساء : ١٩] ”اور ان کے ساتھ معروف طریقے سے گزر بسر کرو۔“ علاوہ ازیں اس صورت میں عورت کو گھر میں رکھنا صرف نقصان پہنچانے کا ہی باعث ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا﴾ [البقرة : ٢٣١] ”تم انہیں نقصان پہنچانے کے لیے مت روکے رکھو۔“ مزید برآں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ ﴾ ”نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ نقصان پہنچاؤ۔“ (١)

اور ایک روایت میں واضح طور پر موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے متعلق فرمایا جس کے پاس اپنی بیوی پر خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے:

﴿ يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا ﴾ ”ان دونوں کے درمیان جدائی ڈال دی جائے۔“ (٢)

امام شوکانی رحمہ اللہ اور نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ ایسی صورت میں میاں بیوی کے درمیان جدائی نہیں ڈالی جائے گی بلکہ عورت کو صبر و قناعت کی ترغیب دی جائے گی کیونکہ مرد پر صرف اتنا نفقہ و خرچہ ہی واجب ہے جس قدر وہ استطاعت رکھتا ہو جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بیوی کے حق کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تو اسے کھلائے جب تو کھائے اور اسے پہنائے جب تو پہنے۔(٣)

---

(١) [صحيح : صحيح ابن ماجة (١٨٩٥) كتاب الأحكام : باب من بنى فى حقه ما يضر بجاره ' الصحيحة (٢٥٠) ابن ماجة (٢٣٤٠) كتاب الأحكام : باب من بنى فى حقه ما يضر بجاره ' بيهقى (١٣٣/١٠) أحمد (٣٢٦/٥)]

(٢) [دارقطنى (٢٩٧/٣) بيهقى (٤٧٠/٧)]

(٣) [حسن صحيح : صحيح ابو داود (١٨٧٥) كتاب النكاح : باب فى حق المرأة على زوجها ' ابو داود (٢١٤٢)]

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تو نہ کھائے (یعنی تمہارے پاس کھانے یا پہننے کی استطاعت نہ ہو) تو اپنی بیوی کو کھلانا بھی واجب نہیں لہٰذا پھر نکاح فسخ کیسے ہو سکتا ہے؟

(ابن حزمؒ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔(۱)

(البانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

مالدار بیٹے پر تنگ دست والد کو خرچہ دینا لازم ہے

(1) ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ [الإسراء : ۲۳]

''تیرے رب نے فیصلہ کیا ہے کہ خاص اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔'' یقیناً بوقت ضرورت انہیں خرچہ مہیا کرنا بھی احسان میں سے ہی ہے۔

(2) ایک اور آیت میں ہے کہ

﴿ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ﴾ [لقمان : ۱۰]

''دنیا میں معروف طریقے سے ان کا ساتھ دو۔''

دنیاوی ضروریات خرچے کے بغیر پوری ہو ہی نہیں سکتیں۔

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهِ وَوَلَدُهُ مِنْ كَسْبِهِ فَكُلُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ﴾

''بلاشبہ سب سے پاکیزہ چیز وہ ہے جو انسان اپنی کمائی سے کھائے اور اس کی اولاد اس کی کمائی سے ہی ہے لہٰذا تم ان کے اموال کھاؤ۔''(۳)

(4) عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) [المحلی (۱۰۹/۱۰)]

(۲) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (۲۵۹/۲)]

(۳) [صحيح : إرواء الغليل (۱۶۲۶) صحيح ابو داود (۳۰۱۳، ۳۰۱٤) كتاب البيوع : باب الرجل يا كل من مال ولده، ابو داود (۳۵۲۸، ۳۵۲۹)، نسائی (٤٤٤۹) كتاب البيوع : باب الحث على الكسب، ابن ماجة (۲۲۹۰) كتاب التجارات : باب ما للرجل من مال ولده، ترمذی (۱۳۵۸) كتاب الأحكام : باب ما جاء أن الوالد يأخذ من مال ولده]

﴿ أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ ﴾ ”تم اور تمہارا مال (دونوں) تمہارے والد کے لیے ہے۔“ (١)

(ابن منذرؒ) اہل علم نے اجماع کیا ہے کہ ایسے تنگ دست والدین جن کا نہ تو کوئی ذریعہ معاش ہو اور نہ ہی کوئی مال ہو تو ان کا خرچہ اولاد کے مال میں سے واجب ہے اور اسی طرح ...... انسان پر اپنے ان (چھوٹے) بچوں کا خرچہ بھی واجب ہے جن کے پاس ابھی کوئی مال نہیں۔ (٢)

(ابن قدامہؒ) اسی کے قائل ہیں۔ (٣)

وجوبِ نفقہ کی شرائط

واضح رہے کہ نفقہ کے وجوب کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کا موجود ہونا ضروری ہے:

① اولاد یا والدین فقراء و تنگ دست ہوں' ان کے پاس کوئی مال نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسا ذریعہ معاش ہو جس کے ذریعے وہ دوسروں کے (اُن پر) خرچہ کرنے سے مستغنی ہو سکتے ہوں۔

② جس پر خرچہ واجب ہو رہا ہے اس کے پاس اپنے نفس کے خرچہ سے زائد مال موجود ہو۔ (٤)

جیسا کہ مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت ہوتا ہے:

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فَقِيرًا فَلْيَبْدَأْ بِنَفْسِهِ فَإِنْ كَانَ فَضْلًا فَعَلَى عِيَالِهِ فَإِنْ كَانَ فَضْلًا فَعَلَى قَرَابَتِهِ ﴾

”تم میں سے جب کوئی فقیر ہو تو (خرچ میں) اپنے نفس سے ابتدا کرے' اگر زائد مال موجود ہو تو اپنے اہل و عیال پر (خرچ کرے) اور اگر اور بھی زائد مال ہو تو اپنے اقرباء پر (خرچ کرے)۔“ (٥)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

---

(١) [صحيح : إرواء الغليل (٨٣٨) صحيح ابو داود (٣٠١٥) كتاب البيوع : باب فى الرجل يأكل من مال ولده' أحمد (٢١٤/٢) ابو داود (٣٥٣٠)]

(٢) [المغنى لابن قدامة (٣٧٣/١١)]

(٣) [أيضا]

(٤) [المغنى (٣٧٤/١١)]

(٥) [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (٣٩٥٧) كتاب العتق : باب فى بيع المدبر' ارواء الغليل (٢١٦٥) صحيح الجامع الصغير (٧٤٧) صحيح ابن خزيمة (٢٤٤٥)]

﴿أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِالصَّدَقَةِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ عِنْدِي دِينَارٌ فَقَالَ تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى نَفْسِكَ قَالَ عِنْدِي آخَرُ قَالَ تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى وَلَدِكَ﴾

"نبی کریم ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا تو ایک آدمی نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اسے اپنے آپ پر خرچ کر۔ اس نے عرض کیا' میرے پاس ایک اور ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے اپنی اولاد پر خرچ کر۔" (۱)

مالک پر اپنے غلاموں کا خرچہ واجب ہے

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيقُ﴾

"غلام کا کھانا پینا اور (اسے) لباس مہیا کرنا مالک پر واجب ہے اور طاقت سے بڑھ کر (اسے) کام کی تکلیف نہ دی جائے۔" (۲)

(2) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿فَمَنْ جَعَلَ اللَّهُ أَخَاهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ﴾

"پس اللہ تعالیٰ جس کی ماتحتی میں اس کے بھائی (یعنی غلام) کو رکھے اسے چاہیے کہ جو وہ کھائے اسے بھی کھلائے اور جو وہ پہنے اسے بھی پہنائے۔" (۳)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ﴾

"ایک انسان کے لیے یہی گناہ کافی ہے کہ جن کی روزی کا ذمہ دار ہے انہیں ضائع کر دے۔" (٤)

(4) صحیح مسلم کی روایت میں یہ لفظ ہیں:

---

(۱) [حسن : صحيح ابو داود (١٤٨٣) كتاب الزكاة : باب فى صلة الرحم ' ابو داود (١٦٩١)]

(۲) [مسلم (١٦٦٢) كتاب الأيمان : باب إطعام المملوك مما يأكل والباسه مما يلبس]

(۳) [بخارى (٦٠٥٠) كتاب الأدب : باب ما ينهى من السباب واللعن ' مسلم (١٦٦١) كتاب الأيمان : باب اطعام المملوك مما يأكل والباسه مما يلبس]

(٤) [حسن : صحيح ابو داود ' ابو داود (١٦٩٢) كتاب الزكاة : باب فى صلة الرحم ' أرواء الغليل (٨٩٤) صحيح الجامع الصغير (٤٤٨١)]

﴿ كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يَحْبِسَ عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوتَهُ ﴾
”آدمی کے لیے یہی گناہ کافی ہے کہ جس کی خوراک کا ذمہ دار ہے اس سے (ہاتھ) روک لے۔“ (۱)
غلاموں کا خرچہ اور ان کا لباس وغیرہ مالک پر واجب ہے اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ (۲)

انسان پر اپنے قریبی رشتہ دار کا خرچہ واجب نہیں

کیونکہ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ انسان پر اپنے تمام اقرباء کا نفقہ بھی واجب ہے۔ البتہ صلہ رحمی کے طور پر دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ صلہ رحمی کا ثبوت کتاب وسنت کی صریح نصوص سے ثابت ہے جیسا کہ چند حسب ذیل ہیں:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ ﴾ [الأنفال: ۷۵]
”اور رشتے ناتے والے ان میں سے بعض بعض سے زیادہ نزدیک ہیں۔“

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ ﴾
”جسے یہ پسند ہے کہ اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کے اثرات دیر تک (دنیا میں) رہیں تو وہ صلہ رحمی کرے۔“ (۳)

(3) صلہ رحمی کی مشروعیت پر اجماع ہے۔ (٤)

معلوم ہوا کہ صلہ رحمی کے لیے قریبی رشتہ داروں کو بھی خرچہ دیا جا سکتا ہے جیسا کہ قرآن میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ

﴿ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَى ﴾ [النساء : ۳٦] ”والدین اور قریبی رشتہ داروں سے

---

(۱) [مسلم (۹۹٦) كتاب الزكاة : باب فضل النفقة على العيال والمملوك ' نسائى (۲۹۵) أحمد (۱٦۰/۲) حاكم (٤۵۱/۱) حميدى (۵۹۹)]

(۲) [سبل السلام (۱۵٤۹/۳)]

(۳) [بخارى (۵۹۸٦) كتاب الأدب : باب من بسط له فى الرزق بصلة الرحم ' مسلم (۲۵۵۷) كتاب البر والصلة والآداب : باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها]

(٤) [موسوعة الإجماع فى الفقه الإسلامى (٤۲٦/۱)]

احسان کرو۔"

ایک اور آیت میں ہے کہ

﴿ وَآتِ ذَی الْقُرْبٰی حَقَّهُ ﴾ [الإسراء : ٢٦] "اور رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔"

لہٰذا پہلے والدین و اولاد اور اہل و عیال جن کا خرچہ انسان پر واجب ہے انہیں خرچہ دیا جائے پھر اگر مال زائد از ضرورت ہو تو ایسے قریبی رشتہ دار' جو تنگ دست اور مجبور ہیں' کو خرچہ دینا چاہیے جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث اس پر شاہد ہیں:

(1) حضرت طارق محاربی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ يَدُ الْمُعْطِي الْعُلْيَا وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ أُمَّكَ وَأَبَاكَ وَأُخْتَكَ وَأَخَاكَ "ثُمَّ أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ" ﴾

"دینے والا ہاتھ بلند ہوتا ہے اور ان سے شروع کر جو تمہاری کفالت میں ہیں۔ ان میں تیری ماں' تیرا باپ' تیری بہن اور تیرا بھائی شامل ہیں' پھر درجہ بدرجہ اپنے سب سے زیادہ قریبی کو دے۔"(١)

(2) بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ

﴿ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ أَبَرُّ قَالَ أُمَّكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ أُمَّكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ أُمَّكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أَبَاكَ "ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ" ﴾

"میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میں حسن سلوک اور نیکی کس کے ساتھ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اپنی والدہ کے ساتھ۔ میں نے پھر عرض کیا' پھر کس سے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اپنی والدہ سے۔ میں نے پھر عرض کیا پھر کس سے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اپنی والدہ سے۔ میں نے پھر عرض کیا' پھر کس سے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اپنے والد سے' پھر درجہ بدرجہ زیادہ قریبی رشتہ دار سے (نیکی کرو)۔"(٢)

کسی مسلمان کی جان بچانے کے لیے مال خرچ کرنا

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ [المائدة : ٢]

---

(١) [صحيح : صحيح نسائی (٢٣٧٢) كتاب الزكاة : باب أيتهما اليد العليا ' إرواء الغليل (٣١٩/٣) نسائی (٢٥٣٣) دارقطنی (٤٤/٣)]

(٢) [حسن صحيح : صحيح ابو داود (٤٢٨٥) كتاب الأدب : باب في برالوالدين ' ابو داود (٥١٣٩) ترمذی (١٨٩٧) أحمد (٣٠٢/٥)]

"نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو۔"

کسی مجبور و بے بس کی جان بچانا نیکی و تقویٰ کی بہت بڑی قسم ہے اور اسے چھوڑ دینا بہت بڑا گناہ و سرکشی ہے۔

(2) ایک حدیث میں ہے کہ

﴿الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ﴾

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہیں کرتا۔"(۱)

اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ ایک مسلمان بھوک سے مر رہا ہے اور اس کے پاس اتنا مال ہے کہ جس سے وہ بچ سکتا ہے پھر بھی یہ اس پر خرچ نہیں کرتا۔

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ﴾

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"(۲)

یقیناً کوئی بھی شخص یہ نہیں چاہتا کہ وہ بھوک سے مر رہا ہو اور لوگ اسے اس حال میں چھوڑ جائیں لہٰذا دوسروں کو بھی اس حال میں نہیں چھوڑنا چاہیے۔

جانوروں کا خرچہ ان کے مالکوں پر لازم ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ سَجَنَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ لَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَلَا سَقَتْهَا إِذْ حَبَسَتْهَا وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ﴾

"(بنی اسرائیل کی) ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا جسے اس نے قید کر رکھا تھا جس وجہ

---

(۱) [بخاری (۲۴۴۲) کتاب المظالم : باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه ' مسلم (۲۵۸۰) كتاب البر والصلة والآداب : باب تحريم الظلم ' ابو داود (۴۸۹۳) كتاب الأدب : باب المؤاخاة ' ترمذی (۱۴۶۲)]

(۲) [بخاری (۱۳) كتاب الإيمان : باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه ' مسلم (۴۵) كتاب الايمان : باب الدليل على أن من خصال الايمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه ' أحمد (۱۷۶/۳) ابن ماجة (۶۶) مقدمة : باب في الايمان ' ترمذی (۲۵۱۵) كتاب صفة القيامة والرقائق والورع : باب ' ابن منده (۲۹۶) نسائی (۱۲۵/۸) أبو عوانة (۳۳/۱) ابن حبان (۴۷۰/۱)]

سے وہ بلی مر گئی تھی اور اس کی سزا میں وہ عورت دوزخ میں چلی گئی۔ جب وہ عورت بلی کو باندھے ہوئے تھی تو اس نے اسے نہ کھانے کے لیے کوئی چیز دی اور نہ پینے کے لیے اور نہ ہی اس نے بلی کو چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی۔'' (۱)

جب بلی کو بھوک سے مار دینے کی سزا جہنم میں داخلہ ہے تو دیگر پالتو جانور جو انسان کی ملکیت میں ہوتے ہیں وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ علاوہ ازیں جانوروں کو کھلانے پلانے میں اجر بھی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کا قصہ بیان کیا ہے کہ

﴿بَيْنَا رَجُلٌ يَمْشِي فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَنَزَلَ بِئْرًا فَشَرِبَ مِنْهَا ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا هُوَ بِكَلْبٍ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ لَقَدْ بَلَغَ هَذَا مِثْلُ الَّذِي بَلَغَ بِي فَمَلَأَ خُفَّهُ ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيهِ ثُمَّ رَقِيَ فَسَقَى الْكَلْبَ فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا قَالَ فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ﴾

''ایک شخص جا رہا تھا کہ اسے پیاس لگ گئی۔ اس نے ایک کنویں میں اتر کر پانی پیا۔ پھر باہر آیا تو دیکھا کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی وجہ سے کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ اس نے (اپنے دل میں) کہا' یہ بھی اس وقت ایسی ہی پیاس میں مبتلا ہے جیسے ابھی مجھے لگی ہوئی تھی۔ (چنانچہ وہ پھر کنویں میں اترا اور) اپنے چمڑے کے موزے کو (پانی سے) بھر کر اسے اپنے منہ سے پکڑے ہوئے باہر آیا اور کتے کو پانی پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس کام کو قبول کیا اور اس کی مغفرت فرمائی۔ صحابہ نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! کیا ہمیں چوپاؤں پر بھی اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا' ہر جاندار میں ثواب ہے۔'' (۲)

---

(۱) [بخاری (۳۴۸۲) كتاب أحاديث الأنبياء : باب ' مسلم (۲۲۴۲) كتاب السلام : باب تحريم قتل الهرة ' بيهقی (۲۱۴/۵) دارمی (۳۳۰/۲) أحمد (۳۱۷/۲) شرح السنة (۴۱۸۴)]

(۲) [بخاری (۲۳۶۳) كتاب المساقاة : باب فضل سقى الماء ' مسلم (۲۲۴۴) كتاب السلام : باب فضل سقى البهائم المحترمة واطعامها ' موطا (۹۲۹/۲) ابو داود (۲۵۵۰) كتاب الجهاد : باب ما يؤمر به من القيام على الدواب والبهائم ' ابن حبان (۵۴۵)]

باب الرضاع — رضاعت کا بیان

رضاعت کا معنی ومفہوم

رضاعت کا مطلب ہے "بچے کا دودھ پینا"۔ مراد ہے کم سنی میں دو سال کی عمر کے اندر اندر بچے کا دودھ پینا۔ اس عمر میں پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

رضاعت کی مدت

دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [البقرة : ۲۳۳]
"مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو۔"

مذکورہ بالا واضح دلیل کے باوجود اس مسئلے میں اختلاف کیا گیا ہے:

(احمدؒ، شافعیؒ، مالکؒ، ابو یوسفؒ، محمدؒ) مدتِ رضاعت دو سال ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عائشہؓ کے علاوہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن امام شعبی، امام اوزاعی، امام اسحاق اور امام ابو ثور رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی یہی مؤقف مروی ہے۔

(ابو حنیفہؒ) مدتِ رضاعت اڑھائی سال ہے (ان کی دلیل یہ آیت ہے ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ [الأحقاف : ۱۵] "بچے کا حمل اور دودھ پلانا تیس ماہ میں ہے۔" حالانکہ اس آیت میں بھی مدت رضاعت دو سال ہی ہے جبکہ مزید چھ ماہ حمل کی کم از کم مدت بیان کی گئی ہے۔

(زفرؒ) مدتِ رضاعت تین سال ہے۔(۱)

(راجح) قرآن کی واضح دلیل کی وجہ سے صرف پہلا مؤقف ہی برحق ہے۔

(نواب صدیق حسن خانؒ) فرماتے ہیں کہ اس آیت "مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں" میں امام ابو حنیفہؒ کی اس بات کا رد ہے کہ رضاعت کی مدت تیس ماہ (یعنی اڑھائی سال) ہے اور اسی طرح امام زفرؒ کا

---

(۱) [المغنی لابن قدامة (۳۱۹/۱۱) نیل الأوطار (۴۱۷/۴) الأم (۲۹/۵) المبسوط (۱۳۵/۵) بدایة المجتهد (۳۶/۲) تفسیر اللباب فی علوم الکتاب (۱۷۰/۴) تفسیر الرازی (۱۰۱/۶) تفسیر بغوی (۲۱۲/۱) تفسیر الدر المنثور (۵۱۳/۱)]

بھی رد ہے (کیونکہ انہوں نے تین سال مدت رضاعت بتائی ہے)۔(۱)
(ابن العربیؒ) صحیح بات یہ ہے کہ رضاعت کی کم از کم کوئی مدت نہیں اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت (زوجین کی باہمی) رضامندی کے ساتھ دو سال ہے۔(۲)

حرمت ثابت کرنے والی رضاعت کی شرائط

① رضاعت کی مدت کے دوران دودھ پلایا گیا ہو۔

② پانچ مرتبہ دودھ پلایا گیا ہو۔

ان شرائط کا قدرے تفصیلی ذکر حسب ذیل ہے۔

❶ رضاعت کی مدت کے دوران دودھ پلایا گیا ہو

(1) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ "وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ" ﴾

"صرف وہی رضاعت حرمت ثابت کرتی ہے جو انتڑیوں کو کھول دے اور دودھ چھڑانے کی مدت (یعنی دو سال کی عمر) سے پہلے ہو۔"(۳)

(ترمذیؒ) یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان کے علاوہ دیگر اہل علم کی اکثریت کا اسی پر عمل ہے کہ صرف وہی رضاعت حرمت ثابت کرتی ہے جو دو سال کی عمر سے پہلے ہو اور جو دو سال کے بعد ہو اس سے کچھ بھی حرمت نہیں ہوتی۔

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا رَضَاعَ بَعْدَ فِصَالٍ وَيُتْمَ بَعْدَ اِحْتِلَامٍ﴾

"دودھ چھڑانے کی مدت کے بعد رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور احتلام کے بعد کسی کو یتیم نہیں سمجھا جائے گا۔"(٤)

---

(۱) [نیل المرام (ص / ۹۱)]

(۲) [تفسیر أحکام القرآن (۲۳۵/۱)]

(۳) [صحیح : إرواء الغلیل (۲۱۵۰) ترمذی (۱۱۵۲) کتاب الرضاع : باب ما جآء ما ذکر أن الرضاعة لا تحرم إلا فی الصغر دون الحولین' نسائی فی الکبری (۳۰۱/۳) ابن حبان (۱۲۵۰ـ الموارد)]

(٤) [حسن : إرواء الغلیل (۲٤٤۱) طبرانی صغیر (۱۵۸/۲) ابو داود طیالسی (۱۷٦۷)]

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿لَا رَضَاعَ إِلَّا فِي الْحَوْلَيْنِ﴾

"کوئی رضاعت معتبر نہیں سوائے اس رضاعت کے جو دو سال کے دوران ہو۔"(١)

(4) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

﴿أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ فَكَأَنَّهُ تَغَيَّرَ وَجْهُهُ كَأَنَّهُ كَرِهَ ذَلِكَ فَقَالَتْ إِنَّهُ أَخِي فَقَالَ انْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ "فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ"﴾

"نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے ہاں ایک مرد بیٹھا ہوا ہے۔ آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا گویا آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ میرے رضاعی بھائی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' دیکھو یہ سوچ سمجھ کر کہو کون تمہارا بھائی ہے کیونکہ رضاعت صرف وہی مؤثر ہوتی ہے جو بھوک سے ہو (یعنی جب بچے کو دودھ پلایا جائے اور اس سے اس کی بھوک مٹ جائے اور وہ صرف بچپن میں دو سال کی عمر کے اندر ہی ہوتی ہے)۔"(٢)

معلوم ہوا کہ صرف اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو دو سال کی عمر کے اندر اندر واقع ہوئی ہو اور اگر بچے کو دو سال کی عمر کے بعد دودھ پلایا گیا ہو تو پھر اس سے حرمت ثابت نہیں ہو گی۔ مزید بر آں اگر کوئی عورت کسی ضروری حاجت کے پیش نظر کسی بڑی عمر کے لڑکے کو بھی دودھ پلائے تو کیا یہ جائز ہے یا اس سے حرمت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے جس کی تفصیل آئندہ مسئلے میں ملاحظہ فرمایئے۔

بڑی عمر کے لڑکے کو دودھ پلانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

﴿أَنَّ سَالِمًا مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ كَانَ مَعَ أَبِي حُذَيْفَةَ وَأَهْلِهِ فِي بَيْتِهِمْ فَأَتَتْ تَعْنِي ابْنَةَ سُهَيْلٍ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ إِنَّ سَالِمًا قَدْ بَلَغَ مَا يَبْلُغُ الرِّجَالُ وَعَقَلَ مَا عَقَلُوا وَإِنَّهُ يَدْخُلُ عَلَيْنَا

---

(١) [دارقطنی (١٧٣/٤) سعيد بن منصور (٩٧٤) بيهقی (٤٤٢/٧) عبدالرزاق (١٣٩٠/٣)]

(٢) [بخاری (٥١٠٢) كتاب النكاح : باب من قال لا رضاع بعد حولين ' مسلم (١٤٥٥) كتاب الرضاع : باب انما الرضاعة من المجاعة ' أحمد (٩٤/٦) ابو داود (٢٠٥٨) كتاب النكاح : باب فی رضاعة الكبير ' ابن ماجة (١٩٤٥) كتاب النكاح : باب لا رضاع بعد فصال ' ابن الجارود (٦٩١) شرح السنة (٦٥/٥)]

وَإِنِّي أَظُنُّ أَنَّ فِي نَفْسِ أَبِي حُذَيْفَةَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ أَرْضِعِيهِ تَحْرُمِي عَلَيْهِ وَيَذْهَبُ الَّذِي فِي نَفْسِ أَبِي حُذَيْفَةَ فَرَجَعَتْ فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُهُ فَذَهَبَ الَّذِي فِي نَفْسِ أَبِي حُذَيْفَةَ ﴾

"سالم مولیٰ ابو حذیفہ' ان کے اہل خانہ کے ساتھ ان کے گھر میں رہتے تھے اور سہیل کی بیٹی (یعنی ابو حذیفہ کی بیوی) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ سالم حدِ بلوغت کو پہنچ گیا ہے اور مردوں کی باتیں سمجھنے لگا ہے اور وہ ہمارے گھر میں آتا ہے اور میرا خیال ہے کہ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے دل میں اس کے متعلق ناپسندیدگی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا' تم سالم کو دودھ پلا دو تم اس پر حرام ہو جاؤ گی اور اس سے وہ ناگواری جو ابو حذیفہ کے دل میں ہے' جاتی رہے گی۔ پھر دوبارہ آئیں اور عرض کیا کہ میں نے اسے دودھ پلا دیا تھا جس سے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ناگواری جاتی رہی۔"

سنن أبي داود کی روایت میں یہ ہے کہ

﴿ فَأَرْضَعَتْهُ خَمْسَ رَضَعَاتٍ فَكَانَ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ ﴾

"(اس حکم کے بعد) سہلہ رضی اللہ عنہا نے سالم کو پانچ مرتبہ دودھ پلا دیا پھر وہ اس کے رضاعی بیٹے کی جگہ ہو گیا۔" (۱)

معلوم ہوا کہ بوقتِ ضرورت بڑی عمر کے لڑکے کو بھی دودھ پلا دیا جائے تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، عروہ بن زبیرؒ، امام عطاءؒ، امام لیثؒ، امام داودؒ اور امام ابن حزمؒ اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(جمہور) صرف دو سال سے کم عمر میں پلائے گئے دودھ سے ہی حرمت ثابت ہو گی (انہوں نے ان تمام دلائل سے استدلال کیا ہے جن میں صرف دو سال سے پہلے دودھ پلانے سے حرمت کا ذکر ہے)۔

جمہور علماء نے مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر اس مؤقف کو ترجیح دی ہے:

---

(۱) [مسلم (۱٤٥٣) کتاب الرضاع : باب رضاعة الكبير' أحمد (۳۸/٦) حمیدی (۲۸۷) ابن ماجة (۱۹٤۳) کتاب النكاح : باب رضاع الكبير' نسائی (۱۰٤/٦) بخاری (۵۰۸۸) بیهقی (٤٥۹/۷) صحیح ابو داود (۱۸۱۵) ابو داود (۲۰٦۱) کتاب النكاح : باب فيمن حرم به]

(۲) [مزید تفصیل کے لیے دیکھئے : نیل الأوطار (٤۱۷/٤) شرح مسلم (۲۸۹/٥) الاستذكار لابن عبدالبر (۲۷۳/۱۸) المحلی بالآثار (۲۰۲/۱۰)]

✦ اسی معنی کی احادیث کثرت سے ہیں جبکہ بڑے لڑکے کو دودھ پلانے کے متعلق صرف ایک حدیثِ سالم ہی ہے۔

✦ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ تمام ازواجِ مطہرات بھی اسی کی قائل تھیں۔

✦ اس میں زیادہ احتیاط کا پہلو ہے۔

✦ بڑے آدمی کو دودھ پلانے سے نہ تو گوشت اُگتا ہے' نہ ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں اور نہ ہی اس سے جسم کا کوئی حصہ بنتا ہے حالانکہ یہی حرمت کے وہ اسباب ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں۔

✦ ممکن ہے یہ معاملہ صرف سالم کے ساتھ ہی خاص ہو۔ کیونکہ یہ چیز صرف اسی کے قصہ میں موجود ہے۔

✦ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا' رضاعت صرف اس وقت معتبر ہے جب بھوک کے وقت دودھ پیا جائے۔(۱)

ان تمام وجوہات کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ کسی بھی شرعی مسئلہ کے اثبات کے لیے ایک صحیح حدیث ہی کافی ہے۔ اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ تمام ازواجِ مطہرات اس کے خلاف تھیں لیکن وہ محض ان کا اپنا فہم تھا جو صریح حدیث کے مقابلے میں حجت نہیں۔ کسی ایک کام کا احوط ہونا دوسرے کے عدمِ جواز کا ثبوت نہیں۔ لامحالہ اس سے گوشت نہیں اُگتا اور ہڈیاں بھی مضبوط نہیں ہوتیں لیکن اس بات کا علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تھا اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہلہ رضی اللہ عنہا کو اجازت دے دی۔ سالم کے ساتھ اس معاملے کے خاص ہونے کا دعویٰ دلیل کا محتاج ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ''رضاعت صرف بھوک سے ہے۔'' اگرچہ بظاہر بڑے آدمی کو دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہ ہونے کا ثبوت ہے لیکن سہلہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے اس کا جواز نکل آتا ہے۔

(راجح) ہمارے علم کے مطابق راجح مؤقف وہ ہے جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اختیار کیا ہے۔

(ابن تیمیہؒ) مسئلہ رضاعت میں بچپن کا اعتبار کیا جائے گا الا کہ کوئی حاجت وضرورت پیش آ جائے جیسا کہ بڑی عمر کے آدمی کی رضاعت کا مسئلہ ہے' ایسا شخص جسے کسی عورت کے پاس جانا بھی ضروری ہو اور اس عورت کا اس سے پردہ کرنا بھی دشوار ہو جیسا کہ سالم کا ابوحذیفہ کی بیوی کے ساتھ معاملہ تھا۔ اس طرح

---

(۱) [أعلام الموقعين (٣٤٦/٤)]

کے بڑی عمر کے آدمی کو اگر عورت نے دودھ پلا دیا تو اس آدمی کے لیے دودھ پینا قابل تاثیر ہو گا۔ نیز ایسی صورت کے علاوہ دودھ پینے کی مدت بچپن کی عمر ہی ہے۔(۱)

(شوکانیؒ) یہی قول میرے نزدیک راجح ہے۔(۲)

(ابن قیمؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۳)

(امیر صنعانیؒ) انہوں نے اس تطبیق کو بہترین قرار دیا ہے۔(٤)

(صدیق حسن خانؒ) اسی کو برحق گردانتے ہیں۔(٥)

❷ پانچ مرتبہ دودھ پلایا گیا ہو

پانچ مرتبہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر مرتبہ جب بچہ ماں کا پستان منہ میں لے کر چوسے پھر بغیر کسی عارضہ کے اپنی مرضی سے اسے چھوڑ دے تو یہ ایک مرتبہ ہے اور اگر کسی عارض کی وجہ سے چھوڑے مثلاً سانس لینے کے لیے 'یا کچھ آرام کے لیے' یا کسی اور ایسی وجہ سے جو اسے دوسری طرف مشغول کر دے 'پھر جلد ہی دوبارہ پینا یا چوسنا شروع کر دے تو یہ وقفہ ایک مرتبہ میں ہی شمار ہو گا۔(٦)

مزید یہ کہ صرف پانچ مرتبہ دودھ پینے سے ہی حرمت ثابت ہوتی ہے 'اس کے تفصیلی دلائل حسب ذیل ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

﴿كَانَ فِيمَا أُنزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُنَّ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ﴾

"پہلے قرآن میں یہ حکم اترا تھا کہ دس مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ پھر یہ منسوخ ہو گیا اور یہ (نازل ہوا کہ) پانچ مرتبہ دودھ پینا حرمت کا سبب ہے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو یہ قرآن

---

(۱) [مجموع الفتاوی (٦٠/٣٤)]

(۲) [نیل الأوطار (٤١٨/٤)]

(۳) [أعلام الموقعین (٣٤٦/٤)]

(٤) [سبل السلام (١٥٣٣/٣)]

(٥) [الروضة الندية (١٨٠/٢)]

(٦) [مزید دیکھئے: نیل الأوطار (٤١٢/٤) سبل السلام (١٥٢٩/٣)]

میں پڑھا جاتا تھا۔'' (۱)

حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ

﴿ فَأَرْضَعَتْهُ خَمْسَ رَضَعَاتٍ فَكَانَ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ ﴾

''انہوں نے سالم کو پانچ مرتبہ دودھ پلایا پھر وہ اس کے رضاعی بیٹے کی جگہ ہو گیا۔'' (۲)

(ابن تیمیہ) پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔(۳)

(ترمذی) انہوں نے اسی مذہب کو قوی قرار دیا ہے۔(٤)

(امیر صنعانی) انہوں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔(٥)

(ابن حزم، صدیق حسن خان) اسی کے قائل ہیں۔(٦)

البتہ اس مسئلے میں بعض دیگر فقہانے اختلاف کیا ہے:

(شافعی) پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم، امام عطاء، امام طاؤس، حضرت سعید بن جبیر، حضرت عروہ، لیث بن سعد اور ایک روایت کے مطابق امام احمد سے بھی یہی مذہب منقول ہے۔

(جمہور، ابو حنیفہ، مالک) کم یا زیادہ جتنا بھی دودھ پی لے حرمت ثابت ہو جائے گی خواہ ایک مرتبہ ہی پیئے۔

(اسحاق، ابو عبیدہ، ابو ثور، ابن منذر) تین مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی یہی موقف ہے۔(۷)

جن کا خیال ہے کہ تین مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

---

(۱) [مسلم (۱٤٥٢) کتاب الرضاع : باب التحريم بخمس رضعات ' موطا (۲/٦٠٨) ابو داود (۲٠٦۲) كتاب النكاح : باب هل يحرم ما دون خمس رضعات ' ترمذى (۱۱٥٠) كتاب الرضاع : باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان ' نسائى (٦/١٠٠) ابن حبان (٤٢٠٧۔ الإحسان)]

(۲) [صحیح : صحيح ابو داود (۱۸۱٥) كتاب النكاح : باب فيمن حرم به ' ابو داود (۲٠٦١)]

(۳) [فتاوى النساء (ص/٤٧١)]

(٤) [ترمذى (بعد الحديث / ۱۱٥٠)]

(٥) [سبل السلام (۳/۱٥۲۹)]

(٦) [المحلى بالآثار (۱٠/۱۸۹) الروضة الندية (۲/۱۷٤)]

(۷) [الأم للشافعى (٥/٢٦) المغنى لابن قدامة (۱۱/۳۱٠) المدونة الكبرى (۲/٤۱۳) تحفة الأحوذى (٤/۳٤۲) فتح البارى (۹/٥٠) نيل الأوطار (٤/٤١٤)]

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ﴾

''ایک دفعہ اور دو دفعہ دودھ چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔''(۱)

(2) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں:

﴿لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ وَلَا الرَّضْعَتَانِ﴾

''ایک مرتبہ دودھ پینے اور دو مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔''

(3) صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں:

﴿لَا تُحَرِّمُ الْإِمْلَاجَةُ وَالْإِمْلَاجَتَانِ﴾

''پستان کو ایک مرتبہ منہ میں ڈالنے یا دو مرتبہ منہ میں ڈالنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔''(۲)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ محض ایک یا دو مرتبہ دودھ پینے سے تو حرمت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا تین مرتبہ دودھ پینے سے ثابت ہو جائے گی۔ لیکن درحقیقت یہ مفہومِ مخالف کے ذریعے استدلال کیا گیا ہے اور مفہومِ مخالف منطوق (جو حکم لفظوں میں موجود ہو) کے مقابلے میں حجت نہیں جیسا کہ اصول میں یہ ثابت ہے۔ لہٰذا اگر غور کیا جائے تو یہ احادیث بھی ''پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت کے اثبات'' والی حدیث کے مخالف نہیں ہیں کیونکہ ان میں یہ مذکور ہے کہ دو مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی تو یہ اس حدیث میں بھی شامل ہے۔ البتہ اس میں وضاحت آ گئی ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے لہٰذا اسی پر عمل کیا جائے گا۔

جمہور اپنے مؤقف کے لیے اس آیت ﴿وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْ أَرْضَعْنَكُمْ﴾ [النساء : ۲۳] ''اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔'' کے عموم سے استدلال کرتے ہیں اور احناف خبر واحد کے ذریعے قرآن کے اس قطعی حکم میں تخصیص جائز نہیں سمجھتے (حالانکہ یہ آیت عام ہے اور حدیثِ عائشہ

---

(۱) [مسلم (۱٤٥٠) کتاب الرضاع : باب فی المصة والمصتان ' أبو داود (۲۰٦۳) ترمذی (۱۱٥۰) ابن ماجة (۱۹٤۰) أحمد (۳۱/٦) سعید بن منصور (۲۷۷/۱) أبو یعلی (۲۳۹/۸)]

(۲) [مسلم (۱٤٥۱) کتاب الرضاع : باب فی المصة والمصتان ' ابن ماجة (۱۹٤۰) کتاب النکاح : باب لا تحرم المصة ولا المصتان ' نسائی (۱۰۰/٦) عبدالرزاق (٤٦۹/۷) طبرانی کبیر (۲۲/۲٥) بیهقی (٤٥٥/۷)]

خاص ہے اور عام کو خاص پر محمول کرنا واجب ہے خواہ خبر واحد ہو یا متواتر)۔ علاوہ ازیں اپنے مفاد کی خاطر بعض اوقات احناف بھی خبر واحد کے ذریعے قرآن کی تخصیص کر لیتے ہیں جیسا کہ قرآن میں حق مہر کے متعلق ارشاد ہے کہ ﴿ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ ﴾ [النساء : ٢٤] ''کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو۔'' یہ آیت عام ہے جبکہ ایک روایت میں ہے ﴿ لَا مَهْرَ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ ﴾ ''دس درہموں سے کم حق مہر نہیں۔'' اب یہاں احناف اس روایت کے ذریعے قرآن کے عام حکم کی تخصیص کرتے ہیں حالانکہ یہ بھی خبر واحد ہے مزید برآں یہ روایت ضعیف بھی ہے پھر بھی اسے حجت سمجھتے ہیں۔

گزشتہ تمام بحث سے ثابت ہوا کہ پہلا (یعنی امام شافعیؒ کا) مؤقف راجح ہے لہٰذا اسی پر عمل کیا جائے۔

رضاعت کی وجہ سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ الرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ ﴾

''جیسے خون ملنے سے حرمت ہوتی ہے ویسے ہی دودھ پینے سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔''(١)

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ ﴾

''اللہ تعالیٰ نے رضاعت سے بھی ان رشتوں کو حرام کر دیا ہے جن رشتوں کو نسب کی وجہ سے حرام کیا ہے۔''(٢)

رضاعت کی وجہ سے حرام رشتے

ان رشتوں کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے:

① ''دودھ پلانے والی عورت'' کیونکہ دودھ پلانے کی وجہ سے وہ دودھ پینے والے کی ماں تصور ہو گی۔

② ''دودھ پلانے والی کی ماں'' کیونکہ وہ اس کی نانی ہو گی۔

---

(١) [بخاری (٥٠٩٩) کتاب النکاح : باب، قول الله تعالیٰ : وأمهاتكم اللاتى أرضعنكم ' مؤطا (٦٠١/٢) مسلم (١٤٤٤) کتاب الرضاع : باب یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة ' نسائی (١٠٢/٦) دارمی (١٥٥/٢) عبدالرزاق (٤٧٦/٧) أبو یعلی (٣٣٨/٧) بیهقی (١٥٩/٧)]

(٢) [صحیح : إرواء الغلیل (٢٨٤/٦) ترمذی (١١٤٦) کتاب الرضاع : باب ما جآء یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب ' أحمد (١٣١/١)]

③ "دودھ پلانے والی کے شوہر کی ماں" کیونکہ وہ اس کی دادی ہو گی۔

④ "ماں کی بہن" کیونکہ وہ دودھ پینے والے کی خالہ ہو گی۔

⑤ "اس کے خاوند کی بہن" جو دودھ والا ہو' کیونکہ وہ اس کی پھوپھی ہو گی۔

⑥ "اس کے بیٹوں اور بیٹیوں کی بیٹیاں" کیونکہ وہ اس کے بھائیوں اور بہنوں کی بیٹیاں ہیں۔

⑦ "بہن" خواہ سگی ہو یا ماں یا باپ میں سے کسی ایک کی طرف سے۔(۱)

دودھ پلانے والی کا شوہر باپ کے قائم مقام بن جاتا ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

﴿ أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ جَاءَ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا وَهُوَ عَمُّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ بَعْدَ أَنْ نَزَلَ الْحِجَابُ فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي صَنَعْتُ فَأَمَرَنِي أَنْ آذَنَ لَهُ ﴾

"ابو قعیس کے بھائی افلح نے ان کے ہاں اندر آنے کی اجازت چاہی۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا تھے۔ یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ) میں نے انہیں اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ کو ان کے ساتھ اپنا (کیا ہوا) معاملہ بتایا تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں انہیں اندر آنے کی اجازت دے دوں۔"

جامع ترمذی کی روایت میں یہ لفظ ہیں:

﴿عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ عَمِّي مِنَ الرَّضَاعَةِ يَسْتَأْذِنُ عَلَيَّ فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ حَتَّى أَسْتَأْمِرَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ فَإِنَّهُ عَمُّكِ قَالَتْ إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ قَالَ فَإِنَّهُ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ ﴾

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے رضاعی چچا آئے' انہوں نے میرے پاس (گھر میں) آنے کی اجازت طلب کی تو میں نے انہیں اس وقت تک اجازت دینے سے انکار کر دیا جب تک رسول اللہ ﷺ سے نہ پوچھ لوں۔ پھر آپ ﷺ (تشریف لائے تو آپ) نے فرمایا' اسے اپنے پاس آنے دو یہ تمہارے چچا ہیں' انہوں نے عرض کیا کہ بلاشبہ مجھے تو عورت نے دودھ پلایا تھا' مرد نے نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا'

(۱) [تفسیر فتح القدیر (۱/۴۴۴_۴۵۶) فقہ السنۃ (۲/۱۴۸)]

یقیناً یہ تمہارے چچا ہیں انہیں اپنے پاس آنے دو۔"(۱)

ان صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دودھ پلانے والی کا شوہر باپ کے درجہ میں ہوتا ہے اور اس کے رشتہ داروں کا وہی مقام ہوتا ہے جو سگے باپ کے رشتہ داروں کا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے رضاعی چچا سے پردہ کرنے سے روکا اور انہیں اپنے پاس آنے سے روکنے سے منع فرمایا۔

(ابن حجرؒ) رقمطراز ہیں کہ جمہور صحابہ و تابعین اور فقہائے امصار مثلاً اہل شام میں امام اوزاعیؒ اور امام ثوریؒ، اہل کوفہ میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے دونوں صاحب (یعنی شاگرد' امام محمدؒ اور قاضی ابویوسفؒ)، اہل مکہ میں ابن جریجؒ، اہل مدینہ میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، امام ابوثورؒ، اور ان کے متبعین کا یہ مؤقف ہے کہ مرد کا دودھ حرمت کرتا ہے (مراد یہ ہے کہ جس مرد کے جماع کی وجہ سے عورت میں دودھ پیدا ہوا ہے' وہ بھی دودھ پینے والے پر حرام ہو جاتا ہے' یعنی اس سے نکاح جائز نہیں رہتا)۔ ان کی دلیل یہ (مذکورہ بالا) صحیح حدیث ہے۔(۲)

(ترمذیؒ) انہوں نے اسی مؤقف کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔(۳)

(عبدالرحمن مبارکپوریؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

دودھ پلانے والی اکیلی عورت کی گواہی

(1) حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اُم یحییٰ بنت ابی اہاب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تو ایک عورت آئی اور کہنے لگی ﴿ قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا ﴾ "میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔" عقبہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ ﴾ "اب تم اسے کس طرح اپنے نکاح

---

(۱) [بخاری (۵۱۰۳) کتاب النکاح : باب لبن الفحل ' مسلم (۱٤٤٥) کتاب الرضاع : باب تحریم الرضاعة من ماء الفحل ' مؤطا (۲/۶۰۱) کتاب الرضاع : باب رضاعة الصغیر ' ترمذی (۱۱٤۸) کتاب الرضاع : باب ما جاء فی لبن الفحل ' احمد (۶/۳۳) ابو داود (۲۰۵۷) کتاب النکاح : باب فی لبن الفحل ' ابن ماجه (۱۹٤۹) کتاب النکاح : باب لبن الفحل ' نسائی (۳۳۱۵) کتاب النکاح : باب لبن الفحل ' حمیدی (۱/۱۱۳) ' (۲۲۹) دارمی (۲/۱۵۶) کتاب النکاح : باب ما یحرم الرضاع]

(۲) [فتح الباری (۹/۵۵)]

(۳) [جامع ترمذی (بعد الحدیث / ۱۱٤۸)]

(٤) [تحفة الأحوذی (٤/۳۳۸)]

میں رکھ سکتے ہو جبکہ رضاعت کی اطلاع دے دی گئی ہے؟۔" چنانچہ عقبہ نے اس عورت کو جدا کر دیا اور اس خاتون نے دوسرے آدمی سے نکاح کر لیا۔"(۱)

(2) امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار آدمیوں اور ان کی بیویوں کے درمیان رضاعت کے مسئلہ میں ایک عورت کی گواہی کی وجہ سے جدائی کرائی۔(۲)

(احمدؒ) اسی کے قائل ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، امام طاؤس، امام زہری، امام اوزاعی، ابن ابی ذئب اور عمر بن عبد العزیز رحمہم اللہ کا بھی یہی مؤقف ہے۔

(شافعیؒ) چار عورتوں سے کم کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ دو عورتیں گواہی میں ایک مرد کے برابر ہیں۔

(ابو حنیفہؒ) صرف دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی (ان کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ﴾ [البقرة : ۲۸۲] "اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنا لو۔" حالانکہ یہ آیت عام ہے اور حدیث خاص ہے اور عام کو خاص پر محمول کرنا واجب ہے)۔(۳)

(راجح) مسئلہ رضاعت میں دودھ پلانے والی اکیلی عورت کی گواہی بھی قبول کی جائے گی جیسا کہ گزشتہ صحیح حدیث اس پر شاہد ہے۔

(شوکانیؒ) برحق بات یہ ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کے قول کے مطابق عمل کرنا واجب ہے خواہ وہ عورت آزاد ہو یا لونڈی۔(٤)

(سید سابقؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٥)

دو سال تک دودھ پلانا جائز ہے ضروری نہیں

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

---

(۱) [بخاری (۲٦٥۹، ۲٦٦۰) کتاب الشهادات : باب شهادة المرضعة، احمد (۸/٤) ابو داود (۳٦۰٤) کتاب الأقضية : باب الشهادة في الرضاع، ترمذی (۱۱٥۱) کتاب الرضاع : باب ما جاء في شهادة المرأة الواحدة في الرضاع، نسائی (۱۰۹/٦) حميدی (٥۷۹) دارقطنی (۱۷٥/٤)]

(۲) [عبدالرزاق (٤۸۲/۷) کتاب الطلاق : باب شهادة امرأة على الرضاع]

(۳) [المغني لابن قدامة (۳٤۰/۱۱) نيل الأوطار (٤۲۳/٤)]

(٤) [نيل الأوطار (۳٥۹/٦)]

(٥) [فقه السنة (۱٥۳/۲)]

﴿ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ﴾ [البقرة : ٢٣٣]

”مکمل دو سال کی مدت اس کے لیے ہے جو رضاعت کو پورا کرنے کا ارادہ کرے۔“

(قرطبیؒ) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو سال تک دودھ پلانا ضروری نہیں ہے کیونکہ دو سال سے پہلے دودھ چھڑانا بھی جائز ہے۔(۱)

(ابن العربیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

کسی اور سے دودھ پلوانا بھی جائز ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَإِنْ أَرَدْتُّمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوْا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَّا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾

[البقرة : ٢٣٣]

”اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم ان کو دستور کے مطابق جو دینا ہو (یعنی دودھ پلانے کا معاوضہ) وہ ان کے حوالے کر دو۔“

اگر کسی نے بہن کا دودھ پیا ہو تو باہم ان کی اولاد کا حکم

فی الحقیقت رضاعت سے بھی وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب وولادت سے ہوتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جیسے خون ملنے سے حرمت ہوتی ہے ویسے ہی دودھ پینے سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔“(۳)

اس حدیث کی رو سے دودھ پینے والا اپنی بہن کا رضاعی بیٹا ہوگا اور بہن کی اولاد اس کے رضاعی بہن بھائی ہوں گے اور اس کی اولاد کے چچا اور پھوپھیاں ہوں گے لہٰذا ان کا باہم نکاح جائز نہیں ہوگا۔

مایوسی کی عمر میں دودھ پلانا

(شیخ ابن عثیمینؒ) کسی نے دریافت کیا کہ 'اس عورت کے دودھ کا کیا حکم ہے جو ناامیدی (بڑھاپے) کی عمر کو پہنچ جائے لیکن کسی (روتے) بچے کو دیکھ کر اس کی چھاتی میں دودھ اتر آئے اور وہ مدتِ رضاعت میں ایک

---

(۱) [تفسیر قرطبی (۱۰۷/۳)]

(۲) [تفسیر أحکام القرآن لابن العربی (۲۳۷/۱)]

(۳) [بخاری (۵۰۹۹) کتاب النکاح]

بچے کو پانچ یا اس سے زائد مرتبہ دودھ پلا دے تو اس دودھ کا کیا حکم ہے؟ نیز کیا یہ دودھ حرمت کا باعث بنے گا اور کیا اس کا رضاعی باپ ہو گا' جبکہ دودھ پلانے والی عورت کا اس وقت کوئی خاوند نہیں؟

شیخ نے جواب دیا کہ

یقیناً رضاعت بھی نسب کی طرح حرام کرنے والی ہے' اس بنا پر مدت رضاعت (دو سال) کے دوران جس عورت نے بچے کو پانچ یا اس سے زائد مرتبہ دودھ پلایا وہ اس بچے کی رضاعی ماں بن جائے گی' اس لیے کہ یہ آیت عام ہے:

﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ﴾ [النساء : ٢٣]

"اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا (تم پر حرام ہیں)۔"

اگر مایوسی کی عمر تک پہنچنے کے بعد بھی کوئی عورت کسی بچے کو دودھ پلائے تو بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ پھر اگر دودھ پلانے والی عورت خاوند والی ہے تو شیر خوار بچہ اس کا رضاعی بیٹا اور جس آدمی کی طرف عورت کا دودھ منسوب ہے وہ اس بچے کا باپ ہو گا۔ اگر وہ عورت بے خاوند ہے یعنی ابھی اس کی شادی ہی نہیں ہوئی' لیکن اس کی چھاتی میں دودھ اتر آئے (اور وہ دودھ پلا دے) تو وہ اس بچے کی ماں بن جائے گی جسے اس نے دودھ پلایا ہو گا۔ لیکن اس کا رضاعی باپ (کوئی) نہیں ہو گا۔ یہ بات تعجب والی نہیں ہے کہ بچے کی رضاعی ماں تو ہو مگر اس کا رضاعی باپ نہ ہو' بعینہ یہ بھی تعجب والی بات نہیں ہے کہ اس کا رضاعی باپ تو ہو مگر رضاعی ماں نہ ہو۔

پہلی صورت کچھ یوں ہے کہ ایک عورت نے کسی بچے کو دو دفعہ دودھ پلایا۔ یہ دودھ اس کے (پہلے) خاوند کے سبب تھا' پھر وہ خاوند اس سے الگ ہو گیا اور عورت نے عدت گزرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے شادی کر لی' اس سے جماع ہوا اور وہ حاملہ ہو گئی' اس نے ایک بچے کو جنم دیا' تب اس نے اس پہلے رضاعی بچے کو باقی ماندہ تین رضعات دودھ پلایا تو اس طرح وہ اس کی رضاعی ماں بن جائے گی۔ کیونکہ اس نے اس عورت سے پانچ مرتبہ دودھ پی لیا ہے' مگر اس بچے کا کوئی رضاعی باپ نہیں ہو گا کیونکہ اس عورت نے بچے کو ایک خاوند سے پانچ یا ان سے زائد مرتبہ دودھ نہیں پلایا۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے کہ ایک بچے کا رضاعی باپ تو ہو مگر رضاعی ماں نہ ہو تو وہ یوں ہے کہ مثلاً ایک شخص کی دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے ایک نے بچے کو دو مرتبہ دودھ پلایا اور دوسری نے مزید

تین دفعہ دودھ پلا کر پانچ رضعات مکمل کر لیے' تو اس صورت میں یہ بچہ ان کے خاوند کا رضاعی بیٹا تو ہو گا کیونکہ اسے ایک باپ کا پانچ مرتبہ دودھ پلایا گیا ہے جبکہ اس کی رضاعی ماں نہیں ہو گی کیونکہ اس نے پہلی عورت سے دو مرتبہ اور دوسری عورت سے تین مرتبہ دودھ پیا ہے۔(۱)

(سید سابق ؒ) جس دودھ پلانے والی کے دودھ سے حرمت ثابت ہوتی ہے وہ ایسی عورت ہو جس کی چھاتیوں میں دودھ موجود ہو خواہ وہ بالغہ ہو یا نہ ہو' خواہ اسے حیض آتا ہو یا حیض سے ناامید ہو' خواہ اس کا خاوند ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو۔(۲)

حق رضاعت کے متعلق ایک ضعیف روایت

جس روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا:

﴿ مَا يُذْهِبُ عَنِّي مَذَمَّةَ الرَّضَاعَةِ قَالَ الْغُرَّةُ الْعَبْدُ أَوْ الْأَمَةُ ﴾

"رضاعت کا حق (دودھ پلانے والی کو) کس طرح ادا کیا جا سکتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا' ایک غلام یا لونڈی کی ادائیگی کے ساتھ۔" وہ ضعیف ہے۔(۳)

---

(۱) [فتاوی برائے خواتین (ص / ۲۲۰)]

(۲) [فقه السنة (۱۵۱/۲)]

(۳) [ضعیف ابو داود (۴۴۵) ضعیف ترمذی (۱۹۶) ضعیف نسائی (۲۱۳) ابو داود (۲۰۶۴) کتاب النکاح : باب في الرضخ عند الفصال ' ترمذی (۱۱۵۳) کتاب الرضاع : باب ما جاء ما يذهب مذمة الرضاع ' أحمد (۴۵۰/۳) حمیدی (۸۷۷) نسائی (۳۳۲۹) دارمی (۱۵۷/۲)]

باب الحضانة — پرورش کا بیان

حضانت کا معنی ومفہوم

لفظِ حضانت عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ''گود میں لینا اور پرورش کرنا'' ہے۔ اصطلاحاً اس سے مراد ہے کم سن بچے کی تربیت و پرورش اور حفاظت کرنا حتی کہ وہ بالغ و سمجھدار ہو جائے۔

حضانت کس کی ذمہ داری ہے؟

بچوں کی تربیت کا اہتمام کرنا' انہیں اچھے اخلاق و آداب سکھانا' انہیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا' انہیں بچپن سے ہی حق و صداقت کی راہ دکھانا بنیادی طور پر والدین کی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ [التحريم : ٦]

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں' جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے اسے بجالاتے ہیں۔''

اور حدیث میں ہے کہ

﴿ مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ ﴾

''اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز چھوڑنے پر مارو۔'' (۱)

نیز جو شفقت و محبت اور احساسِ تربیت بچوں کے لیے والدین کے دل میں ہوتا ہے' دوسرے کسی میں نہیں ہوتا۔ لہٰذا اولین ذمہ داری والدین پر ہی عائد ہوتی ہے۔ البتہ اگر والدین موجود نہ ہوں تو قریبی رشتہ داروں کو چاہیے کہ اس ذمہ داری کو سنبھالیں اور اگر کوئی قریبی رشتہ دار بھی موجود نہ ہو تو کوئی بھی

---

(۱) [حسن : صحيح أبو داود (٤٦٦) كتاب الصلاة : باب متى يؤمر الغلام بالصلاة ' أبو داود (٤٩٥) أحمد (١٨٧/٢) دارقطنى (٢٣٠/١)]

مسلمان فرد یہ ذمہ داری اٹھا سکتا ہے اور اگر کوئی مسلمان بھی یہ ذمہ داری نہیں اٹھاتا تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ایسے بچوں کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت کا اہتمام کرے۔

حضانت کا زیادہ حقدار کون؟

حضانت کی سب سے زیادہ مستحق والدہ ہے کیونکہ وہ بچوں کے لیے لطف و رحم میں دوسروں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ یہ رحمت و شفقت درج ذیل حدیث سے بخوبی عیاں ہو جاتی ہے:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

﴿ كَانَتْ امْرَأَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ لِصَاحِبَتِهَا إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ وَقَالَتْ الْأُخْرَى إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ فَتَحَاكَمَتَا إِلَى دَاوُدَ فَقَضَى بِهِ لِلْكُبْرَى فَخَرَجَتَا عَلَى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ فَأَخْبَرَتَاهُ فَقَالَ ائْتُونِي بِالسِّكِّينِ أَشُقُّهُ بَيْنَهُمَا فَقَالَتْ الصُّغْرَى لَا تَفْعَلْ يَرْحَمُكَ اللَّهُ هُوَ ابْنُهَا فَقَضَى بِهِ لِلصُّغْرَى ﴾

"دو عورتیں تھیں اور ان کے ساتھ ان کے دو بچے بھی تھے' پھر بھیڑیا آیا اور ایک بچے کو اٹھا کر لے گیا۔ اس نے اپنی ساتھی عورت سے کہا بھیڑیا تیرے بچے کو لے گیا ہے' دوسری عورت نے کہا کہ وہ تو تیرا بچہ لے گیا ہے۔ وہ دونوں عورتیں اپنا مقدمہ داود علیہ السلام کے پاس لائیں تو آپ نے فیصلہ بڑی کے حق میں کر دیا۔ وہ دونوں نکل کر سلیمان بن داود علیہ السلام کے پاس گئیں اور انہیں واقعہ کی اطلاع دی۔ سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ چھری لاؤ میں لڑکے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو ایک ایک دوں گا۔ اس پر چھوٹی عورت بول اٹھی کہ ایسا نہ کیجئے آپ پر اللہ رحم کرے' یہ بڑی ہی کا لڑکا ہے لیکن آپ علیہ السلام نے فیصلہ چھوٹی عورت کے حق میں کیا (کیونکہ وہ ماں تھی اور اپنے بچے کو اپنے سامنے دو لخت ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی اس لیے اس نے اپنے بچے کو دوسری کے ہاتھ میں ہی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ اس کا بچہ زندہ تو رہے' لیکن سلیمان علیہ السلام نے فیصلے کے لیے انتہائی پر حکمت طریقہ اختیار کیا تھا وہ سمجھ گئے کہ جس کے خون نے جوش مارا ہے یہ بچہ اسی کا خون ہے چنانچہ انہوں نے اسی کے حق میں فیصلہ کر دیا)۔"(۱)

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے' حضرت صعصعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

﴿ دَخَلَتْ عَلَى عَائِشَةَ امْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا فَأَعْطَتْهَا ثَلَاثَ تَمَرَاتٍ فَأَعْطَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ

---

(۱) [بخاري (٦٧٦٩) كتاب الفرائض : باب اذا ادعت المرأة ابنا]

مِنهُمَا تَمرَةً ثُمَّ صَدَعَتِ الْبَاقِيَةَ بَيْنَهُمَا قَالَتْ فَأَتَى النَّبِيُّ ﷺ فَحَدَّثْتُهُ فَقَالَ مَا عَجَبُكِ لَقَدْ دَخَلَتْ بِهِ الْجَنَّةَ ﴾

''ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی' اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں' عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے تین کھجوریں دیں' اس نے ہر بیٹی کو ایک ایک کھجور دے دی' پھر (اپنے حصے کی تیسری) کھجور کو دو ٹکڑے کر کے ان کے درمیان تقسیم کر دیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ آئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو یہ قصہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا' بلاشبہ وہ اس (اپنی بیٹیوں پر رحمت وشفقت) کے باعث جنت میں داخل ہو گئی ہے۔'' (۱)

لہٰذا اگر ماں اور باپ میں کسی وجہ (طلاق وغیرہ) سے جدائی ہو جائے تو بچوں کی پرورش کی سب سے زیادہ حقدار ماں ہے' جب تک وہ نیا نکاح نہ کر لے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ

﴿أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنِي هَذَا كَانَ بَطْنِي لَهُ وِعَاءً وَثَدْيِي لَهُ سِقَاءً وَحِجْرِي لَهُ حِوَاءً وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِي وَأَرَادَ أَنْ يَنْتَزِعَهُ مِنِّي فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِي" ﴾

''ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا' اے اللہ کے رسول! یہ جو میرا بیٹا ہے میرا پیٹ اس کے لیے برتن تھا' میری چھاتی (پستان) اس کے لیے مشکیزہ تھی اور میری آغوش اس کے لیے جائے قرار تھی۔ اس کے والد نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اب وہ مجھ سے اس بچے کو بھی چھین لینا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' جب تک تو دوسرا نکاح نہیں کرتی اس وقت تک تو ہی اس کی زیادہ حق دار ہے۔'' (۲)

اس حدیث میں مذکور تین اوصاف ایسے ہیں جو بچے کی پرورش میں ماں کے ساتھ ہی خاص ہیں لہٰذا پرورش کے استحقاق میں بھی ماں کو باپ پر فوقیت حاصل ہے۔

(ابن تیمیہؒ) بچے کی تربیت کے لیے باپ سے زیادہ حقدار ماں ہے کیونکہ وہ زیادہ رحمدل' اس کی تربیت کو زیادہ سمجھنے والی اور زیادہ صبر کرنے والی ہے۔'' (۳)

---

(۱) [صحیح : صحیح ابن ماجه ' ابن ماجه (۳۶۶۸) کتاب الأدب : باب بر الوالد ولاحسان الى البنات]

(۲) [حسن : صحیح ابو داود (۱۹۹۱) کتاب الطلاق : باب من أحق بالولد ' ابو داود (۲۲۷۶) دارقطنی (۳۰۵/۳) حاکم (۲۰۷/۲) بیهقی (۴/۸۔۵) امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۳) [التعليق على سبل السلام للشيخ عبدالله بسام (۱۰۶۱/۳)]

(صدیق حسن خانؒ) اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ باپ سے زیادہ ماں بچے کی مستحق ہے۔(۱)

واضح رہے کہ ماں کا یہ استحقاق اور برتری دوسرے نکاح سے پہلے ہے جب وہ نکاح کر لے گی تو یہ حق ساقط ہو جائے گا جیسا کہ گزشتہ حدیث میں یہ لفظ ہیں ﴿ مَالَمْ تَنْكِحِي ﴾ "جب تک تو نکاح نہ کر لے۔"

(شافعیہ، حنفیہ، مالکؒ) اسی کے قائل ہیں۔(۲)

(ابن منذرؒ) انہوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔(۳)

تاہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نکاح سے بھی یہ حق باطل نہیں ہوتا (یعنی اگر عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے تب بھی وہی بچے کی زیادہ مستحق ہوتی ہے)۔ حسن بصریؒ اور امام ابن حزمؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔(٤)

لیکن یہ قول درست نہیں کیونکہ یہ گزشتہ صریح حدیث کے خلاف ہے۔

(ابن منذرؒ) اہل علم کا اجماع ہے کہ جب عورت (دوسری) شادی کر لے تو بچے پر اس کا کوئی حق نہیں۔(٥)

☐ علماء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ مجرد عقدِ نکاح سے ہی ماں سے پرورش کا حق ساقط ہو جائے گا یا عقد کے بعد ہم بستری کے ساتھ ساقط ہو گا۔

(ابو حنیفہؒ، شافعیؒ) یہ حق مجرد عقدِ نکاح سے ہی ساقط ہو جائے گا۔

(مالکؒ) ہم بستری کے بعد ساقط ہو گا۔(٦)

(ابن قیمؒ) انہوں نے پہلے قول کی طرف میلان ظاہر کیا ہے اور اسے جمہور کا مؤقف قرار دیا ہے۔(۷)

(قرطبیؒ) عقد کے ساتھ ہم بستری بھی ضروری ہے۔(۸)

---

(۱) [الروضة الندية (۱۸۳/۲)]

(۲) [نيل الأوطار (٤/٤٣٤)]

(۳) [الإجماع لابن المنذر (۳۹۲)]

(٤) [الروضة الندية (۱۸۳/۲) المحلى (۱۰/۳۲٥-۳۲۹)]

(٥) [كما في تفسير قرطبي (۱٥۷/۳)]

(٦) [التعليقات الرضية للألباني (۳۳٥/۲)]

(۷) [زاد المعاد (۱۸٦/٤)]

(۸) [تفسير قرطبي (۱۰۱/۳)]

ماں کے بعد حضانت کی زیادہ حقدار خالہ ہے

اگر ماں نے دوسرا نکاح کر لیا ہو یا فوت ہو جائے تو بچوں کی پرورش کی زیادہ حقدار خالہ ہو گی۔ جیسا کہ درج ذیل دلائل اس پر شاہد ہیں:

(1) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی طویل روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے بعد اگلے سال مکہ مکرمہ گئے اور پھر جب واپس ہونے لگے تو:

﴿فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَتَبِعَتْهُمْ ابْنَةُ حَمْزَةَ يَا عَمِّ يَا عَمِّ فَتَنَاوَلَهَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَأَخَذَ بِيَدِهَا وَقَالَ لِفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَام دُونَكِ ابْنَةَ عَمِّكِ حَمَلَتْهَا فَاخْتَصَمَ فِيهَا عَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَجَعْفَرٌ فَقَالَ عَلِيٌّ أَنَا أَحَقُّ بِهَا وَهِيَ ابْنَةُ عَمِّي وَقَالَ جَعْفَرٌ ابْنَةُ عَمِّي وَخَالَتُهَا تَحْتِي وَقَالَ زَيْدٌ ابْنَةُ أَخِي فَقَضَى بِهَا النَّبِيُّ ﷺ لِخَالَتِهَا وَقَالَ "الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ" وَقَالَ لِعَلِيٍّ أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ وَقَالَ لِجَعْفَرٍ أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي وَقَالَ لِزَيْدٍ أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا﴾

"اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ایک بچی چچا چچا کرتی آئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ساتھ لے لیا' پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہاتھ پکڑ کر لائے اور فرمایا' اپنی چچازاد بہن کو بھی ساتھ لے لو' انہوں نے اسے اپنے ساتھ سوار کر لیا' پھر حضرت علی' حضرت زید اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہم کا جھگڑا ہوا۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا میں زیادہ مستحق ہوں' یہ میرے چچا کی بچی ہے۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ میرے بھی چچا کی بچی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہیں۔ زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے بھائی کی بچی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچی کی خالہ کے حق میں فیصلہ کیا اور فرمایا کہ خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے' پھر علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم صورت اور عادات و اخلاق سب میں مجھ سے مشابہ ہو۔ زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی بھی ہو اور ہمارے مولا بھی۔" (۱)

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿وَالْجَارِيَةُ عِنْدَ خَالَتِهَا فَإِنَّ الْخَالَةَ وَالِدَةٌ﴾

---

(۱) [بخاری (۲٦۹۹) کتاب الصلح : باب كيف يكتب : هذا ما صالح فلان بن فلان' مسلم (۱۷۸۳) ترمذی (۱۹۰٤) بیهقی (۸/۵)]

”لڑکی اپنی خالہ کے پاس ہو گی کیونکہ خالہ ماں (کی مثل ہی) ہے۔“ (۱)

یہ روایات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ خالہ بچے کی پرورش کرنے میں ماں کے درجہ میں ہے۔ امام شوکانیؒ نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے۔ (۲)

اگر خالہ موجود نہ ہو تو پھر والد زیادہ حقدار ہے

اس کے متعلق کوئی واضح دلیل تو موجود نہیں البتہ نبی کریم ﷺ کا والدہ سے کہنا کہ ﴿أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِيْ﴾ اس بات کا ثبوت ہے کہ نکاح کے بعد بچہ باپ کی کفالت و پرورش میں رہے گا اور اس طرح جس روایت میں بچے کو ماں اور باپ کے درمیان اختیار دینے کا ذکر ہے وہ بھی اس کا ثبوت ہے کہ ماں کے بعد باپ ہی مستحق ہے۔ تاہم خالہ کو ماں کے بعد اس لیے حق دیا گیا ہے کیونکہ اسے دوسری حدیث میں ماں کی جگہ قرار دیا گیا ہے لہٰذا ماں کے بعد خالہ کا اور پھر والد کا حق ہو گا۔

اگر والد بھی موجود نہ ہو

تو پھر حاکم رشتہ داروں میں سے اسے بچے کا نگران و محافظ مقرر کرے گا جس میں پرورش کرنے کی زیادہ صلاحیت ہو۔ کیونکہ جب ماں' خالہ اور باپ تینوں موجود نہیں تو بچہ یقیناً کسی ایسے شخص کا محتاج ہے جو اس کی پرورش' تربیت اور دیکھ بھال کرے اور یہ بات معروف ہے کہ دیگر تمام افراد سے قریبی رشتہ دار ہی یہ ذمہ داری زیادہ خوش اسلوبی' شفقت اور رحم دلی سے نبھا سکتے ہیں۔ لہٰذا حاکم وقت ان میں سے کسی کو جس میں زیادہ صلاحیت ہے بچے کا نگران و مربی مقرر کر دے۔

اور اگر کوئی ایسا رشتہ دار بھی موجود نہ ہو تو ان بے سہارا بچوں کی پرورش کی ذمہ داری حکومت پر ہے' حکومت کو چاہیے کہ بیت المال میں سے ایسے بچوں کی پرورش کا انتظام کرے۔ اس کی دلیل صحیح بخاری کی وہ روایت ہے جسے امام بخاریؒ نے اسی بات کو ثابت کرنے کے لیے نقل فرمایا ہے:

﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُؤْتَى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى عَلَيْهِ الدَّيْنُ فَيَسْأَلُ هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ فَضْلًا فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ وَفَاءً صَلَّى وَإِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِينَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ قَالَ أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ

---

(۱) [صحيح : إرواء الغليل (۲٤٦/۷ ـ ۲٤۸) أحمد (۹۸/۱) مشكل الآثار (۱۷۳/٤) ابو داود (۲۲۸۰) حاکم (۱۲۰/۳)]

(۲) [نيل الأوطار (٤۳۳/٤)]

تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ ﴾

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کسی ایسے شخص کا جنازہ لایا جاتا جس پر قرض ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے کہ مرنے والے نے قرض کی ادائیگی کے لیے ترکہ چھوڑا ہے یا نہیں؟ اگر کہا جاتا کہ اتنا چھوڑا ہے جس سے اس کا قرض ادا ہو سکتا ہے تو آپ ان کی نماز پڑھتے' ورنہ مسلمانوں سے کہتے کہ اپنے ساتھی پر تم ہی نماز پڑھ لو۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے تو فرمایا کہ میں مسلمانوں سے ان کی خود اپنی ذات سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ اس لیے ان کے مسلمانوں میں سے جو کوئی وفات پائے اور قرض چھوڑے تو اس کی ادائیگی کی ذمہ داری میری ہے اور جو کوئی مال چھوڑے وہ اس کے ورثاء کا ہے۔" (۱)

حضانت کب ساقط ہوتی ہے؟

اس ضمن میں شیخ ابوبکر جابر الجزائری ﷾ رقمطراز ہیں کہ

حضانت میں چونکہ بچے کی نگہداشت اصل مقصود ہوتی ہے' جس سے اس کی جسمانی' عقلی اور روحانی تربیت ہو اور جس شخص کے ذریعہ یہ اغراض حاصل نہ ہو سکتی ہوں تو اس کا حق (یعنی حق حضانت) ختم ہو جاتا ہے' جیسا کہ ماں' اگر اس نے دوسری جگہ نکاح کر لیا ہے تو اس کا حق ختم ہو جائے گا' اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

﴿ أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِي ﴾

"جب تک تو (نئے خاوند سے) نکاح نہ کرے' اس کی (پرورش کرنے کی) تو زیادہ حقدار ہے۔"

اور اس لیے بھی کہ اجنبی کے ساتھ نکاح کی صورت میں وہ اپنے بچے کی نگہداشت اور حفاظت نہیں کر سکے گی۔ اسی طرح درج ذیل صورتوں میں حضانت کا استحقاق ختم ہو جاتا ہے:

- عورت مجنون یا کم عقل ہے۔
- متعدی امراض' جذام وغیرہ میں مبتلا ہے۔
- بچے کی حفاظت اور اس کے جسم و عقل کی تربیت کرنے سے عاجز ہے۔
- وہ کافرہ ہے جس سے بچے کے دین وعقائد خراب ہونے کا خطرہ ہے۔ (۲)

---

(۱) [بخاری (۵۳۷۱) کتاب النفقات : باب قول النبی ' من ترك كلا أو ضياعا فالى]

(۲) [منهاج المسلم ' مترجم (ص / ۶۶۳)]

بچے کو اختیار دینا اور قرعہ ڈالنا

گزشتہ استحقاقِ پرورش کی تمام بحث ایسے بچے کے متعلق ہے جو ابھی صغر سنی یعنی بچپن میں ہو اور سن تمیز کو نہ پہنچا ہو لیکن جب وہ سن شعور کو پہنچ جائے اور اسے تربیت و پرورش کی یکسر ضرورت نہ رہے تو اس صورت میں بچے کو ماں باپ کے درمیان اختیار دیا جائے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بچے سے کہا:

﴿هَذَا أَبُوكَ وَهَذِهِ أُمُّكَ فَخُذْ بِيَدِ أَيِّهِمَا شِئْتَ فَأَخَذَ بِيَدِ أُمِّهِ فَانْطَلَقَتْ بِهِ﴾

"اے لڑکے! یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں ہے ان دونوں میں سے جس کا چاہے ہاتھ پکڑ لے۔ پھر اس بچے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اسے لے کر چلتی بنی۔"(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

﴿أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَيَّرَ غُلَامًا بَيْنَ أَبِيهِ وَأُمِّهِ﴾

"نبی کریم ﷺ نے ایک لڑکے کو اس کے باپ اور اس کی ماں کے درمیان اختیار دیا۔"(۲)

حضرت رافع بن سنان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ خود مسلمان ہو گئے اور ان کی بیوی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے ماں کو ایک طرف اور باپ کو دوسری طرف بٹھا دیا اور بچی کو دونوں کے درمیان بٹھا دیا' پھر فرمایا کہ دونوں اسے بلاؤ:

﴿فَمَالَتِ الصَّبِيَّةُ إِلَى أُمِّهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اللَّهُمَّ اهْدِهَا فَمَالَتِ الصَّبِيَّةُ إِلَى أَبِيهَا فَأَخَذَهَا﴾

"تو بچی ماں کی جانب مائل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی' اے اللہ! اسے ہدایت دے۔ اس پر وہ بچی

---

(۱) [صحيح : إرواء الغليل (۲۱۹۲) كتاب الطلاق : باب من أحق بالولد ' ابو داود (۲۲۷۷) كتاب الطلاق : باب من أحق بالولد ' ترمذی (۱۳۵۷) كتاب الأحكام : باب ما جاء فى تخيير الغلام بين أبويه اذا افترقا ' نسائى (۳۴۹۶) كتاب الطلاق : باب اسلام أحد الزوجين وتخيير الولد ' ابن ماجة (۲۳۵۱) كتاب الأحكام : باب تخيير الصبى بين أبويه ' أحمد (۷۳۴۶۔ شاكر) مشكل الآثار (۱۷۶/۴)] امام زیلعیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[نصب الراية (۲۶۹/۳) تلخيص الحبير (۱۲/۴)]

(۲) [صحيح : التعليقات الرضية على الروضة (۳۳۹/۲) ترمذی (۱۳۵۷) كتاب الأحكام : باب ما جاء فى تخيير الغلام بين أبويه إذا افترقا ' ابن ماجة (۲۳۵۱) كتاب الأحكام : باب تخيير الصبى بين أبويه ' أحمد (۴۴۷/۲) نسائى (۳۴۹۶) كتاب الطلاق : باب اسلام أحد الزوجين وتخيير الولد]

باپ کی طرف مائل ہو گئی اور باپ نے اسے پکڑ لیا۔'' (۱)

(عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ) ان احادیث سے ظاہر ہے کہ اولاد میں سے ایسا بچہ جو سن تمیز کو پہنچ چکا ہو اسے اختیار دینا واجب ہے' بغیر اس فرق کے کہ وہ مذکر ہے یا مؤنث۔ (۲)

(شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ) اسی کے قائل ہیں اور انہوں نے اختیار کی حد سات یا آٹھ سال مقرر کی ہے (لیکن سات یا آٹھ سال والا اثر ضعیف ہے)۔ (۳)

(ابو حنیفہؒ) بچے کو اختیار نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ ماں کے پاس ہی رہے گا اور جب اس کا حق ساقط ہو گا تو باپ کے پاس رہے گا۔

(مالکؒ) بچے کو اختیار نہیں دیا جائے گا اور لڑکیوں کی زیادہ حق دار ماں ہے حتی کہ ان کا نکاح ہو جائے اور لڑکوں کا زیادہ مستحق باپ ہے حتی کہ وہ جوان اور بالغ ہو جائیں۔ (٤)

گزشتہ صحیح حدیث امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے مؤقف کے خلاف حجت ہے۔ علاوہ ازیں اگر بچے سے والدین میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا مشکل ہو جائے تو قرعہ کے ذریعے فیصلہ کر دیا جائے گا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اسْتَهِمَا فِيهِ﴾ ''تم دونوں اس بچے کے متعلق قرعہ ڈال لو۔'' (٥)

(ابن قیمؒ) جس میں بچے کے لیے مصلحت اور خیر خواہی کا پہلو زیادہ ہو اسے اختیار کرنا چاہیے۔ اگر باپ کے مقابلے میں ماں زیادہ صحیح تربیت اور حفاظت کر سکتی ہو اور غیرت مند عورت ہو تو ماں کو باپ پر ترجیح دی جائے گی۔ اس صورت میں قرعہ اندازی یا اختیار میں سے کسی چیز کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا کیونکہ بچہ تو کم فہم و کم عقل اور نادان و ناعاقبت اندیش ہوتا ہے۔ ماں باپ میں سے جو بچے کا زیادہ خیال رکھنے والا ہو بچہ اس کے حوالے کر دیا جائے۔ (اگر ماں سے زیادہ باپ میں یہ اوصاف موجود ہوں تو بچہ باپ کے حوالے کر دیا جائے

---

(۱) [صحيح: صحيح ابو داود (۱۹٦٣) كتاب الطلاق: باب إذا أسلم أحد الأبوين مع من يكون الولد ' ابو داود (۲۲٤٤) نسائي (۳٤۹٥) حاكم (۲/۲۰٦) ابن ماجة (۲۳٥۲) دارقطني (٤/٤۳)]

(۲) [تحفة الأحوذي (٤/٦۷۹)]

(۳) [إرواء الغليل (۲۱۹٥)]

(٤) [الأم (٥/۹۲) المبسوط (٥/۲۱۱) المغني (٤/٤۳٥) تفسير قرطبي (۳/۱۰۸)]

(٥) [صحيح: صحيح ابو داود (۱۹۹۲) كتاب الطلاق: باب من أحق بالولد ' ابو داود (۲۲۷۷) نسائي (٦/۱۸٥) ابن أبي شيبة (٥/۲۳۷)]

پھر وہی اس کی تربیت کا ذمہ دار ہوگا)۔ شریعت اس کے علاوہ کسی چیز کی متحمل نہیں ہو سکتی اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دو۔"(١)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔" [التحريم : ٦] پس جب ماں اسے مکتب و مدرس میں چھوڑتی ہو اور اسے قرآن سکھاتی ہو اور بچہ کھیل کود اور اپنے ساتھیوں سے میل جول کو ہی ترجیح دیتا ہو اور اس کا والد اسے ان کاموں کی اجازت دیتا ہو تو ماں ہی اس کی زیادہ مستحق ہے۔ اختیار اور قرعہ کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اسی طرح اس کے برعکس (اگر والد دین سکھاتا ہو اور ماں کھیل کود کی اجازت دیتی ہو تو باپ زیادہ مستحق) ہے۔(٢)

(امیر صنعانیؒ) یہ (یعنی امام ابن قیمؒ کا) کلام نہایت ہی عمدہ ہے۔(٣)

(ابن تیمیہؒ) انہوں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

(شوکانیؒ) اسی کے قائل ہیں۔(٤)

(البانیؒ) انہوں نے اسی طرف اشارہ کیا ہے (یعنی جس میں بچے کی مصلحت زیادہ ہو اسی کو اختیار کیا جائے)۔(٥)

(راجح) یہی مؤقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

بچوں کا خرچہ والد کے ذمہ ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة : ٢٣٣]

"بچوں کی ماں کا رزق اور کپڑے معروف طریقے کے ساتھ والد کے ذمہ ہیں۔"

امام قرطبیؒ رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ﴾ "ان کا رزق اور ان کے کپڑے" میں یہ دلیل ہے کہ بچے کا خرچہ اس کے ضعف و عجز کی وجہ سے اس کے والد پر واجب ہے' اللہ تعالیٰ نے یہاں ماں کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کیونکہ دورانِ رضاعت بچے تک غذا ماں کے ذریعے ہی پہنچتی ہے

---

(١) [ابو داود (٤٩٤)]

(٢) [زاد المعاد (٤٧٤/٥-٤٧٥)]

(٣) [سبل السلام (١٥٦٤/٣)]

(٤) [نيل الأوطار (٤٣٦/٤)]

(٥) [التعليقات الرضية على الروضة (٣٣٨/٢)]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

﴿ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ [الطلاق : ٦]

”اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے انہیں خرچہ دیتے رہو۔“

کیونکہ غذا صرف اس (ماں) کے ذریعے ہی (بچے تک) پہنچتی ہے۔

نیز علماء کا اجماع ہے کہ آدمی پر اپنے ان بچوں کا خرچہ واجب ہے جن کے پاس کوئی مال نہیں۔ آپ ﷺ نے ہند بنت عتبہ سے فرمایا تھا کہ جب اس نے آپ ﷺ سے کہا تھا کہ 'اے اللہ کے رسول! ابو سفیان (اس کا شوہر) بخیل ہے اور مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو' ہاں اگر میں اس کی لاعلمی میں اس کے مال میں سے لے لوں تو کیا مجھ پر کوئی گناہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿ خُذِيْ مَا يَكْفِيْكِ وَوَلَدِكِ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾

”تم دستور کے مطابق (بغیر اجازت) اتنا لے سکتی ہو جو تمہارے اور تمہارے بچوں کے لیے کافی ہو جائے۔“ (۱)

مزید فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت کی ہے کہ شوہر کے ذمہ اتنا ہی خرچ واجب ہو گا جس کی وہ طاقت رکھتا ہے اس سے زائد نہیں جیسا کہ فرمایا ﴿ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ ”کسی نفس کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اس کی وسعت و طاقت کے مطابق۔“ (۲)

[بقلم : حافظ عمران ایوب لاہوری]

(۱) [بخاری (٥٣٦٤) كتاب النفقات : باب اذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغير علمه ' مسلم (١٧١٤) كتاب الأقضية : باب قضية هند ' ابو داود (٣٥٣٢) كتاب البيوع : باب في الرجل يأخذ حقه من تحت يده ' ابن ماجه (٢٢٩٣) كتاب التجارات : باب ما للمرأة من مال زوجها ' نسائی فی السنن الكبرى (٩١٩٠) دارمی (٢٢٥٩) حميدی (٢٤٢) ابن حبان (٤٢٥٥) بغوی (٢١٤٩) بيهقی (١٤١/١٠)]

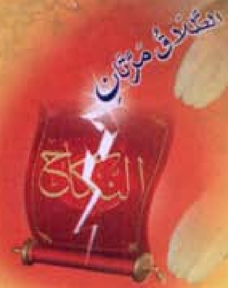
(۲) [تفسير قرطبی (١٥٤/٣)]

سلسلہ

فقہ الحدیث

12

کتاب الطلاق



- طلاق' نکاح کی گرہ کھول دینے کو کہتے ہیں۔ مختلف ادیان و مذاہب میں طلاق کا تصور مختلف رہا ہے' کسی میں طلاق کی کھلی چھٹی دی گئی تھی اور کسی میں طلاق کا کلی طور پر جواز ہی موجود نہ تھا۔ تاہم اسلام نے جو معتدل و متوازن تصورِ طلاق پیش کیا ہے دیگر تمام ادیان اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ اسلام نے جہاں ایک طرف ناگزیر حالات میں طلاق کی اجازت دی ہے وہاں دوسری طرف بلاوجہ طلاق کو بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے' عورت کو الگ تنگیِ حالات میں خلع کے ذریعے علیحدگی کا حق عطا کیا ہے' مگر دونوں کو ترجیحی طور پر صبر و تحمل کے ساتھ گزر بسر کرنے کی ہی ترغیب دلائی ہے۔
- الغرض اسلام ہی وہ ضابطہ حیات پیش کرتا ہے جس سے خاندان تباہ ہونے سے بچ سکتے ہیں' کم سن بچوں کو تحفظ مل سکتا ہے' خواتین کو در بدر کی ٹھوکروں سے بچاؤ کا حصار نصیب آ سکتا ہے اور معاشرتی امن و سکون حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر دیگر شرعی مسائل و احکام کی طرح لوگ اس اہم اور ضروری مسئلہ طلاق کے متعلق بھی شرعی نقطہ نظر سے جاہل نظر آتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اچھے اچھے سمجھدار لوگ اپنے گھروں کو خود تباہ کر بیٹھتے ہیں' پھر معاشرتی سکون الگ برباد ہوتا ہے اور دینی سرگرمیاں الگ متاثر ہوتی ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ دیگر اسلامی معلومات کے ساتھ ساتھ مسائل طلاق کے متعلق بھی مفصل معلومات حاصل کی جائیں۔
- اس سلسلے میں ہمارے فاضل دوست **"حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ"** کی زیر نظر کاوش نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ جس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ مسائل کی جامعیت' عرب و عجم کے کبار علماء کے فتاویٰ جات' مکمل تخریج و تحقیق' اختلافی مسائل میں برحق مؤقف کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ ہر حدیث کی استنادی حیثیت **علامہ البانی** رحمہ اللہ کی تحقیق سے فراہم کی گئی ہے۔
- میں اس مفید کتاب کی قبولیت کے لیے دعا گو ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ یہ کتاب نہ صرف طلباء و اساتذہ کے لیے لائق مطالعہ ہے بلکہ ہر مسلمان میاں بیوی کی بھی اہم ضرورت ہے۔

مولانا محمود احمد غضنفر رحمہ اللہ